اصلاح

سنہ ١٣٥٧ھ
ماہ جمادی الاولیٰ و جمادی الثانیہ | جلد ۴۲

مدیر

مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

دار الاشاعت

کھجوا صوبہ بہار

چندہ سالانہ بنام خریداروں کے تین روپیہ
بیرون ہند کا ہر دو اول پانچ روپیہ

مکرر پرچہ نہیں جاسکتا

بعض ہمدردان اصلاح اپنے پرچوں کی پوری حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر دفتر اصلاح میں شکایت کرتے ہیں کہ اتنے نمبر نہیں ملے مکرر فوراً بھیجدیجیئے۔ ان کل حضرات سے التماس ہے کہ جس وقت رسالہ پہونچا کرے پڑھ کر اگر صندوق یا الماری میں مقفل کرکے بند کر دیا کریں تو کوئی نمبر ضائع نہ ہو۔ ہاں ایک نمبر پہونچنے پر اگر نہیں معلوم ہوگا کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو وہ مکرر روانہ کر دیا جاوے گا۔ مگر دو تین نمبروں کے بعد قبل کا نمبر طلب کیا جائیگا تو نہیں جاسکتا۔ مثلاً نمبر ۵ پہونچنے پر اگر لکھا کہ نمبر ۴ نہیں ملا تھا تو مکرر بھیجدیا جائیگا لیکن اگر نمبر ۳ یا طلب کیجئے گا تو وہ نہیں جاسکتا۔ بلکہ اس کے لئے فی نمبر ۸؍ قیمت آپ کو بھیجنی پڑے گی۔

جو لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل جاتے ہیں

وہ فوراً دفتر اصلاح میں بھی اپنے جدید پتے کی اطلاع دے دیا کریں ورنہ ان کا رسالہ اصلاح سابق پتے پر جاتا رہے گا اور پھر دفتر سے مکرر نہیں بھیجا جائیگا اکثر حضرات اسکی پابندی نہیں کرتے جس سے دفتر کو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔

۱۳۵۷ھ ہجری کا چندہ اصلاح

۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۷ھ ہجری کا چندہ اصلاح جن حضرات نے اب تک نہیں بھیجا وہ فوراً بذریعہ منی آرڈر روانہ کرکے شکر گزار کریں ورنہ آئندہ نمبر ضرور وی پی روانہ کیا جاوے گا جس میں آپ کا ۳؍ پیسہ فضول خرچ ہو جائیگا۔ بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیجدیا خط لکھ کر چندہ کیوں نہیں طلب کیا۔ ان سب کی خدمت میں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط اور نہ اتنا مال ہے کہ ہر شخص کو ۳ ؍ کا پوسٹ کارڈ بھیجا جایا کرے۔ پس اس اطلاع کو آپ کارڈ خیال کرکے فوراً اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمادیں کہ وی پی بھیجنا ہمارے لئے بڑی مصیبت ہے۔

ناول جوہر قرآن و سوانح عمری حضرت عمر

دفتر اصلاح کے مشہور دلچسپ ناول تصویر عزا کی برابر فرمائشیں آرہی ہیں مگر ہم بھیجنے سے مجبور۔ حضرات اسکے دیکھنے کے لئے بیچین ہیں۔ اسی طرح جو حضرات اسی وقت سے رسالۂ اصلاح کے ہونگے اور ناول جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفۂ دوم ختم ہونے پر طلب کرینگے تو بہت افسوس کرینگے

ڈاکخانہ کھجوا

انگریزی میں ڈاکخانہ کھجوا اس طرح لکھا جائے:۔ KHAJWA (BIHAR CIRCLE)

فہرست مضامین اصلاح ۱۳۵۵ھ جلد ۴۲

انصار اصلاح

حسب ذیل ہمدردان دین و ملت نے اس سال رسالہ اصلاح کے جدید خریدار عنایت فرماکر کمال درجہ شکرگزار کیا۔ خدا سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (۲۸) جناب مولوی سید زین العباد صاحب حیدرآباد دکن ۱ (۲۹) جناب غلام نبی اظہر صاحب شہر سلطان ضلع مظفرگڈھ ۱ (۳۰) جناب سید احمد علی صاحب اسٹیشن ماسٹر بلاسپور ۱ (۳۱) جناب منشی محمد حسین صاحب پی ٹی انسٹرکٹر نکیم پور ۲ (۳۲) جناب مولوی حاجی اطہر حسین صاحب موتیہاری ۱ (۳۳) جناب سید محمد رضی صاحب پوسٹماسٹر بلاسپور ۴ (۳۴) جناب سید محمد امیر صاحب ایڈووکیٹ مظفرنگر ۱ (۳۵) جناب مولوی میر یوسف علی صاحب مہتمم بنگلہ جات سرکاری حیدرآباد دکن ۲ (۳۶) جناب حکیم سید ضمیر انور شاہ صاحب جرگ پٹیالہ ۱ (۳۷) جناب مولوی الطاف حسین شاہ صاحب بخاری چکر الالا ۱ (۳۸) جناب مولوی سید اسرار الحسنین صاحب مدرس فارسی ہاپوڑ ۲ (۳۹) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی میڈیکل افیسر انچارج شفاخانہ بلاسپور ۱ (۴۰) جناب مولوی مرزا علی بہادر صاحب ناظر ہائیکورٹ حیدرآباد دکن ۱ (۴۱) جناب سید احمد علی شاہ صاحب سب انسپکٹر ضلع مظفرگڈھ ۱ (۴۲) جناب منشی سید یعقوب حیدر صاحب ہیڈ تھانہ بانگرمئو ۱۔ (باقی آئندہ)

خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے رسالہ اصلاح کو زندہ رکھا اور یہ نمبر بھی شایع کرا دیا۔ آئندہ کی مشکلات بھی وہ آسان کرتا رہے۔

اس سال کا تباہ کن سیلاب رسالہ اصلاح کی اشاعت میں اس طرف پہلے سے بھی زیادہ تاخیر ہوئی جس پر اسکے ہمدردوں کے شکایتی خطوط بہت کثرت سے موصول ہوئے ان حضرات کو کیا خبر کہ ہم لوگ کس عالم بکیسی و بے بسی و غرق و فنا میں مبتلا ہو گئے تھے اور جس رسالہ کا انہیں اشتیاق ہے وہ زندہ بھی تھا یا گویا بند ہی ہوگیا تھا۔ اس کے کارکنوں کی زندگی ہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام فخر الحکماء الالٰہیین ظہیر الملۃ والدین سید العلماء المحققین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ کا سایہ ہم لوگوں کے لئے وہ نعمت عظمیٰ تھا کہ ہم لوگ گویا ہر مصیبت سے محفوظ تھے۔ مگر ۱۲ شعبان ۵۲ھ کو وہ سایہ اُٹھ گیا تو چند ہی دنوں کے بعد صوبہ بہار میں ایسا شدید زلزلہ آیا جس نے بے حد و حساب جان و مال کا نقصان کر دیا۔ اس کے بعد ہر سال اطراف کھوا میں شدید سیلاب آرہا ہے جس سے جائداد۔ زراعت۔ مکانات بھی ضایع و برباد ہو رہے ہیں۔ گرم خبر تھی کہ اس سال گورنمنٹ نے سیلاب کی پوری روک تھام کر لی ہے مگر افسوس ۸ اگست سے ایسا شدید سیلاب آگیا جس نے سابق سیلابوں کو بھی بے حقیقت کر دیا۔ سیلاب کیا تھا قہر خدا تھا جس نے سب کچھ تباہ کرکے چھوڑ دیا۔ ساتھ ساتھ اوپر کی شدید بارش اور بھی تباہ کن تھی۔ لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوگیا۔ ہزاروں مکانات گر گئے۔ کتنی مخلوق خدا دنیا سے فنا ہو گئی۔ زراعت۔ تجارت۔ صنعت و حرفت زمینداری۔ غرض کل ذرائع معاش برباد اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ صوبۂ متحدہ کا ظالم دریائے گھاگھرا یہاں سے دو میل پر ہے۔ بس اسی کی طغیانی ہر سال یہ عذاب لاتی ہے۔ دوسری طرف یہاں سے ۱۰ میل پر ریلوے اسٹیشن ہے اور کل ضروریات کے اسباب بیل گاڑیوں پر یہاں آتے ہیں۔ سیلاب کی اتنی طغیانی ہوئی کہ کھوا کے چاروں طرف گویا سمندر نظر آتا تھا۔ کشتیوں پر لوگ یہاں سے کہیں جاتے اور باہر سے آتے تھے۔ گورنمنٹ اور خوشحال لوگوں نے کافی رقم خرچ کرکے سیلاب زدہ لوگوں کو مدد پہونچانے کی کوشش کی۔ مگر انسانی دسترخوان کتنے لوگوں کا پیٹ بھر سکتا ہے؟ ۱۳ ستمبر سے پانی کم ہونے لگا مگر اتنی ہی مدت میں سب کو تہ و بالا کر دیا کہ مکان کے اندر پانی بھرا ہوا۔ راستوں گلیوں میں بھرا ہوا۔ مکان کی دیواریں پانی کے اندر۔ اوپر کے

بارش کی مصیبت اور نیچے کے سیلاب کی تباہ کاریاں۔ نہ ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع۔ نہ گھر سے چیزوں کے نکالنے کی جگہ۔ صرف پڑے ہوئے موت کا انتظار کرنے میں بھی تو عافیت نہیں تھی غرض دوسروں کو اندازہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان سیلاب زدہ لوگوں پر کیا گزری۔

دفتر اصلاح کی حالت

بھی ناگفتہ بہ ہو گئی۔ رہنے کے مکانات کثرت سے گر گئے اور جو باقی ہیں وہ بھی ایسے مخدوش ہو گئے کہ ان میں رہنا خطرہ سے خالی نہیں کتبخانہ کی کتابیں بہت ضائع و برباد ہوئیں۔ کاتب جو دوسرے شہر کے تھے اپنے وطن چلے گئے مصلح سنگ کلکتہ روانہ ہو گیا۔ ایک اور کاریگر نے کھوا چھوڑ دیا۔ مشین مین بھی اپنا مکان گرنے سے پریشان حال رہا۔ کاغذ جو لکھنؤ سے منگایا گیا تھا ریلوے اسٹیشن پر پڑا رہا۔ دفتر بند۔ پریس مقفل۔ کاریگر بدحواس۔ غرض کس کے حواس درست تھے کہ رسالہ چھاپنے کی طرف توجہ کرتا اور کون شایع کرسکتا انہیں وجوہ سے ہم نے اخبار سرفراز و الواعظ لکھنؤ میں شایع کرا دیا تھا کہ اس وقت دفتر اصلاح کھوا سیلاب کے مصائب میں گرفتار ہے آپ حضرات دعا کریں کہ جلد ان آفات سے نجات ملے

بعض مومنین کی اعانت

ان حالات کو معلوم کرکے حسب ذیل ہمدردان اصلاح نے اسکی مالی اعانت کی جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جناب سید محمد عباس صاحب دام مجدہ ملت ملایا ۲۵للعہ۔ مومنین نگینہ ضلع بجنور بسعی جمیل جناب حافظ سید امیر کاظم صاحب رئیس ۲۵للعہ ممدوح ۵ر۔ جناب سید محمد احسن صاحب منصف ۵ر۔ جناب سید نبی عمران صاحب ۶ار۔ جناب سید نذر عباس صاحب ۶ر۔ مسماۃ سارہ بیگم صاحبہ ۶ر۔ جناب سید محمد سبطین صاحب ۶ر۔ جناب زاہد علی خانصاحب ۶ر۔ جناب سید ناصر حسین صاحب ۸ر۔ اور جناب سید خادم حسین شاہ صاحب گرداور قانونگو ضلع گرداسپور نے ۳ے روپیہ بھیجا کہ کسی غریب شیعہ کے نام رسالہ جاری کر دیا جائے۔ اس اعانت سے اصلاح ۴ کے شائع کرنے میں کافی مدد ملی۔ خدا سب کو جزائے خیر دے۔

آئندہ اصلاح کیونکر زندہ رہے؟

بہت تاخیر ہو جانے کی وجہ سے اصلاح ۵و۶ دونوں ایک ساتھ (بجائے ۱۱۲ صفحوں کے) صرف ۸۰ صفحوں پر شایع کر دیئے جاتے ہیں۔ باقی ۳۲ صفحے انشاء سال کے آخر میں زیادہ کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اس وقت بڑا سوال یہ ہے کہ رسالہ اصلاح اب کیونکر زندہ رہے۔ دفتر میں اسکی صلاحیت نظر نہیں آتی کہ بقیہ نمبروں کا انتظام کر سکے۔ اس کے لئے صرف کاغذ تقریباً سو روپیہ ماہوار کا چاہیئے۔ رسالہ

اصلاح کے بڑے معین جناب مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی صدر محاسب وظیفہ یاب ریاست حیدرآباد دکن دام مجدہم نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی اعانت میں تین سو روپیہ جلد عنایت فرمائینگے۔ اگر وہ رقم آجاتی تو ماہ رجب وشعبان و رمضان المبارک کا اصلاح آسانی سے شائع ہو جاتا۔ مگر ابھی تک وہ موصول نہ ہوئی اور نہ اس سے کاغذ آسکا۔ اب ہمدردان اصلاح بتائیں کہ اسکی اشاعت کیونکر جاری رکھی جائے۔ جن حضرات نے سال گذشتہ و سال رواں کا چندہ اصلاح اب تک نہیں بھیجا اگر وہ فوراً بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں اور کل ہمدردان اصلاح صرف دو دو جدید خریدار اصلاح بھی ایسے عنایت فرما دیں جو اس سال اصلاح بھی لیں اور کتاب عظیم الشان تاریخ ائمہ بھی خریدیں اور ان سے چندہ اور قیمت کتاب خود وصول کر کے بذریعہ منی آرڈر جلد جلد بھیجتے جائیں تو آسانی سے سب مشکلیں حل ہو سکتی ہیں۔ اگر ایسے دو جدید خریدار اصلاح نہ ملیں تو صرف اصلاح یا کتاب تاریخ ائمہ ہی کے تین خریدار عنایت فرما کر شکر گزار کریں۔ بس مستعد ہو جانے کی ضرورت ہے خدا مدد کریگا۔

جوہر قرآن و سوانح دوم کی اہمیت

جناب مولوی سید ظہیر الدین حیدر صاحب ظہیر شادانی دام مجدہٗ جگراؤں سے لکھتے ہیں "جناب مولانا دامت مفاخرکم السامیہ وزادت مآثرکم النامیہ تسلیم۔ آپنے جو اصلاح میں سوانح نگاری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے بیحد کامیاب ہوا ہے۔ واقعی آپ کی یہ مساعی جمیلہ لائق صد ستائش ہیں۔ سوانح عمری خلیفۂ اول ہی کیا کم تھی۔ سوانح عمری خلیفۂ ثانی نے تو جہانِ اغیار میں ہلچل ڈالدی۔ اغیار اب ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ دونوں آپ کے بہترین شاہکار ہیں"۔ جناب حاجی سید جلال الدین حیدر صاحب ایم۔ اے دام مجدہ نے لکھنؤ سے لکھا "شیعہ بی بی اور سنی شوہر کا فسانہ جو میں نے محرم نمبر میں پڑھا تو پھر بقیہ دو پرچوں میں بھی سب سے پہلے اسی افسانہ کو پڑھا ماشاء اللہ خوب لکھ رہے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خدا آپ کی صحت کو قائم رکھے اور آپ کو افکار سے نجات دے"۔

تبلیغ حق

دام ظلکم۔ اصلاح نمبر ۴ میں آپ کا یہ جملہ پڑھ کر "ہماری قوم میں اتنی دولت کہاں کہ جوہر قرآن و سوانح دوم کو اپنے پاس سے چندہ ادا کر کے دوسرے مسلمانوں میں مفت تقسیم کریں" مجھے تعجب ہوا میری قوم ابھی ایسی بے حس نہیں ہوئی۔ دونوں کتابوں کی اشاعت برادران اہلسنت میں بہت ضروری ہے۔ آپ میری طرف سے چار سنی بھائیوں کے نام رسالہ اصلاح اس سال جاری فرما دیں۔ میں طالب العلم ہوں میرا وظیفہ بہت کم ہے مگر میں اسی سے پانچ ماہ تک دو روپیہ ماہوار آپ کی خدمت میں بھیجکر سب کا چندہ ادا کر دونگا۔ اور اس کا ثواب اپنی والدہ مرحومہ کی روح کو بخشوں گا۔ اگر دوسرے حضرات بھی اپنے مرحوم بزرگوں و عزیزوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کیلئے ایسا کریں تو ثواب بھی ملے اور دین حق کی تبلیغ بھی ہوتی رہے۔ فقط

از سرگذشت فاطمہ رسی ز فاطمہ

(از جناب مولانا عینی شاہ صاحب حنفی نظامی مدظلہ حیدرآباد دکن)

خدا گواہ ہے فاطمہؑ اللہ والی تھیں۔ قرآن شاہد ہے فاطمہؑ طاہرہ مطہرہ تھیں۔ رسولؐ کا ارشاد ہے فاطمہؑ حور بہشت تھیں۔ مریم جیسی صدیقہ تھیں اور آسیہ جیسی زکیہ تھیں۔ عرش کا اشارہ ہے فاطمہؑ عرش مکان تھیں۔ آسمان کا کنایہ ہے فاطمہؑ فلک منزلت تھیں۔ جبرئیل ناقل فاطمہؑ روح قدس تھیں۔ فرشتے قائل فاطمہؑ فرشتہ تھیں۔ حوروں کا بیان ہے فاطمہؑ حور تھیں۔ جنت نازاں فاطمہؑ خاتون جنت تھیں۔ وحی کا اشارہ ہے فاطمہؑ خدا کی آواز تھیں اور الہام کہتا ہے فاطمہؑ ملہم من اللہ تھیں۔ ایمان کہتا ہے فاطمہؑ سب کچھ تھیں۔

محمدؐ کی قسم فاطمہؑ روح محمدؐ تھیں۔ فاطمہؑ نفس محمدؐ تھیں اور شبیہ محمدؐ تھیں۔ نور کی قسم۔ فاطمہؑ نور کا ٹکڑا تھیں نور مجرد تھیں اور نور علی نور تھیں۔ حور کی قسم۔ فاطمہؑ پاک تھیں۔ طاہرہ تھیں اور انسانی حور تھیں۔ جنت کی قسم فاطمہؑ ثمر جنت تھیں۔ عطر جنت تھیں اور سیدۂ جنت تھیں۔ عرب کی قسم۔ فاطمہؑ سیدۂ عرب تھیں۔ سید العرب کی بی بی تھیں۔ کعبہ کی قسم۔ فاطمہؑ حقیقت کعبہ تھیں۔ اور مولود کعبہ کی زوجہ تھیں۔ مدینہ کی قسم۔ فاطمہؑ مدینہ کا چاند تھیں۔ محمدؐ کا چاند تھیں اور نور اسلام تھیں۔ امت کی قسم فاطمہؑ سیدۂ امت تھیں شہنشاہ اُمم کی نور نظر تھیں اور مولائے امت کی دولھن تھیں۔

رسالت فاطمہؑ پر نازاں۔ نبوت فاطمہؑ پر قربان۔ امامت فاطمہؑ کے شایاں۔ شرافت فاطمہؑ کی بلہار۔ سیادت فاطمہؑ کی نثار۔ طہارت فاطمہؑ کی زرخرید۔ عصمت فاطمہؑ کی مرید۔ عفت فاطمہؑ کی لونڈی۔ صداقت فاطمہؑ کی خادمہ۔ جنت فاطمہؑ کی گرویدہ اور امت فاطمہؑ کی زرخریدہ۔ نبیؐ فاطمہؑ کے نبوت فاطمہؑ کی۔ رسولؐ فاطمہؑ کے رسالت فاطمہؑ کی۔ امام فاطمہؑ کے امامت فاطمہؑ کی۔ وصی فاطمہؑ کے وصایت فاطمہؑ کی۔ ولی فاطمہؑ کے ولایت فاطمہؑ کی۔ شہید فاطمہؑ کے شہادت فاطمہؑ کی بلکہ خدا فاطمہؑ کا اور خدائی فاطمہؑ کی۔

قرآن فاطمہؑ کے گھر۔ اہل قرآن فاطمہؑ کے گھر۔ ایمان فاطمہؑ کے گھر۔ اور اہل ایمان فاطمہؑ کے گھر۔ جبرئیل فاطمہؑ کے گھر۔ تنزیل فاطمہؑ کے گھر۔ تکبیر فاطمہؑ کے گھر۔ تفسیر فاطمہؑ کے گھر۔ طٰہٰ فاطمہؑ کے گھر۔ یٰسین فاطمہؑ کے گھر۔ تطہیر فاطمہؑ کے گھر۔ تنویر فاطمہؑ کے گھر۔ رضوان فاطمہؑ کے گھر۔

خیابان فاطمہؑ کے گھر۔ کوثر فاطمہؑ کے گھر۔ ساقی کوثر فاطمہؑ کے گھر۔ جنت فاطمہؑ کے گھر۔ شہنشاہ جنت فاطمہؑ کے گھر۔ قسیم جنت فاطمہؑ کے گھر۔ سرداران جنت فاطمہؑ کے گھر۔ نسار جنت فاطمہؑ کے گھر۔ اور خود فاطمہؑ خاتون جنت۔ فرشتے ان کے چاکر۔ ثقلین ان کے نوکر۔ رضوان ان کا درزی۔ قدسی ان کا دھوبی۔ حور ان کی لونڈی باندی اور فاطمہؑ عالم کی شاہزادی۔

سال ولادت بروایت ابن جوزی پنج سال قبل بعثت اور بقول زہری پنج سال بعد بعثت۔ روایت موخر قرین قیاس اور مولوفہ بہ شہادت امام محمد الباقرؑ ہے۔ رہی تاریخ ولادت وہ ۲۰ جمادی الثانی صبح یوم جمعہ فریقین سے مروی ہے۔ فاطمہؑ کیا تولد ہوئیں مکان سر دچراغاں ہو گیا۔ فاطمہؑ حور تھیں۔ نور تھیں اور بروایت بخاری چودھواں چاند اور بدرالدجیٰ تھیں۔ اور چاند بھی آسمان نبوت کا اور فلک رسالت کا چاند بھی ختم نبوت کا اور محمد رسول اللہ کا۔ کہ سارا روشن ہو گیا۔ کعبہ سارا جگ مگ جگ مگ کرنے لگا زمین و آسمان منور ہو گیا۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ بی بی فاطمہؑ محدثین کی روایات سے بھی ایک روشن ستارہ اور بدر کامل تھیں۔ اندھیرے میں نکلتیں تو گلیاں روشن ہو جاتیں لوگ جان جاتے کہ فاطمہؑ کی سواری جا رہی ہے۔ راستے سے گزر ہوتا تو خوشبو کی مہک جاتی۔ اور مشام معطر ہو جاتے۔ کسی بی بی سے مصافحہ فرما لیا تو اٹھوارہ تک خوشبوئی باقی رہتی۔ ماں اور باپ دونوں کے دونوں آپ کی خوشبوئی سونگھا کرتے بلکہ باپ فرمایا کرتے بیٹی! تم ثمر بہشتی کا عطر ہو۔

فاطمہؑ توڑے تارے باپ تھیں۔ صورت میں تصویر محمدؐ۔ سیرت میں سراپا محمدؐ۔ رفتار میں شبیہ محمدؐ گفتار میں نظیر محمدؐ تھیں۔ اخلاق میں ہو بہو باپ تھیں۔ لب ولہجہ میں باپ ہی باپ تھیں۔ ملکۂ عرب کی نور نظر شہنشاہ کونین کی لخت جگر۔ آرزوؤں تمناؤں کی جنی۔ ثمر جنت سے پھلی پھولی۔ جبرئیل امین کی لاڈلی خدا کی پیاری۔ رسولؐ کی دولاری۔ اور خدیجہؓ کی جائی۔ ہزاروں میں ایک تھیں۔ باپ طہار توماں قربان۔ ماں واری واری جاتیں تو باپ نثار ہوتے تھے باپ کی نور نظر اور ماں کا کلیجا تھیں۔ نازک بدن۔ نازک مزاج۔ نازک طبع۔ نازک دماغ۔ نازک دل تھیں۔ آٹھ سال ماں اور باپ دونوں نے نازبرداریاں کیں۔ آٹھویں برس ماں کی گود سے جدا ہوئیں اور باپ ہی باپ نے کلیجے سے لگا کر پالا آنکھوں پر رکھ کر پرورش کی۔ دوگن لاڈ پیار کیا۔ دن میں گود سے نہ اتارا اور رات میں چھاتی سے لگا کر سلایا۔ کبھی آزردہ ہونے نہ دیا۔ کبھی ڈرایا نہ دھمکایا۔ پھر بھی آپ کو یہ خیال آتا تھا کہ فاطمہؑ کو ماں کی یاد ستاتی ہو گی۔ اس ننھی سی جان کو ماں کی ضرورت ہے۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈواتے حضرت

سودہؓ کو گھر لایا اور تاکید کی۔ فاطمہؓ کی ماں بنی رہنا۔ اس کی دلجوئی میری خوشنودی اور اس کی خدمت میری خدمت ہے۔ فاطمہؓ باپ کے اس چاہ و پیار میں ماں کو بھول گئیں۔ باپ کی محبت سے بہل گئیں۔ باپ بیٹی کو دیکھ کر جیتے تھے اور بیٹی باپ کو دیکھ کر زندہ تھیں۔ باپ کو بیٹی کی جدائی شاق تھی اور بیٹی کو باپ کی جدائی ناگوار تھی۔

فاطمہؓ نے باپ کی گود میں ماں کی ممتا کا لطف اٹھایا۔ باپ کی آغوش میں پھلیں پھولیں اور باپ کے زیر سایہ پل کر جوان ہوئیں۔ باپ کے پہلو میں چین سے گزاریں اور باپ کے سایہ میں ہوش سنبھالیں۔ تھیں تو شہزادی۔ گر دنیا نزدیک تھی۔ دولت ماں کے قدموں کو چومتی تھی۔ مگر ماں نے سب کا سب فاطمہؓ کے آباؐ پر سے نثار کر دیا تھا۔ دولتمند ماں کی بیٹی تھیں۔ مگر ٹکا پاس نہ تھا۔ شہنشاہ عرب کی دختر تھیں لیکن کوڑی گھر میں نہ تھی۔ پھر بھی خوش و خرم، شاد و خنداں تھیں کیونکہ لاکھ دولت کی دولت چاہنے والے باپ تھے۔ فاقہ کرتی رہیں مگر تیوریوں پر کبھی بل نہ آیا۔ بھوکی رہتی تھیں مگر اُف نہ کیا۔ پھٹے پرانے پر گزارے مگر کبھی فرمائش نہ کی۔ باپ سر پر تھے۔ آنند تھا۔ چین تھا۔ آرام تھا۔ سکھ تھا۔ اور اطمینان تھا۔ ادھر باپ کو دیکھا بھوک پیاس بند ہو گئی۔ باپ نے چھاتی سے لگایا اور فاطمہؓ نہال ہو گئیں۔ باپ نے پیار کیا۔ اور بیٹی باغ باغ ہو گئیں۔ فاطمہؓ کو نہ بے زری کا خیال تھا نہ فاقوں کا ملال تھا۔ خیال تھا تو باپ کا اور فکر تھی تو باپ کی۔ باپ کا ملال بیٹی کا ملال اور بیٹی کی آزردگی باپ کو رنجیدہ تھی۔ باپ کو اُداس دیکھا تو بیٹی رو پڑتیں۔ اور بیٹی کو ملول دیکھا تو باپ اشکبار ہو جاتے۔ یہ تھے باپ بیٹی کے حالات۔ باپ بھی وہ جو لاکھوں میں ایک کروروں میں ایک بلکہ دنیا میں ایک۔ باپ بھی وہ جو تاجدار اقلیم ریاست۔ باپ بھی وہ جو سر پر آراستہ ملک نبوت۔ باپ بھی وہ جس کے ہاتھوں میں کلید جنت۔ باپ بھی وہ جو خدا کی رحمت۔ ایسے باپ کے فاطمہؓ ہزار جان سے فدا تھیں تو تعجب کون سا۔ ایسے باپ پر بیٹی ناز نہ کرے تو کیا کرے۔ یہی وہ روحانی مسرت تھی جو فاطمہؓ کے رُواں رُواں میں جاری و ساری تھی۔ اور جو مادی دنیا کی کج ادائیوں کے باوجود فاطمہؓ کو مسرور و شاداں رکھتی تھی۔

رہی بیٹی! بیٹی نہ تھی خدا کا معجزہ اور خدا کی خاص عطا تھی۔ بیٹی وہ جو کسی نبیؑ کو کسی رسول کو نہ ملی۔ بیٹی کیا تھی۔ آسمانی فرشتہ۔ جنت کی حور اور مجسم نور اور نورٌ علیٰ نور۔ عاصمہ ایسی

جس کی ولادت پر مریمؑ نے بلائیں لیں۔ عفیفہ ایسی جس کی شان عفت پر آسیہ حیران رہیں۔ طاہرہ ایسی جس کی طہارت کی خدا نے گواہی دی۔ صدیقہ ایسی جس کی تصدیق کے لئے رضوان زمین پر آیا۔ زاہدہ ایسی جس کے دامن کو دنیا کی ہوا نہ لگی۔ عابدہ ایسی کہ عبادت جس پر نازاں رہی۔ صائمہ ایسی جس کی شہادت قرآن نے دی۔ صابرہ ایسی جس کی تصدیق سے

صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

کے لفظ لفظ سے ہویدا ہے۔ وجاہت کا یہ عالم کہ پیغمبرؐ بیٹی کو آتے دیکھ کر استادہ ہو جاتے تھے۔ وقار کا یہ انداز کہ آنحضرت بڑھ کر استقبال فرماتے تھے۔ اور رتبہ کا یہ ارتفاع کہ پیغمبرؐ اپنی نشست پر بٹھایا کرتے تھے۔ اور علوئے شان یہ کہ خود آنحضرت نے بیٹی کو یا ام محمدؐ پکارا۔

اُحد کی جنگ میں دشمنوں نے بے پر کی اڑائی کہ آنحضرت شہید ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر مدینہ پہونچی۔ فاطمہؑ سنتے ہی ماہی بے آب ہو گئیں۔ زمین تلووں سے نکل گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ روتی بلبلاتی۔ سر پیٹتی۔ فریاد کرتی۔ کھلے سر۔ ننگے پاؤں دوڑتی دوڑاتی میدانِ اُحد آئیں بیہوش باپ کے قدموں میں لوٹ گئیں۔ اشکوں سے زخم دھوئے اور سر کے بالوں سے باپ کا پسینہ پوچھا۔ خوشبوئے فاطمہ سے حضور نے آنکھیں کھول دیں۔ فرمایا۔ فاطمہ! تم کہاں! عرض کیا حضور کے قدموں میں! باپ بیٹی کو لپٹ کر اتنا روئے کہ صحابہ تک رونے لگے۔ بیٹی نے زخموں کو دھویا۔ دوپٹہ پھاڑ کر پٹیاں چڑھائیں اور سر اقدس زانوئے اطہر پر رکھیں۔ اور اپنے بالوں سے ہوا دینے لگیں ادھر باپ کو آرام ملا اور اُدھر بیٹی کو چین آیا۔

سفر سے آنحضرت جب بھی واپس ہوتے سب سے پہلے بیٹی کے گھر پر قدم رنجہ فرماتے اور السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ والرسالۃ کے لفظوں میں سلام کرتے۔ بیٹی باپ کی آواز سن کر دوڑی دوڑی آتیں۔ باپ سے لپٹ جاتیں۔ سر کے بالوں سے گرد پائے اقدس جھاڑتیں اور باپ کو گھر لا کر اپنی مسند پر بٹھاتیں اور جو ما حضر ہوتا پیش کرتیں۔ اور کھڑی ہو کر پنکھا جھلتیں۔ یہ تھا باپ بیٹی کی محبت کا حال۔ باپ بیٹی کے دیوانہ اور بیٹی باپ کے رُخ انور کی پروانہ۔ فاطمہؑ کو نہ زر چاہیئے تھا نہ مال۔ نہ دنیا چاہیئے تھی نہ دولت۔ نہ محل چاہیئے تھے نہ قصور۔ صرف محمدؐ چاہیئے تھے اور بس۔ باپ تھے اور بیٹی۔ بیٹی تھیں اور باپ۔ اسی پر فرمایا بھی فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی فاطمہؑ میری لخت جگر ہے جس نے اس کو

ستایا مجھے ستایا۔ اور فرمایا احب اھلی فاطمۃ بنتی میری بیٹی فاطمہؓ مجھے سب سے عزیز ترین ہے۔
فاطمہؓ اب ہوش سنبھال چکیں اور سیانی ہوتی گئیں۔ بیٹی کو دیکھتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ فرماتے
بن ماں کی بچی ہے۔ اس کی بھی ماں ہوتیں تو جہیز جوڑتیں۔ اس کے لئے کچھ سیتی سلاتیں۔ اور اس
کی شادی بیاہ کا کوئی انتظام کرتیں اور بیٹی کو بلا کر پیار کرتے اور چھاتی سے لگاتے۔ فرماتے
بیٹی خدا تیرا کفیل ہے۔ خدا سے آپ کا یہ رنج دیکھا نہ گیا۔ ۲ھ ہجری میں رمضان المبارک کے
وسط میں وحی نازل ہوئی کہ ہم نے علیؓ اور فاطمہؓ کا عقد آسمان پر کر دیا ہے آپ بھی زمین پر
اس فرض کو انجام دید یجئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا۔ اور زرہ رہن کرا کر
چار سو اسی دینار منگوائے۔ اسی دینار حضرت ام سلمہؓ کے حوالہ فرما کر ارشاد کیا کہ اس بن ماں کی
لڑکی کا کچھ سامان جہیز تیار کر دو۔ حضرت ام سلمہؓ نے اپنے جوڑے بھی اس میں شریک کر کے
جہیز تیار کر دیا۔ اور حضرت علیؓ سے آنحضرتؐ نے اپنی چہیتی بیٹی کا عقد کر دیا۔ مگر چونکہ فاطمہؓ
دسویں سال میں تھیں رخصتی کی رسم ماہ ذی حجہ میں فرمائی۔ اور باپ بیٹی کو اپنے ساتھ لئے
حضرت علیؓ کے گھر پر پہونچا آئے۔ اور آتے ہوئے اسماء بنت عمیسؓ کو حکم دیا کہ وہ رات فاطمہؓ
کے ساتھ گزاریں۔ پھر صبح کی نماز کے بعد بیٹی کو دیکھنے روانہ ہوئے اور بیٹی کو چھاتی سے لگایا
اور نصیحتیں فرمائیں۔ جب آنحضرتؐ نے اپنے ازواج مطہرات کے مکان بنائے تو بیٹی کے لئے
حضرت عائشہؓ کے متصل کا مکان دے دیا۔ اس پر بھی روز میں ایک مرتبہ اور بعض وقت
دو مرتبہ بیٹی کو دیکھ آیا کرتے تھے۔

سیدۂ عالم کی اٹھارہ اونیس سالہ دنیاوی زندگی میں یہ آخرین ۹ سالہ دور گویا زمانہ مسرت
تھا جس میں نہ عیش تھا نہ آرام نہ فارغ البالی تھی نہ خوش حالی۔ فاقہ کشیوں کا نا متناہی سلسلہ
عسرت اور بھوک پیاس کا دور دورہ تھا پھر بھی فاطمہؓ کے لئے باپ کا سایہ ہزاروں عیش کا
ایک عیش اور لاکھوں آرام کا ایک آرام تھا۔ مگر کب تک آخر یہ سایہ بھی اب اٹھنے والا اور فاطمہؓ
سے جدا ہونے والا تھا۔ فاطمہؓ کے لئے بھی یہ نامبارک گھڑی مقدر تھی اور فاطمہؓ کی ساری
کائنات اب لُٹنے کو تھی۔ سید الاولین والآخرین بستر پر فرش ہیں۔ بخار تیز ہے۔ کمزوری
اور نقاہت بڑھ گئی ہے۔ غشی کا دورہ ہو رہا ہے۔ فاطمہؓ زار زار روتی ہوئی سرہانے بیٹھی
ہیں۔ آنسو رخسار انور پر گرتے ہیں۔ آنکھیں کھول کر بیٹی کو روتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بیٹی کا سر

لے کر چھاتی سے لگاتے ہیں۔ پیار کرتے ہیں۔ فاطمہؑ کی زلف سونگھتے ہیں اور فرماتے ہیں میری فاطمہؑ روؤ دھوؤ نہیں۔ تمھارا رونا مجھے بے چین کئے دیتا ہے۔ حاملان عرش کو رُلائے دیتا ہے۔ میں تم کو روتے دیکھ نہیں سکتا۔ بیٹی تم پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔ تم صبر کرنا۔ تم مجھ سے جلد ملوگی۔ صبر کئے بغیر چارہ نہیں۔ بابا خدا حافظ۔ سرور عالم تشریف فرمائے عالم بالا ہو جاتے ہیں۔ اور فاطمہؑ پر حقیقی معنوں میں ایک آسمان ٹوٹ پڑتا ہے۔ فاطمہؑ کی ساری آسودہ حالی بس ختم ہو چکی بلکہ دنیا اور دنیا کی زندگی تمام ہو چکی بقیہ دو ڈہائی مہینے خود فاطمہؑ کے الفاظ صبت علی مصائب لو انھا :: صبت علی الایام صرن لیالیا سے ظاہر ہیں کہ کیسے تھے۔

فاطمہؑ آسودہ حال تھیں دکھیا ہو گئیں۔ ہنس مکھ تھیں رونہار ہو گئیں۔ غم و الم کی تصویر ہو گئیں رنج و محن کی سراپا بن گئیں۔ فاطمہؑ کا سایہ اُٹھ گیا۔ فاطمہؑ کا سرپرست نہ رہا۔ فاطمہؑ کا سہارا نہ رہا۔ فاطمہؑ کی دنیا سیاہ ہو گئی۔ فاطمہؑ کی کائنات لٹ گئی۔ فاطمہؑ یتیم ہو گئیں۔ فاطمہؑ اسیر ہو گئیں۔ دن کاٹ کھانے لگے۔ راتیں بھیانک ہو گئیں۔ دیس بدیس ہو گیا۔ وطن وطن نہ رہا۔ مدینہ پردیس دکھائی دینے لگا۔ اپنے پرائے نظر آنے لگے۔ یگانے بیگانے معلوم ہونے لگے۔ فاطمہؑ دیس میں بدیسی ہو گئیں۔ آسمان تیوریاں بدلنے لگا۔ زمین تنگ ہونے لگی۔ فاطمہؑ تھیں اور رونا تھا۔ فاطمہؑ تھیں اور نالۂ و زاری تھیں۔ فاطمہؑ تھیں اور آہ آہ تھی۔ فاطمہؑ تھیں اور آنسوؤں کی جھڑیاں تھیں۔ حجرہ تھا اور فاطمہؑ تھیں۔ باپ کا مزار تھا اور فاطمہؑ تھیں۔ کھڑی پچھاڑیاں کھا رہی ہیں مزار سے لپٹ جا رہی ہیں۔ ڈاڑھیں مار کر رو رہی ہیں اور حال دل سنا رہی ہیں۔ چکر پر چکر آ رہے ہیں۔ مزار انور کے صدقے جا رہی ہیں۔ پریشان حال شوہر اور سوگوار بچے سمجھاتے ہیں بہلاتے ہیں بہزار دقت گھر لے آتے ہیں۔ اس رات دن کے رونے نے مریمؑ امت کو ناتوان اور لاغر کر دیا۔ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ صورت کی بے صورت ہو گئی چال کا بے حال ہو گیا۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو گیا۔ سوکھ کر کانٹا ہو گئیں۔ بخار رات دن چڑھے کا چڑھا رہا۔ نہ کھاتی تھیں۔ نہ پیتی تھیں۔ نہ بولتی تھیں نہ چالتی تھیں۔ بولتی تھیں تو یہی کہ مجھ پر جو مصیبت پڑی ہے دنوں پر پڑتی تو وہ راتوں کے مانند سیاہ ہو جاتے اور پھر زار زار روتی تھیں۔ روتے روتے کلیجہ پانی ہو گیا آخر بھری جوانی میں اٹھارہ انیس کے اندر باہر باپ کے دو ڈہائی مہینے بعد بروایت حضرت عائشہؓ و حضرت جابرؓ باپ کی بیٹی باپ کے پاس چلی گئیں۔

رخصتی کا دن ۔ تھا تو دن ۔ مگر رات سے بڑھ کر سیاہ اور بے نور تھا۔ مدینہ پر اُداسی سی چھا گئی تھی۔ شہر ویران دکھائی دیتا تھا۔ مگر اُس دن فاطمہؑ نہ روتی تھیں ۔ نہ دھوتی تھیں ۔ صبح صبح اٹھیں۔ نماز سے فارغ ہوئیں اپنے معصوموں کو نہلایا دھلایا ۔ کپڑے پہنائے ۔ سرمہ لگایا اور ایک ایک کو چھاتی سے لگایا ۔ پیار کیا۔ خود غسل فرمایا کپڑے بدلے ۔ اپنا تابوت اسمار کی مدد سے تیار کیا ۔ شوہر کو بلوایا اور کہا آج ہماری روانگی ہے ۔ تم کو اور بچوں کو سپرد خدا کیا ۔ تمھارا خدا کے سوا ئے ہے بھی کون ؟ میری وصیت ہے کہ مجھے نہ غسل چاہیئے ۔ نہ کفن ۔ میں نے نہایا دھویا اور کفن پہنا ہے ۔ میرا جنازہ یہاں سے باہر نہ نکلے ۔ غیر کی پرچھائیں تک اس پر نہ پڑے ۔ غیر کا ہاتھ نہ لگے ۔ بلکہ جنازہ سورج بھی نہ دیکھے ۔ رات میں ہی اسی جگہ مجھے دفنا دو ۔ سب کام تم اپنے ہاتھوں سے انجام دو ۔ اگر ممکن ہو تو عباسؓ اور ان کے بچے اور پھر اسمار بنت عمیس ہیں ۔ اتنا فرمایا اور بستر پر لیٹ رہیں اور آنکھیں ہمیشہ کیلئے بند فرمالیں ۔ یہ شمع عصمت ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی غالباً ۱ جمادی الاول یوم جمعہ تھا ۔

آقازادی تم پر خدا کا درود وسلام ۔ تمھارے باپ کا درود وسلام ۔ رسول نبیوں کا درود وسلام ۔ فرشتوں کا درود وسلام ۔ تمھارے شوہر علیؑ کا درود وسلام ۔ تمھارے لخت جگر حسن مجتبیٰ کا درود وسلام ۔ تمھارے پیارے حسینؑ کے تن بے سر کا درود وسلام تمھاری دکھیا صاحبزادیوں کا درود وسلام ۔ ہم لونڈی غلاموں کا مودبانہ درود وسلام ۔

ناظرین سرفراز متحیر ہوں گے کہ جشن میں مرثیہ کیسا ؟ مگر وہ برائے خدا بتادیں کہ اس دکھیا شاہزادی کی اٹھارہ انیس سالہ دور زندگی میں خوشی کی کون سی ایسی گھڑی گزری ۔ مکہ کی زندگی قریش کی ایذا رسانیوں پر کڑھتے گزری ۔ مدینہ کا دور دورہ فاقہ کشیوں اور چکی پیسنے میں تمام ہوا ۔ مگر پھر بھی باپ سر پر تھے اور باپ کے بعد دو ڈھائی مہینے تو فاطمہ کے حق میں قیامت تھے ۔ یہ سرگزشت فاطمہؑ عاشازمن پرس ۔ (منقول از اخبار سرفراز لکھنؤ)

اہلحدیث کی افترا بازیاں

میرے پیارے دوست حاجی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر نے قسم کھائی ہے کہ شیعوں کے متعلق جب لکھیں گے افترا و بہتان ہی کریں گے ۔ پہلے آپ لکھ چکے ہیں کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح خلیفہ دوم سے ہونا شیعوں کی مشہور کتاب اصول کلینی میں موجود ہے ۔ اس کو میں بار بار دریافت کر چکا کہ

بتائیے اصول کلینی کا وہ نسخہ کہاں ہے جس میں یہ واقعہ مرقوم ہے۔ اگر آپ دکھا دیجئے تو میں تین سو روپیہ انعام بھی دوں اور سنی بھی ہو جاؤں۔ لیکن اگر آپ نہ دکھا سکیں تو مذہب حق شیعہ قبول کر لیں مگر حاجی صاحب نہ مجھے بہشت سے نکالنا چاہتے ہیں اور نہ خود جنت میں آنا پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ نے لکھا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے کو رافضی کہا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت نے کہاں کہا ہے۔ حضرت کی عبارت دکھائیے۔ مگر اب بھی آپ نے خاموشی ہی اختیار کر لی۔ شیعوں کے متعلق آپ کچھ لکھا کریں تو میری یہ فرمائش نہ بھولا کریں ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں　　کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اب آپ کے تازہ افترارات ملاحظہ ہوں۔ لکھتے ہیں "خود حضرت علی خلیفہ رابع نے خلفائے ثلاثہ کی تعریف فرما کر ان کی خلافت برحق ثابت کی ہے اور ساتھ ہی خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ بھی اس پر راضی و خوش ہے۔ فرمایا انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ .... وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذلک للہ رضاً (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۸)" (اہلحدیث ۲۱ جمادی الآخری ۱۳۵۸ھ)۔ پیارے حاجی صاحب! کہاں تک مرزا قادیانی کی شاگردی میں تحریف و افترار کا بازار گرم رکھئے گا؟ فرمائیے تو حضرت علیؑ کو خلیفہ رابع کس نے کہا ہے؟ خدا نے؟ یا رسولؐ خدا نے؟ ۔ خدا اور رسولؐ نے تو حضرت کو آنحضرتؐ کا خلیفۂ اول ارشاد فرمایا ہے۔ اسلام کی ابتدا ہی میں فرما دیا کہ ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم۔ یہی علیؑ میرے بھائی میرے جانشین اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷) بعد کو آنحضرتؐ نے تصریح بھی فرما دی ہے کہ علیؑ میرے پہلے خلیفہ ہیں۔ ارشاد فرمایا خلفائی من بعدی اولھم علی ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی المعروف بالباقر ثم الصادق جعفر بن محمد ثم موسیٰ بن جعفر ثم علی بن موسیٰ ثم محمد بن علی ثم علی بن محمد ثم الحسن ابن علی ثم حجۃ اللہ فی ارضہ و بقیتہ فی عبادہ محمد بن الحسن ۔ میرے خلفاء میرے بعد اس طرح ہوں گے کہ خلیفہ اول علیؑ پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی بن الحسینؑ پھر محمدؑ باقر پھر جعفر صادقؑ پھر موسیٰؑ بن جعفر پھر علی رضاؑ پھر محمد تقیؑ پھر علی نقیؑ پھر حسن عسکری پھر محمد مہدی ہوں گے (روضۃ الاحباب جلد ۳ صفحہ ۲۷)

یہی مضمون ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۹ وغیرہ میں بھی ہے۔ اس کے بعد آپ کا یہ لکھنا بھی کہ "خلفائے ثلاثہ کی تعریف فرما کر ان کی خلافت ثابت کی ہے"! بالکل غلط ہے۔ حضرت نے کہیں اور کبھی بھی خلفائے ثلثہ کی تعریف نہیں کی بلکہ برابر ان کی شکایت ہی فرماتے رہے کہ ان لوگوں نے خلافت کو مجھ سے چھین لیا۔ نہج البلاغہ میں یہ شکوے بھرے ہوئے ہیں۔ حضرت نے ان کی خلافت کو کبھی برحق نہیں ثابت کیا اور نہ یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ بھی اس پر راضی و خوش ہے۔ نہج البلاغہ کی جو عبارت آپ نے نقل کی اُس میں سخت تحریف کی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے ومن کتاب لہ علیہ السلام الی معویہ۔ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذالک رضاً۔ یعنی حضرت نے معویہ کو لکھا کہ میری بیعت بھی انہیں سینوں نے کی جنھوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی اور انہیں شرائط پر کی جن شرائط پر ان لوگوں کی کی تھی۔ تو حاضر کو اختیار کرنے اور غائب کو رد کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اور شوریٰ کرنا تو مہاجرین و انصار کا فعل تھا اگر وہ لوگ کسی شخص پر اجماع کر لیتے اور اس کو امام مان لیتے تو یہ ان کی خوشی تھی (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۸) اس سے واضح ہوا کہ حضرت نے معویہ کے خط کا جواب لکھا تو مطلع فرمایا کہ میری اطاعت سے اختلاف کرنا اصول اہلسنت کے مطابق بھی درست نہیں کیونکہ جسطرح لوگوں نے خلفاء ثلثہ کی بیعت کر کے ان کی اطاعت سے روگردانی نہیں کی اُسی طرح میری بیعت بھی کی ہے تو مجھ سے بھی روگردانی نہیں چاہیئے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ آئیے خلافت کو پھر شوریٰ سے طے کریں تو تمھیں اس تجویز کے پیش کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ خلیفۂ ثالث کے انتقال پر مہاجرین و انصار کو اس کا حق تھا کہ بجائے میرے وہ کسی اور شخص کو شورے سے اپنا امام بناتے تو وہ ان کی خوشی کا امام ہوتا۔ مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ شورے سے کسی کو اپنا امام بنائیں اپنی متفقہ رائے سے مجھے امام بنالیا۔ تو اب تم کو میری خلافت سے انکار کرنے اور میری خلافت کیلئے بھی تیسری خلافت کی طرح شوریٰ کرنے کی تجویز کرنا صرف تمھاری ذاتی رائے ہے جو قابل عمل نہیں ہوسکتی"۔ اس میں کہیں بھی حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ ذالک للہ رضاً یعنی اللہ تعالےٰ بھی اس پر راضی و خوش ہے۔ بلکہ اسکے

برعکس صرف "ذلک رضیٰ" ہے یعنی مہاجرین و انصار کی خوشی ہے۔ اگر حاجی صاحب نہج البلاغہ میں کان ذلک رضًا کے عوض کان ذلک للہ رضًا دکھا دیں تو اس پر بھی میں ان کو انعام دوں۔ افسوس سے کوئی بھی کام جیسا ترا پورا نہ ہوا۔ نامرادی میں ہوا ہے ترا بکنا لکھنا۔
حاجی صاحب! کچھ دم ہوتا ہے تو دکھائیے کہ حضرت علی نے مہاجرین و انصار کے فعل کو خدا کی رضا کب اور کس طرح کہا ہے سے ابھی دلربائی کے انداز سیکھو۔ کہ آسان نہیں دل لبھانا کسی کا آگے بڑھ کر آپ فرماتے ہیں "تفسیر قمی شیعہ ص۲۸۶ سورۂ تحریم میں ہے کہ رسول اللہ نے اپنی بی بی حفصہ کو فرمایا کہ میرے بعد خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق بنیگا اور اس کے بعد تیرا باپ حضرت عمر خلیفہ بنیگا۔ جس پر بی بی صاحبہ نے پوچھا کہ تم کو کیسے خبر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہی خبر دی ہے"۔ افسوس حاجی صاحب یہاں بھی گرفتار ہو گئے۔ تفسیر قمی ص۲۸۶ میں یہ عبارت مجھے نہیں ملی۔ ذرہ بتائیں تو تفسیر قمی مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۲۸۶ میں ہے یا نسخہ قلمیہ کے۔ اگر مطبوعہ نسخہ میں ہے تو وہ تفسیر قمی کس شہر کس مطبع اور کس سال میں چھپی ہے۔ اور اگر قلمی نسخہ میں ہے تو کس آیت کی تفسیر میں ہے۔ حاجی صاحب! سے ہم بھی ہیں سینہ سپر قاتل لگا جو ہو سو ہو + آج دیکھیں کاٹ تیرے ابروئے خمدار کا۔ پیارے دوست! اب بھی ہوش میں آئیے۔ میں آپ کے کسی افترا کو چلنے نہیں دوں گا اور میری گرفت سے آپ ہمیشہ اپنا سر پکڑ کر روتے ہی رہیں گے۔ ع باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ۔ پھر آپ لکھتے ہیں "اسی تفسیر قمی ص۲۶۶ میں سورۂ براءۃ زیر آیت اذ ھما فی الغار مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ابوبکر کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور فرمایا انت الصدیق یعنی تو بڑا صادق ہے"۔ حاجی صاحب! پھر میں وہی سوال کرتا ہوں کہ یہ تفسیر قمی مطبوعہ نسخہ ہے یا قلمی۔ اسی تفصیل سے بتائیے تاکہ آپ کے افترا کا پردہ چاک ہو سے جو تمہاری طرح کوئی بھی جھوٹے دعوے کرتا + ہمیں منصفی سے کہہ دو ہمیں اعتبار ہوتا؟ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں "آئیے اب تم کو ایک شیعہ کی چوٹی کی معتبر کتاب کافی کلینی جس کے اول اور آخر میں امام مہدی علیہ السلام کے دستخط ہیں سے ایک صاف حدیث پیش کر کے ختم کرتے ہیں۔ سنئے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ینادی منادٍ من السماء اخر النہار الا ان عثمان و شیعتہ ھم الفائزون فروع کافی کلینی جلد ۳ ص۱۴۹ کتاب روضۃ۔ یعنی ہر پچھلے پہر دن کے آسمان سے ایک فرشتہ منادی اور آواز دیتا

رہتا ہے کہ خبردار ہو جاؤ اے شیعہ تحقیق حضرت عثمان خلیفہ ثالث اور اس کے ماننے والے اہلسنت والجماعۃ سب کے سب فائز اور کامیاب اور بہشتی اور ناجی ہیں"۔ (اہلحدیث ۱۲ جمادی الاخرے) حاجی ثناء اللہ صاحب! شاباش۔ آپ کی عمر دراز ہو۔ بڑی دور کی کوڑی لائے ہم بھی قائل تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے + اور نہ ماننے کی طرح رنگ بدلنے والے۔ ہاں بھائی ذرہ بتانا تو وہ فروع کافی جس میں یہ عبارت ہے کہاں ہے۔ مطبع نولکشور لکھنؤ کا مطبوعہ نسخہ میرے پاس ہے۔ اس میں تو یہ عبارت نہیں ہے۔ ذرہ یہ بھی بتانا کہ عثمان سے کون عثمان مراد ہیں۔ عثمان بن عفان یا عثمان بن علی۔ کیونکہ آپ کی نقل کردہ عبارت میں عثمان کی ولدیت مرقوم نہیں ہے۔ اگر خلیفۂ ثالث مراد ہیں تو یہ بتائیے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا نام کیوں نہیں ذکر کیا۔ خاصکر خلیفۂ ثالث صاحب کے متعلق یہ منادی کیوں ہوئی۔ کیا حضرت ابوبکر و عمر کے ماننے والے دوسرے ہیں اور حضرت عثمان کے ماننے والے دوسرے؟ یا حضرت ابوبکر و عمر کے ماننے والے اہلسنت والجماعۃ نہیں ہیں؟ یا حضرت ابوبکر و عمر کے ماننے والے فائز اور کامیاب اور بہشتی اور ناجی نہیں ہیں بلکہ صرف حضرت عثمان کے ماننے والے ایسے ہیں شیخین کو یہ عزت حاصل نہیں ہے۔ یہ سب سوالات آپ کی نقل کردہ عبارت کے متعلق ہیں۔ ورنہ فروع کافی میں تو یہ عبارت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے قال ینادی من السماء اول النہار الا ان علیا علیہ السلام وشیعتہ ھم الفائزون۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر روز صبح کے وقت آسمان سے ہاتف غیبی یہ ندا دیتا ہے یا ندا دیگا کہ تم سب لوگ سن رکھو حضرت علیؑ اور اُن کے شیعہ ہی بہشتی اور ناجی ہیں (فروع کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ جلد ۳ صفحہ ۱۴۲ سطر ۱۷) اور یہی مضمون آپ کی تمام کتب حدیث و تفسیر میں بھی بھرا ہوا ہے مثلاً علامہ سیوطی لکھتے ہیں فاقبل علی فقال النبیؐ والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حضرت علی آئے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا خدا کی قسم یہ اور ان کے شیعہ ہی قیامت میں نجات پانے والے ہیں۔ دوسری روایت یہ لکھی ہے۔ نزلت ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ قال رسول اللہؐ لعلی ھو انت وشیعتک یوم القیامۃ راضیین مرضیین۔ جب آیت ان الذین اٰمنوا الآیۃ نازل ہوئی تو حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا وہ بہترین خلائق تم اور تمھارے شیعہ ہیں کہ بروز قیامت تم لوگ خوش رہو گے اور خدا تم لوگوں کی خوشنودی چاہے گا (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۷۹)

اور علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے واخرج الدیلمی یا علی ان اللہ قد غفر لک ولذریتک ولولدک ولاھلک ولشیعتک۔ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ خدا نے تم کو۔ تمھاری ذریت تمھاری نسل۔ تمھارے اہل و عیال اور تمھارے شیعوں کو بخشدیا ہے۔ پھر فرمایا یا ابا الحسن اما انت و شیعتک فی الجنۃ۔ اے علی تم اور تمھارے شیعہ سب کے سب بہشت میں جائینگے (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶) حاجی صاحب! اب بھی اپنی خیر منائیے اور افترا بازی سے توبہ کیجئے ورنہ اس سے زیادہ آپ علمی دنیا میں رسوا اور فضیحت ہوتے رہینگے ؎ ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے۔

راقم وہی آپکا شیدا ظہیر حیدر مولوی عالم

مجالس فیض آباد — مومنین فیض آباد ہر سال دسہرا کی تعطیل میں ۵ روز تک نہایت عظیم الشان مجلسیں کرتے ہیں جن میں ہندوستان کے شہرۂ آفاق واعظین و ذاکرین اپنے بیانات سے سامعین کو محظوظ و مثاب کرتے ہیں۔ خدائے کریم ان حضرات کو جزائے خیر دے کہ تقویۃ دین و نشر معارف کا یہ نہایت دلچسپ عنوان ہے۔ افسوس صوبہ بہار میں ایسی مجالس کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

التماس دعاء — معین اصلاح جناب آغا سید علی شاہ صاحب دام مجدہ پشاور کی صاحبزادی علیل ہیں۔ مومنین دعاء فرمائیں کہ خدا ان کو جلد صحت دے۔

ایک غلطی کی اصلاح — محرم ۵۸ھ کے اصلاح نمبر ۱ جلد ۴۲ صفحہ ۱۲ پر اصابہ جلد ۲ کا صفحہ ۲۶۶ کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے اسکو صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ مطبعہ سعادۃ مصر بنا دیجئے۔

اخبار غم — گزشتہ مہینوں میں بعض ہمدردان اصلاح بڑے حوادث میں مبتلا ہوئے۔ جناب نواب سید احمد مرزا صاحب موسوی دہلی کے جوان صاحبزادے نے جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے تھے دفعۃً حال میں انتقال کیا۔ جناب مرزا واجد علی بیگ صاحب ماسٹر فرخ آباد کی اکلوتی صاحبزادی نے ۲۰ ربیع الثانی کو ہیضہ سے انتقال کیا۔ جناب سید شرف حسین صاحب ساکن نانپارہ نے ۲۰ ربیع الاول کو کربلائے معلیٰ میں انتقال کیا۔ جناب سید ابو القاسم صاحب محاسب خزانہ صدر رام نگر نے ۱۷ جمادی الاخری کو انتقال کیا۔ جناب حکیم سید نظیر احمد صاحب ججے پوری ساکن اکولا (برار) نے ۲۴ جمادی الاخری کو انتقال کیا۔ خدائے غفور و رحیم سب کی مغفرت کرکے ان کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مومنین سورۂ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کرکے مثاب ہوں۔

زیارت کربلا؟ — جناب منشی جمعیت علی صاحب سہارنپور کے دو بچے سخت علیل ہو گئے تھے آپنے نذر کی کہ اگر خدا انہیں صحت دے تو زیارت کے لئے کربلائے معلّے جاؤنگا۔ فوراً دونوں اچھے ہو گئے۔

عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا صحیح | یعنی تم لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑو گے[۵]

بخاری پارہ ۵ صفحہ ۱۹۳ کتاب الجنائز)

پس جب تک علم خدا میں یہ بات نہ تھی کہ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اہل اسلام کا غالب حصہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو جائیگا اُس وقت تک خدا آنحضرت صلعم کو ان باتوں سے مطلع کیونکر کرتا۔ پس اسی دنیا پرستی نے اتنی ترقی کی کہ خدا و رسول کا خوف دل سے بالکل اٹھا کر اپنے مطلب کے موافق حدیثیں بنا ڈالی گئیں اور موضوع روایات کا انبار لگا دیا گیا تاکہ جن لوگوں سے دنیوی مقاصد حاصل ہونے والے تھے وہ زیادہ خوش ہوں اور اس خدمت کا پورا حق ادا کریں۔ اور جب معمولی امور کے لئے ہزاروں غلط حدیثیں گڑھ دی گئیں تو سلاطین وقت کی تعظیم و تفضیل میں کیوں نہ خاص کوشش کی جاتی۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے متعلق بھی مذکورہ بالا اقسام کی حدیثوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور یہاں تک کوشش کی گئی ہے کہ آپ کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی زیادہ اونچا نظر آئے۔ حضرت کے اُن فضائل کا کیا ذکر ہے جو حضرات اہلبیت کے مقابلہ میں بنائے گئے اور ان سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ تو ہر وقت کا شغل اور نہایت آسان امر تھا۔ اس میں کامیابی زیادہ قابل فخر بھی نہ تھی۔

حضرت عمرؓ کے متعلق موضوع روایتوں کے نمونے

ان حضرات کے ہاں تو یہاں تک مسلم ہے کہ اختلاف کے موقع پر خدا حضرت عمر کی رائے کو پسند کرتا اور حضرت رسولخدا صلعم کے مقابلہ میں انہیں کو ترجیح دیتا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب ایسے

---

[۵] مولوی وحید الزمان خانصاحب لکھتے ہیں "اخشیٰ ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا۔ میں ڈرتا ہوں دنیا تم پر ایسی کشادہ ہو جیسی اگلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی۔ مال و دولت تم کو ملے جیسے اگلے لوگوں کو ملا تھا پھر تم اُس میں ایسی رغبت کرنے لگو جیسے اگلے لوگوں نے کی تھی اور اس رغبت کی وجہ سے غافل ہو جاؤ۔ اللہ کا ڈر چھوڑ دو۔ ایک دوسرے سے مال و دولت حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑائی جھگڑا شروع کرو۔" (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ صفحہ ۱۰۶)

روشن خیال۔ آزاد اور تحقیق پسند مصنف تک اس امر کو ثابت کرنے کی جدّ و جہد کرتے رہے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں "نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت ؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کیلئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت ؐ کی تجویز تھی۔ بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر آ نکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا (صحیح بخاری کتاب الاذان) یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہوسکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم اُنہی کی رائے کے موافق قائم ہوا"۔ (الفاروق ص۳) دیکھنے میں عبارت بالکل سیدھی ہے مگر اس سے حضرت عمر کا درجہ جس قدر بلند کر دیا گیا وہ حقیقت بین حضرات سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ عبادات میں سب سے افضل نماز ہے اور اس کا دیباچہ اذان ہے جس کی تجویز حضرت عمر نے کی۔ اور وہی رائے قائم ہوئی۔ حضرت عمر کے مقابلہ میں خود حضرت رسول خدا صلعم نے بوق اور ناقوس کو اسلام میں بھی رواج دینا چاہا۔ معاذ اللہ کسی مسلمان کا یہ اعتقاد ہوسکتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم جو دنیا میں اسلام لائے۔ جنھوں نے توحید کی آواز بلند کی۔ جن کو خدا نے اپنی رسالت سے مشرف کیا۔ جن کی زبان کو خدا نے وحی خدا کا راوی مقرر کیا وہ خود نماز کا اعلان کرنے کے لئے بوق اور ناقوس کی تجویز پیش کریں؟ (اس پر مفصل بحث انشاءاللہ آئندہ ہوگی)۔ جب اس زمانہ میں مولوی شبلی صاحب حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کی یہ کوشش کریں تو سابق زمانہ کے علماء نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے

قال رسول اللہ ؐ اتانی جبریل فقلت یا جبریل حدثنی بفضائل عمر بن الخطاب فقال لو حدثتک بفضائل عمر منذ ما لبث نوح فی قومہ ما نفدت فضائل عمر۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے تو میں نے کہا اسے جبرئیل مجھ سے عمر بن الخطاب کے فضائل بیان کرو۔ انھوں نے کہا، جس مدت

تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے اگر اتنے زمانہ تک بھی میں عمرؓ کے فضائل بیان کرتا رہوں تو ان کے فضائل ختم نہیں ہوسکتے (تاریخ الخلفار ص۳۵) معلوم ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم میں نوسو سال سے زیادہ رہے۔ پس اتنے دنوں تک جبریل کے بیان کرنے سے بھی حضرت کے فضائل بیان نہیں ہوسکتے تھے۔ حدیث ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔ یعنی حضرت عمر سے بہتر کوئی شخص نہیں ہوا جس پر آفتاب طالع ہوا ہو (تاریخ الخلفار ص۱۷) اس سے حضرت عمر کا کل انبیار و مرسلین یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی افضل ہونا ثابت ہوا کیونکہ آفتاب تو حضرت آدم کے قبل سے طلوع کر رہا ہے اور قیامت تک طلوع کرتا رہیگا۔ پھر جب وہ حضرت عمر سے بہتر کسی شخص پر طالع نہیں ہوا تو آپ کا دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہونا واضح ہے۔ حدیث لو لم ابعث فیکم لبعث عمر۔ اگر میں تم لوگوں میں رسول بنا کر نہ بھیجا جاتا تو یقیناً عمر تمہارے رسول مقرر کئے جاتے (ء ص۷۹)۔ اس سے آپ کا حضرت رسول خدا صلعم کے برابر ہونا ثابت ہوگیا۔ کہ بعثت کے وقت صرف حضرت رسولخدا صلعم نہیں بلکہ آپ کی طرح حضرت عمر بھی نبی مقرر ہونے کے قابل تھے اتفاق کی بات کہ حضرت رسول خدا صلعم نبی مقرر ہوگئے۔

حضرت عمر سے شیطان کا بھاگنا اس مضمون کی حدیثیں بھی کثرت سے ہیں کہ شیطان آپ سے بھاگتا تھا۔ مثلاً قال رسول اللہ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ ما لقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے فرزند خطاب خدا کی قسم جس راہ سے تم کو جاتے ہوئے شیطان دیکھتا ہے اسکو چھوڑکر وہ دوسرے راستے سے چلنے لگتا ہے۔ (تاریخ الخلفار ص۸۰) جس سے معلوم ہوا کہ شیطان آپ سے علحٰدہ رہتا۔ آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکنے پاتا بلکہ جس راہ سے آپ چلتے اس تک سے وہ دور ہوتا۔ صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳ وغیرہ میں بھی یہ حدیث مرقوم ہے اور اسکی شرح میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے فیہ فضیلۃ عظیمۃ لعمر تقتضی ان الشیطان لا سبیل لہ علیہ۔ اس حدیث سے حضرت عمر کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ شیطان کو ان کے پاس پہونچنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تھی۔

(فتح الباری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۶۳)۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم کے لئے یہ حدیث ہے قالت یا رسول اللہ او معی شیطان قال نعم۔ قلت ومع کل انسان قال نعم۔ قلت ومعک یا رسول اللہ قال نعم۔ حضرت عائشہ نے پوچھا اے رسولخدا کیا میرے اوپر کوئی شیطان ہے؟ فرمایا ہاں۔ پوچھا کیا ہر شخص پہ شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے پوچھا آپ پر بھی شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۵) اور امام بخاری صاحب نے تحریر فرمایا ہے عن النبیؐ انہ صلی صلوٰۃ فقال ان الشیطان عرض لی فشد علیّ لیقطع الصلوٰۃ علیّ۔ حضرت رسول خدا نے ایک دفعہ نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا اور اس نے میری نماز قطع کر دینے کیلئے مجھ پر حملہ کیا (صحیح بخاری پارہ ۵ صفحہ ۱۳۶) حضرت عمر کے لئے تو وہ روایت ہے کہ شیطان ان کے پاس نہ دنیوی امر کے متعلق آنے پاتا ہے نہ دینی امر کے متعلق لیکن حضرت رسولخدا صلعم پہ عبادت میں بھی وہ حملہ کرتا ہے!!! فاعتبروا یا اولی الابصار۔ بلکہ حضرت کی وحی میں بھی شیطان شریک ہو جاتا اور احکام رسالت میں بھی حضرت پر غلبہ پا جاتا تھا قال ابن عباس فی امنیتہ اذا حدث القی الشیطان فی حدیثہ فیبطل اللہ ما یلقی الشیطان ویحکم آیاتہ۔ جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم کوئی حکم خدا بیان فرماتے تو شیطان اس میں اپنی بات بھی ڈال دیتا اور حضرت کی حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتا تھا۔ تب خدا یہ کرتا کہ شیطان کی ملائی ہوئی باتوں کو باطل کر دیتا اور اپنی آیتوں کو محکم فرما دیتا (صحیح بخاری پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵۶) اس کی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قرأ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بمکۃ والنجم فلما بلغ افرأیتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ القی الشیطان علی لسانہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔ فقال المشرکون ما ذکر الھتنا بخیر قبل الیوم فسجد وسجدوا فنزلت ھذہ الآیۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ معظمہ میں سورہ والنجم کی تلاوت کی۔ جب آیۃ افرأیتم اللات والعزیٰ تک پہونچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیا کہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی (یہ اونچے اونچے بت ہیں

اور اونکی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) اس پر مشرکین کر خوش ہو کر کہنے لگے کہ آج کے قبل انھوں نے ہمارے بتوں کی ایسی مدح نہیں کی تھی۔ غرض حضرت سجدہ میں گئے تو کفار نے بھی حضرت کے ساتھ سجدہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (فتح الباری پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵۷) مولوی شبلی صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں "تلک الغرانیق العلے کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت کی زبان سے وہ الفاظ نکلوا دیئے جن میں بتوں کی تعریف ہے بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا تھا۔ اسکے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم ولم ینقل ذالک۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں وجمیع ذالک لا یتمشی علے القواعد فان الطرق اذا کثرت وتباینت مخارجها دل ذالک علی ان لها اصلا۔ یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ) پھر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "آنحضرت نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی۔ کفار بھی موجود تھے۔ جب آپ نے یہ آیت پڑھی ومناۃ الثالثۃ الاخری تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے تلک الغرانیق العلے وان شفاعتهن لترتجی۔ یعنی یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔ اس کے بعد آنحضرت نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی ... بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے۔ ان میں طبری۔ ابن ابی حاتم۔ ابن المنذر۔ ابن مردویہ۔ ابن اسحاق۔ موسی بن عقبہ۔ ابو معشر شہرت عام رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے چنانچہ لکھتے ہیں وقد ذکرنا ان ثلاثة اسانید منها علی شرط الصحیح وهی مراسیل یحتج بمثلها من یحتج بالمراسیل۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ

استدلال کر سکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قایل ہیں"۔ (سیرۃ النبی جلد ا صـ۱۷۱) کیا یہ امر اسلام پر ماتم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کتب احادیث میں ایسی حدیثیں بھری ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم پر شیطان مسلط رہتا تھا۔ جو نہ صرف دنیوی معاملات میں بلکہ دینی امور میں بھی حضرت پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ اور نہ صرف حضرت کی ذاتی عبادت بلکہ تبلیغی خدمات میں بھی حضرت پر غالب ہو کر حضرت کی زبان سے کفر و بے دینی کی باتیں نکلوا دیتا تھا۔ لیکن حضرت کے مقابلہ میں حضرت عمر کے متعلق یہ حدیثیں بھری ہیں کہ شیطان آپ کے پاس آنے تک نہ پاتا تھا۔ بلکہ اس راہ سے بھی وہ بھاگ جاتا تھا جس طرف سے جناب ممدوح کا گزر ہوتا تھا۔ ایسے عقائد سنکر غیر مسلم قومیں مسلمانوں کا کس قدر مضحکہ کرتی ہونگی کہ وہ خدا کے پیغمبر اور عالم کے ہادی کو شیطان کا تابع سمجھتے اور خلیفہ دوم کو ایسا پارسا مانتے ہیں جنکی راہ سے بھی شیطان دور ہی رہتا تھا۔ صرف دور ہی نہیں رہتا بلکہ ڈرتا بھی تھا۔ عن عائشۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان یفرق من عمر۔ و اخرج احمد من طریق بریدۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان لیفرق منک یا عمر۔ واخرج ابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللہؐ ما فی السماء ملک الا وھو یوقر عمر ولا فی الارض شیطان الا وھو یفرق من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا شیطان عمر سے ڈرتا ہے۔ اور احمد نے بریدہؓ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر یقیناً تم سے شیطان ڈرتا ہے۔ اور ابن عساکر نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا آسمان میں کوئی فرشتہ ایسا نہیں ہے جو عمر کی عزت و تعظیم نہ کرتا ہو اور نہ زمین میں کوئی ایسا شیطان ہے جو عمر سے ڈرتا نہ ہو (تاریخ الخلفاء صـ۸۱) عن عائشۃ قالت قال رسول اللہؐ انی لانظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں جن و انس کے شیطانوں کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب عمر سے بھاگ گئے ہیں (دیضاً)

نزول قرآن بر احکام عمرؓ صرف شیطان ہی کے معاملہ میں آپ کی فضیلت حضرت رسول خدا صلعم پر نہیں ثابت کی گئی بلکہ دوسرے امور میں بھی یہی کارروائی کی گئی ہے۔ مثلاً قال ابن عمر

وما نزل بالناس امر قط فقالوا وقال الا نزل القرآن علی نحو ما قال۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں پر کوئی بات نازل ہوتی اور سب لوگ اپنی رائے دیا کرتے تو قرآن مجید کی آیت حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوتی (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۰)

دنیائے اسلام کا متفق علیہ اعتقاد ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ حضرت رسول خدا صلعم کا نہیں ہے بلکہ سب کا سب قرآن مجید کا کلام ہے۔ معنے اور الفاظ کل خدا ہی کے ہیں جنھیں خدا نے آنحضرت پر نازل کیا۔ اور کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی کوئی آیت اتری یا کوئی حکم نازل ہوا ہو۔ برخلاف اسکے حضرت عمر کے متعلق ایسی روایتیں ڈھیر کی ڈھیر ہیں۔ ایک اوپر ذکر کی گئی۔ اور دیکھو عن مجاهد قال کان عمر یری الرای فینزل به القرآن واخرج ابن عساکر عن علی ان فی القرآن لرایا من رای عمر۔ واخرج ابن عمر مرفوعا ما قال الناس فی شئ وقال فیه عمر الاجاء القرآن بنحو ما یقول عمر واخرج الشیخان عن عمر فقال وافقت ربی فی ثلث۔ مجاہد بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کوئی رائے قائم کرتے تھے تو قرآن بھی اسی کے مطابق نازل ہو جاتا تھا۔ اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں حضرت عمر کی رائے کے مطابق رائے ہے۔ اور ابن عمر نے بیان کیا ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں دوسرے لوگوں نے کچھ کہا اور عمر نے بھی کہا تو قرآن حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوا۔ اور حضرت عمر خود کہتے تھے کہ تین باتوں میں میری رائے خدا کی رائے کے مطابق ہو گئی (کہ جیسا میں نے کہا ویسا ہی حکم نازل ہوا) وافق عمر ربه فی احد وعشرین موضعا۔ اکیس مقام پر حضرت عمر کی رائے کے مطابق خدا نے قرآن مجید کا حکم نازل کیا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۳) ان میں سے بعض باتوں کی تصریح آگے آتی ہے

یہ تو وہ صورتیں تھیں جن میں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت عمر کے درمیان مجمل عنوان سے اختلاف کا ذکر اور اس امر کا بیان ہے کہ خدا نے ان مواقع پر حضرت عمر ہی کی تائید کی۔ اب وہ امر بھی دیکھو جس میں حضرت رسول خدا صلعم ایک فعل کرتے ہیں اور حضرت عمر اس سے منع کرتے ہیں۔ اس جگہ بھی خدا حضرت عمر ہی کی تائید کرتا اور اپنے رسول کو نیچا دکھاتا ہے۔ فی الصحیح عنه قال لما توفی عبد الله بن ابی دعی رسول الله

للصلوٰة عليه فقام اليه فقمت حتى وقفت فی صدره فقلت يا رسول الله اعلیٰ عدو الله ابن ابی القائل یوم کذا و کذا۔ فو الله ما کان الا یسیرا حتی نزلت ولا تصل علیٰ احد منهم مات ابدا الآیة۔ صحیح حدیث میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ فرمایا جب عبداللہ بن ابی نے انتقال کیا تو اُس کے اعزہ حضرت رسول خدا صلعم کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے لیگئے۔ جب حضرت وہاں پہونچے اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہوا اور حضرت کے سینہ کے مقابل اکڑکر بولا اے رسول خدا کیا آپ اس شخص پر نماز پڑھیں گے جو خدا کا دشمن تھا اور فلاں روز اس نے ایسی ایسی باتیں کی تھیں۔ خدا کی قسم اس بات کو ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ خدا نے میرے موافق یہ حکم آنحضرتؐ پر نازل کر دیا کہ ان منافقوں سے جو شخص مر جائے اس پر کبھی نماز نہ پڑھو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۳)۔ اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا (صحیح بخاری باب اسلام عمر) اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں نماز کے اعلان کیلئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے ترہی کی رائے دی۔ حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کیلئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزوں نہیں ہوسکتا تھا۔ اسیرانِ بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر نے جو رائے دی وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرتؐ کے ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر کو اس پر بار بار خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن ابیّ جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا تو آنحضرتؐ نے خلق نبوی کی بنا پر اُس کے جنازہ

کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علےٰ احد منھم۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں... تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمر سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمر ہی کی رائیں صائب نکلیں" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۷۷) دیکھنے میں یہ صرف حضرت عمر کی مدح ہے مگر اس سے خدا پر جس قدر الزامات عائد ہوتے اور حضرت رسولخدا صلعم کی جو مذمت نکلتی ہے اس کو عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کی عقل و معرفت ثابت کی جائے اور واضح کیا جائے کہ آنحضرت صلعم سے زیادہ خلیفۂ دوم کو خدا دوست رکھتا۔ مانتا اور قابل قدر سمجھتا تھا۔ لیکن اسکی تہ تک پہونچنے والے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسی روایتیں اگر مان لی جائیں تو اسلام ہی سے ہاتھ دھونا پڑیگا اور خدا و رسول ہی بے حقیقت ہو جائیں گے۔ اس طرح کہ خدا نے اپنی رسالت کے فرائض انجام دینے کیلئے حضرت رسول خدا صلعم کو منتخب فرمایا اور سائر ناس کو حضرت کا تابع قرار دیا۔ اب اگر کارِ رسالت انجام دینے میں بھی حضرت رسولخدا صلعم غلطی فرماتے اور حضرت کی امت کا کوئی شخص حضرت کی غلطیاں درست کرتا رہتا تھا تو ایسا خدا کس کام کا جسے اتنی تمیز نہیں ہوئی کہ سمجھ سکتا کون شخص نبوت کا سزاوار اور کون اس کا نااہل ہے۔ اور جب حضرت کی حالت عبادات تک میں (معاذ اللہ) ایسی جہالت کی تھی کہ ادنےٰ درجہ کے لوگ حضرت کو ٹوک دیا کرتے تو خدا نے ایسے شخص کو نبی بنا کر دوسروں کی ہدایت کی یا انہیں گمراہ کیا؟۔ پھر کیوں نہ حضرت عمر ہی کو رسول بنایا؟۔ ان سب سے زیادہ مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ حضرت نے عبد اللہ بن ابی کی نماز وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی یا اپنے دل سے؟۔ اگر وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی تو پھر حضرت عمر کے ٹوکنے پر ان کی تائید کیوں کی؟۔ اس کا تو لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر خدا کی اصلاح بھی کرتے اور اس کی وحی کو بھی بدل دیا کرتے تھے۔ گویا خدا خود اپنے حکم کی خرابی تسلیم کر لیتا اور اس کے متعلق حضرت عمر کی رائے کی خوبی اور عظمت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا تھا۔ اور اگر حضرت نے اس کی نماز اپنے دل سے پڑھانے کا ارادہ کیا تو کیا حضرت

کو اس کا اختیار بھی تھا کہ کوئی مذہبی کام اپنے دل سے کر سکیں؟ پھر تو تمام وحیوں اور تمام امور رسالت کے متعلق یہ شبہہ ہونے لگیگا کہ ہو سکتا ہے حضرت نے یہ فعل بھی اپنے دل سے یا اپنی رائے سے کیا ہو۔ کیونکر اطمینان ہوگا کہ آنحضرت نے واقعاً خدا کی رسالت انجام دی۔ اور کیونکر پتا چل سکے گا کہ فلاں کام کو حضرت نے اپنے منصب رسالت کی حیثیت سے ادا کیا اور فلاں امر کو اپنی انسانی شان سے انجام دیا۔ خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے"۔ (الفاروق صـ۲۰۹) ۔ اس سے سر دست ہم کو غرض نہیں کہ یہ کلام فی نفسہ درست ہے یا نہیں ۔ بلکہ اس کلیہ کو تسلیم کرکے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اذان کے متعلق آنحضرت صلعم کی رائے یقیناً منصب نبوت کی حیثیت ہی سے تھی پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگی۔ اور وہ وہی ناقوس اور ترہی کی تجویز تھی جیسا کہ آپ نے ابن ہشام کی روایت سے اوپر بیان کیا ہے۔ پس جب وہ رائے خدا کی طرف سے تھی تو پھر حضرت عمر کی رائے کا قابل قبول اور آنحضرت کی رائے کا مردود ہونا یہی تو بتاتا ہے کہ خدا نے اپنی رائے کے مقابلہ میں حضرت عمر کی رائے کو ترجیح دی یعنی اس نے اپنی رائے کو حقیر اور حضرت عمر کی رائے کو قابل عمل قرار دیا۔ اسی طرح ازواج نبی کیلئے پردہ کا حکم بھی منصب نبوت کی حیثیت سے ہی ہوگا۔ تو اس میں رسولخدا صلعم بلکہ خود خدا کیوں اتنے دنوں تک خاموش رہا اور اس نے اس کا موقع کیوں دیا کہ حضرت عمر کو اس پر بار بار خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ اسی طرح عبد اللہ بن ابی پر نماز پڑھنا بھی منصب نبوت کی حیثیت سے تھا پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگا۔ پھر کیوں خدا نے حضرت عمر کی رائے کے مطابق رسول صلعم کو حکم دیا کہ ایسے لوگوں پر نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ باتیں تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ یا ان تمام مواقع پر آنحضرت کے کل افعال منصب نبوت سے علاوہ تھے اور خدا نے ان

باتوں کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ آنحضرت صلعم نے اپنے دل سے ان کو اختیار کیا۔ اور حضرت عمر نے آپ کے خلاف رائے دی۔ خدا کو آنحضرت صلعم کی رائے ناپسند اور حضرت عمر کی رائے پسند ہوئی اس سبب سے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ حضرت عمر کی رائے کے مطابق کریں یا ان کل صورتوں میں آنحضرت صلعم نے جو کچھ کیا محض وحی خدا کی تعمیل کی اور حکم خدا کے مطابق اس کو انجام دیا لیکن حضرت عمر نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی تو خدا کو ان کی رائے اپنی رائے۔ اپنی تجویز اور اپنی سمجھ سے بہتر معلوم ہوئی اس سبب سے آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ میں نے جو وحی تم پر نازل کی تھی وہ غلط اور خلاف عقل تھی۔ اور عمر جو کہتے ہیں وہی صحیح اور مطابق عقل ہے۔ لہذا میرے حکم کو چھوڑکر اب عمر کی رائے کے مطابق عمل کرو۔ یا (تیسری صورت) یہ کہ ان روایتوں کو موضوع سمجھیں کہ صرف خوش اعتقادی سے حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کیلئے اور اسکے صلہ میں دنیوی ترقیاں حاصل کرنے کی غرض سے لوگوں نے انھیں گڑھا اور ان کے ہم مذہب سلاطین اور امراء نے ان کو خوب پھیلایا۔

رسولؐ کا استغفار اور حضرت عمر کا جواب علامہ سیوطی وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے لما اکثر رسول اللہؐ من الاستغفار لقوم قال عمر سواء علیہم فانزل اللہ سواء علیہم استغفرت لہم الایۃ جب حضرت رسولخدا صلعم نے ایک قوم کیلئے بہت زیادہ استغفار کیا تو حضرت عمر نے کہا آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہے۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی کہ اے رسول آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں بات برابر ہے تا آخر آیت (تاریخ الخلفاء ص۸۵)۔ حضرت رسول خدا صلعم کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند مانا گیا ہے کہ آپ کے القاب میں شفیع المذنبین بھی ہے کہ گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اور خدا اس شفاعت کو قبول کریگا۔ مگر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت نے ایک قوم کے لئے بہت زیادہ استغفار کیا لیکن خدا نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ اور جب حضرت عمر نے کہہ دیا کہ ان کے لئے استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے تو خدا نے موصوف ہی کے قول کے مطابق آیت نازل کردی۔ اس صورت میں بھی خدا پر الزام عاید ہوتا ہے کہ جب حضرت کے استغفار کی کوئی حقیقت اس کی نظر میں نہیں تھی تو خدا نے حضرت سے کیوں وعدہ کیا تھا کہ میں تمھاری شفاعت

قبول کرونگا۔ اور حضرت کے پہلے ہی استغفار پر کیوں نہ وحی نازل کردی کہ تم کیوں استغفار کررہے ہو میں تمھاری بات نہیں مانونگا۔ اور خدا اتنی دیر تک کیوں خاموش رہا کہ جب حضرت عمر نے کہا تو بالکل انہیں الفاظ میں خدا نے بھی آیت اتار دی۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو ذلیل اور حضرت عمر کو مقبولِ درگاہ باری دکھانا چاہا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح حضرت عمر کے متعلق اور روایتیں موضوعیت کی شان سے آراستہ نظر آتی ہیں اسی طرح یہ روایت بھی ہے جو مریدان می پیرانند کے اصول پر ایجاد کی گئی۔

واقعۂ افک میں حضرت عمر کی رائے حضرت عائشہ کے افک کا واقعہ مشہور ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت کس درجہ عبرت ناک ہے لما استشار الصحابۃ فی قصۃ الافک قال عمر من زوجکہا یا رسول اللہ۔ قال اللہ۔ قال افتظن ان ربک دلّس علیک فیہا سبحانک ھذا بہتان عظیم فنزلت کذلک۔ جب حضرت عائشہ کے اتہام کے متعلق حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے کہا اے خدا کے رسول عائشہ کیساتھ آپ کی شادی کس نے کی تھی؟ فرمایا خدا نے۔ تب آپ نے کہا پھر کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا نے ان کے بارے میں آپ کو دھوکا دیا اور فریب میں مبتلا کر دیا؟ آپ کی ذات اس سے بلند ہے اور یہ تو بڑا بہتان ہے (تاریخ الخلفاء صدہ) سرسری نظر سے دیکھئے تو اس میں صرف حضرت عائشہ کی پاک دامنی اور حضرت عمر کی عقیدت و اخلاص کا ذکر ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رسالت بلکہ علم و عقل کا پردہ بھی اچھی طرح چاک کر دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ آنحضرت کی بیوی تھیں اس سبب سے آنحضرت کو ان کے طبعی حالات۔ ان کے انسانی جذبات۔ ان کے نسوانی مقتضیات کا زیادہ تجربہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور آنحضرت کو یہ بھی معلوم تھا کہ خدا نے حضرت عائشہ کی شادی سے قبل ان کی تصویر ایک ریشمی پردہ پر حضرت کو دکھادی تھی۔ آنحضرت اس کو بھی جانتے تھے کہ آپ ان پر نہایت درجہ فریفتہ ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ حضرت عائشہ بھی آپ پر فریفتہ رہیں اور آپ کے مقابلہ میں کسی مرد کی طرف نظر بھی نہ کریں۔ اور آنحضرت برابر حضرت عائشہ کو اپنے گھر ہی رکھتے تھے جسکی وجہ سے

غیروں کے آنے جانے پر بھی کافی پہرا پڑتا ہوگا۔ اور کل حالات کی اطلاع آپ کو برابر ہوتی رہتی ہوگی۔ باوجود ان امور کے جب مخالفین نے اس اتہام کو مشہور کیا تو حضرت کو بھی ان کی عفت میں شبہ ہو گیا۔ اور ان باتوں سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ حضرت عائشہ سے ملنا تک بند کر دیا۔ ایک ماہ تک ان سے علحدہ رہے اور حضرت عائشہ نے یہ رنگ دیکھا تو کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ رونے دھونے میں زندگی بسر کرنے لگیں اور آنحضرت کا گھر چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئیں۔ غرض خدا کے پیارے پیغمبر بلکہ سید المرسلین کے گھر میں اتنا زبردست فتنہ قائم ہو گیا اور خدا کا رسول اپنی حرمت کی ذلت سے تلخ ترین زندگی گزارنے لگا۔ مگر خدا کو حضرت پر رحم نہیں آیا نہ وحی کے ذریعہ سے حضرت کو جناب عائشہ کی پاکدامنی کی خبر کی۔ نہ الہام کے ذریعہ سے حضرت کو متنبہ کیا کہ یہ سب خبریں غلط ہیں۔ کسی کا اعتبار نہ کرو اور اپنی بی بی عائشہ کی عزت میں شک و شبہہ نہ کرو نہ ان سے تعلقات منقطع رکھو۔ اور جب وحی و الہام کا دروازہ بند دیکھ کر اپنی قوت فیصلہ کو عاجز پاکر اور قرائن و دلائل کی راہوں کو مسدود جان کر حضرت نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے بغیر تحقیقات کئے۔ بغیر غور و فکر کئے۔ بغیر شک و شبہہ کو راہ دیئے ہوئے فوراً حضرت سے سوال کیا اور پھر کہہ دیا کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے آپ کی شادی کیلئے ایسی عورت تجویز کی ہو؟ حضرت عمر کی زبان سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ فوراً خدا بھی اپنے فرض کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسی وقت انہیں الفاظ میں جو حضرت عمر کی زبان سے جاری ہوئے تھے وحی نازل کر دی کہ عائشہ پاک دامن ہیں۔ کہنے والے جھک مارتے اور محض افترا و بہتان میں مشغول ہیں۔ غور کرو! اچھی طرح سوچو کہ اگر اس سے حضرت عمر کی ایک فضیلت ثابت ہوئی تو خدا کی کتنی مذمتیں پیدا ہوگئیں۔ کتنے بڑے بڑے الزامات اس پر قائم ہو گئے۔ اور اس پر اعتراضات کی کتنی بوچھار ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ حضرت رسو لخدا صلعم کی عقل و علم و معرفت و تجربہ و قوت تمیز کا جنازہ بھی کس دھوم سے اٹھایا گیا۔ شان رسالت کی مٹی کس درجہ پلید کر دی گئی۔ اور مصداق انک لعلی خلق عظیم کے مزاج و اخلاق کی کیا حقیقت باقی رہ گئی۔

ایک شخص کا قتل اور آپکی برأۃ | علامہ سیوطی وغیرہ یہ بھی لکھتے ہیں اختصم رجلان

الی النبی فقضی بینھما فقال الذی قضی علیہ ردنا الی عمر بن الخطاب فاتیا الیہ
فقال الرجل قضی لی رسول اللہ علی ھذا فقال ردنا الی عمر۔ فقال اکذاک۔ قال
نعم فقال عمر مکانکما حتی اخرج الیکما فخرج الیھما مشتملا علی سیفہ فضرب
الذی قال ردنا الی عمر فقتلہ و ادبر الاخر فقال یا رسول اللہ قتل عمر واللہ صاحبی۔
فقال ما کنت اظن ان یجتری عمر علی قتل مومن۔ فانزل اللہ فلا و ربک
لا یؤمنون الآیہ فاھدر دم الرجل و برئ عمر من قتلہ و لہ شاھد موصول
اوردتہ فی التفسیر المسند۔ دو آدمی جھگڑتے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس آئے
اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ تب اس شخص نے
جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ ہم لوگوں کو حضرت عمر کے پاس واپس
کر دیں (کہ وہی فیصلہ کریں۔ حضرت نے واپس کر دیا) تو دونوں ان کے پاس گئے اور جسکے
موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے حضرت عمر سے کہا کہ حضرت رسول خداؐ نے ہم لوگوں کا فیصلہ
کیا تو اس شخص نے کہا کہ ہم لوگوں کا مقدمہ حضرت عمر کے پاس بھیجدیجئے۔ حضرت عمر نے یہ سنکر
کہا کیا ایسا کہا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے کہا اچھا تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں
آتا ہوں۔ پھر آپ تلوار لئے ہوئے نکلے اور اس شخص کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر دوسرا
شخص آنحضرت صلعم پاس واپس آیا اور کہا یا حضرت عمرؓ نے میرے ساتھی کو مار ڈالا۔ حضرت
نے فرمایا مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ ایک مومن کے قتل کی جرأت عمر کر بیٹھیں گے۔ اس پر خدا
نے یہ آیت نازل کی۔ پس اے رسول تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہونگے
تا وقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے
کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو بھی مان لیں۔ پارہ ۵ ع ۶۔ اس طرح
اس شخص مقتول کا خون رائگاں کر دیا گیا اور حضرت عمر اس کے قتل کی سزا سے چھوڑ دیئے
گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۳)۔ یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر
کی قابلیت اور فضل و کمال کا سکہ لوگوں کے دلوں پر حضرت رسول خدا صلعم سے بھی
زیادہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور عامہ مسلمین آنحضرت کی زندگی میں کبھی آنحضرتؐ کے فیصلہ پر راضی
نہیں رہتے نہ اس سے لوگوں کی تشفی ہوتی بلکہ چاہتے کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ حضرت

عمر ہی کیا کریں۔ مگر اس سے خدا اور رسول کی جو توہین ہوتی ہے اس سے عام طور پر چشم پوشی کیجاتی ہے۔ اس طرح کہ حضرت عمر نے اُس شخص کو قتل کر دیا اور آنحضرت صلعم نے اس پر افسوس بھی کیا مگر خدا نے حضرت عمر کے قتل کی تائید کر دی۔ اور ان کو قصاص سے بچا لیا۔ یہ واضح ہے کہ اس شخص نے جو کہا کہ ہمارا فیصلہ حضرت عمر سے کرا دیجئے۔ اس کا یہ کہنا ایسا جرم نہیں ہے جس پر وہ قتل کا مستحق ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود حضرت رسول خدا صلعم صحابہ کو حکم دیتے کہ اس کو قتل کر دو۔ لیکن بجائے اس کے حضرت نے اس کی خواہش پوری کر دی اور دونوں کو حضرت عمر کے پاس بھیجدیا۔ حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا تو آنحضرت نے ان کے اس فعل کو ناپسند کر کے فرمایا کہ مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ عمر ایک مومن کو قتل کر دینگے۔ مگر خدا نے اپنے ہی مقرر کئے ہوئے قواعد قصاص کو حضرت عمر کی حمایت میں پس پشت ڈالدیا اور آپ کو بری کر کے گویا کہہ دیا کہ حضرت عمر جو چاہیں کریں۔ ان کے لئے خدا کے اصول عدل و انصاف سب معطل کر دیئے گئے ہیں۔ وہی کام دوسرے کریں تو دنیا میں قتل بھی کئے جائیں اور آخرت میں ہمیشہ جہنم میں بھی رہیں لیکن وہی فعل حضرت عمر کریں تو دنیا میں بھی چھوڑ دئیے جائیں۔ آخرت میں بھی آزاد رہیں بلکہ ان کے موافق قرآن مجید میں آیت تک نازل کر دی جائے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

آپ کے حرام کرنیسے حرام ہو جانا

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے الاستیذان فی الدخول و ذلک انہ دخل علیہ غلامہ وکان نائما فقال اللھم حرم الدخول فنزلت آیۃ الاستیذان۔ گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا بھی حضرت عمر کی رائے سے ہوا۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ سو رہے تھے تو آپ کا غلام آپ کے پاس پہونچ گیا۔ اس پر آپ نے جھنجھلا کر کہا اے اللہ تو دخول کو حرام کر دے۔ پس فوراً اجازت طلب کرنے کی آیت اتری (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے کی ضرورت پر نہ خدا کی نظر پہونچی نہ رسول کی اسوجہ سے ان حضرات نے اس کو لازمی نہیں قرار دیا۔ مگر حضرت عمر نے اس کی اہمیت محسوس کی تو خدا سے کہا کہ دخول کو حرام کر دے اور خدا نے اس کی تعمیل کی۔

حالانکہ کل محرمات و محلات کو خدا ہی نے طے کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم کو بھی اس کے متعلق چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ وحفصہ کی خاطر سے آنحضرت صلعم نے صرف یہ ارادہ کیا تھا کہ اب شہد نہیں کھائیں گے۔ یہ امر تک خدا کو ناگوار ہوا کہ جس چیز کو میں نے حلال کیا ہے اُسے رسول کیوں حرام کرتے ہیں فوراً آیت اتری کہ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک[۵۱]

سلہ مولوی وحید الزماں خانصاحب نے لکھا ہے" ام المومنین سودہ نے حضرت عائشہ اور حفصہ کی صلاح سے آنحضرت صلعم سے کہا آپ نے شاید مغافیر کھایا ہے جو ایک بدبودار گوند ہے۔ آنحضرت صلعم کو اس سے بڑی نفرت تھی کہ آپ کے منہ سے ذرّہ بھی کوئی بری بو آئے جب حضرت عائشہ اور حفصہ نے بھی یہی کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے تو آپ کو یقین ہو گیا کہ حقیقت میں کوئی بری بو ہے حالانکہ آپ نے حضرت زینب کے پاس صرف شہد پیا تھا۔ آپ نے شہد اپنے اوپر حرام کر لیا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۹ صـ۵۲) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے" ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلعم حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ انھوں نے اُن کے سامنے پیش کیا۔ آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہ صلعم جب ہمارے یا تمھارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری یا ایھا النبی الآیہ اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت صلعم کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کمسن تھیں۔ اسکے علاوہ ان کا مقصود آنحضرت صلعم کو ایذا دینا نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں اسی طرح کی ایک تدبیر تھی" (سیرۃ النبی صلعم جلد ۱ صـ۳۹۹)۔ مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ کسنی کیوجہ سے حضرت عائشہ کے لئے جھوٹ بولنا جائز کیونکر ہو گیا اور وہ کمسن بھی کیسے تھیں۔ زوجیت رسول میں کتنے دنوں رہ چکی تھیں۔

آپ دونوں امروں میں مقابلہ کرو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے شہد سے کنارہ کشی اختیار کی تو خدا کو اتنا غصہ ہوا کہ پورا سورۂ تحریم ہی نازل کر دیا جس میں گویا آنحضرت پر عتاب ہے۔ لیکن حضرت عمر خدا سے کہتے ہیں کہ دخول کو حرام کر دے اور خدا فوراً اس کی تعمیل کرتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا یا حضرت عمر کو آنحضرت صلعم سے زیادہ دوست رکھتا اور قابل عزت سمجھتا تھا کہ جس امر کی اجازت آنحضرتؐ کو نہیں دیتا وہ حضرت عمر کے لئے مباح کر دیتا یا وہ حضرت عمر سے بہت ڈرتا تھا کہ جو بات آپ کی زبان سے نکلتی خدا کو اُسے کرنا ہی پڑتا۔ غرض ہر طرح خدا و رسول کی ذلت اور غلطی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس مصیبت کا علاج اسکے سوائے کچھ نہیں کہ ایسی روایتوں کو گپ اور خوش اعتقادی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

اذان میں ترمیم اسلامی عبادات کی کل صورتیں خدا کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم نے بھی ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا نہ کوئی ترمیم پسند کی مگر حضرت عمر کے متعلق ہے ان بلالاً کان یقول اذا اذن اشهد ان لا اله الا الله حیّ علی الصلوٰۃ۔ فقال له عمر قل فی اثرها اشهد ان محمدا رسول الله۔ فقال رسول اللهؐ قل کما قال عمر۔ جناب بلال اذان دیا کرتے تھے اور اسکی صورت یہ تھی کہ پہلے اشهد ان لا اله الا الله اور اس کے بعد حی علی الصلوٰۃ کہا کرتے۔ حضرت عمر نے سنا تو کہا اشهد ان لا اله الا الله کے بعد اشهد ان محمدا رسول الله بھی کہا کرو۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے بلال سے فرمایا اچھا جس طرح عمر کہتے ہیں اسی طرح تم اذان دیا کرو (تاریخ الخلفاء ص۸۹) اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے اذان میں صرف اپنی گواہی رکھی تھی۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے بھی اسی کو پسند کیا تھا۔ مگر حضرت عمر کو یہ اذان اچھی نہیں معلوم ہوئی اور حضرت کی رسالت کی گواہی کا اضافہ بھی چاہا تو حضرت رسولخدا صلعم نے خدا کی مقرر کی ہوئی اذان میں اس جزو کو بڑھا دیا اور اُس وقت سے اذان اسی طرح رائج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اسلام کے ایک ایک امر کی اصلاح حضرت عمر کرتے رہتے تو خدا و رسول کس کام کے تھے۔ پھر خدا نے حضرت عمر ہی کو یہ مطلق اختیار کیوں نہیں دے دیا تھا کہ تم دنیا اور دین کا جو قاعدہ جس طرح چاہو مقرر کر کے لوگوں کو خبر کر دو۔ میں نہ رسول مقرر کروں گا۔ نہ کوئی وحی نازل

کروں گا۔ نہ فرشتہ کو بھیجوں گا۔ نہ کسی امر کا طریقہ بتاؤں گا۔ نہ کسی عبادت کی صورت معین کروں گا۔ تم جانو اور دنیا والے جانیں۔

یاساریة الجبل کا واقعہ حضرت ممدوح کے ہوا خواہوں نے اس واقعہ کو بھی بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ علامہ سیوطی کے الفاظ میں دیکھو عن نافع عن ابن عمر قال وجّہ عمر جیشا ورأس علیھم رجلا یدعی ساریة۔ فبینا عمر یخطب جعل ینادی یا ساریة الجبل ثلاثا۔ ثم قدم رسول الجیش فسأله عمر۔ فقال یا امیرالمومنین ھزمنا فبینا نحن کذلک اذ سمعنا صوتا ینادی یا ساریة الجبل ثلاثا فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم الله۔ قال قیل لعمر انک کنت تصیح بذلک۔ وذلک الجبل الذی کان ساریة عندہ بنھاوند من ارض العجم قال ابن حجر فی الاصابة اسنادہ حسن۔ واخرج ابن مردویہ من طریق میمون بن مھران عن ابن عمر قال کان عمر یخطب یوم الجمعة فعرض فی خطبته ان قال یا ساریة الجبل من استرعی الذئب ظلم فالتفت الناس بعضھم لبعض فقال لھم علیّ لیخرجنّ مما قال۔ فلما فرغ سألوہ فقال وقع فی خلدی ان المشرکین ھزموا اخواننا وانھم یمرون بجبل فان عدلوا الیه قاتلوا من وجه واحد وان جاوزوا ھلکوا فخرج منی ما تزعمون انکم سمعتموہ۔ قال فجاء البشیر بعد شھر فذکر انھم سمعوا صوت عمر فی ذلک الیوم۔ قال فعدلنا الی الجبل ففتح الله علینا۔ واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن عمرو بن الحارث قال بینما عمر یخطب یوم الجمعة اذ ترک الخطبة فقال یا ساریة الجبل مرتین او ثلاثا ثم اقبل علی خطبته فقال بعض الحاضرین لقد جُنّ انه لمجنون۔ فدخل علیه عبدالرحمن بن عوف و کان یطمئن الیه فقال انک لتجعل لھم علی نفسک مقالا۔ بینا انت تخطب اذ انت تصیح یا ساریة الجبل۔ ای شیء ھذا۔ قال انی والله ما ملکت ذلک رأیتھم یقاتلون عند جبل یؤتون من بین ایدیھم ومن خلفھم فلم املک ان قلت یا ساریة الجبل لیلحقوا بالجبل فلبثوا الی ان جاء رسول

سارية بكتاب ان القوم لقونا يوم الجمعة فقاتلناهم حتى اذا حضرت الجمعة سمعنا منادیا ینادی یا ساریة الجبل مرتین۔ فلحقنا بالجبل فلم نزل قاهرین بعدوّنا حتی هزمهم الله وقتلهم۔ فقال اولئك الذین طعنوا علیه دعوا هذا الرجل فانه مصنوع له ۔ نافع نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (ابا جان) حضرت عمر نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سردار ایک شخص ساریہ نامی کو مقرر کیا۔ اسکے جانے کے بعد ایک روز آپ خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعۃً پکارنا شروع کیا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس جملہ کو انھوں نے تین مرتبہ کہا۔ پھر جب اس لشکر کے حالات بیان کرنے کے لئے وہاں سے قاصد آیا۔ اور حضرت عمر نے واقعات دریافت کئے تو اس نے کہا اے حضور ہم لوگ تو شکست کھا چکے تھے۔ اور ابھی اسی شکست میں مبتلا تھے کہ دفعۃً ایک چیخنے کی آواز سنائی دی کہ کوئی منادی کر رہا ہے اے ساریہ جبل پر چڑھ جاؤ۔ اس غیبی آواز نے تین مرتبہ یہی کہا۔ تب ہم لوگوں نے اپنی پشتوں کو اس پہاڑ سے ملا دیا جس کے بعد خدا نے مشرکوں کو شکست دے دی۔ کہا کہ حضرت عمر سے کہا گیا آپ ہی اس آواز سے چیخ رہے تھے۔ اور وہ پہاڑ جہاں سردار لشکر ساریہ اس وقت تھا ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس ہے۔ علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بیان کیا ہے کہ اس روایت کی اسناد درست اور حسن ہے۔ اور ابن مردویہ نے میمون بن مہران کے طریق سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (ابا جان) حضرت عمر ایک جمعہ کو خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعۃً اپنے خطبہ میں رخ پھیر دیا اور کہنے لگے اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ جو شخص بھیڑئے کی نگرانی کرتا ہے ظلم کرتا ہے۔ آپ کا یہ بے موقع کلام سنکر حاضرین گھبرائے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جب وہ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے پوچھا یہ آپ خطبہ پڑھتے پڑھتے کیا کہنے لگے تھے؟ آپ نے جواب دیا میرے دل میں یہ الہام ہوا کہ مشرکین نے میرے بھائیوں کو شکست دیدی۔ اور وہ لوگ ایک پہاڑ کی طرف سے گزر رہے ہیں پس اگر وہ لوگ اسی پہاڑ کی طرف ہو جائیں تو ایک ہی طرف سے لڑنا ہو گا۔ اور اگر وہاں سے آگے بڑھ جائینگے تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی پر میری زبان سے وہ بات نکلی جس کے بارے میں تم سب کہتے ہو کہ میرے منہ سے سنا ہے۔ اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد خوشخبری لیکر قاصد آیا اور بیان کیا کہ

ساریہ کے لشکر والوں نے اُسی روز اپنے مقام پر حضرت عمر کی آواز سُنی تھی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ آواز سننے کے بعد ہم سب پہاڑ کی طرف مڑ گئے جس پر خدا نے ہم لوگوں کو فتح دیدی۔ اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں عمرو بن الحارث سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عمر خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعتہً خطبہ چھوڑ دیا اور دو یا تین مرتبہ پکار کر کہا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس کے بعد اسی خطبہ کو بیان کرنے لگے جیسے پہلے ذکر کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض حاضرین کہنے لگے کہ حضرت عمر کو یقیناً جنون کا دورہ ہو گیا ہے۔ یقیناً یہ پاگل ہیں۔ اسکے بعد عبد الرحمن بن عوف ان کے پاس گئے۔ کیونکہ ان کو ان سے اطمینان تھا۔ اور کہا اے حضور! آپ کی کیا حالت ہے کہ لوگوں کو اپنے متعلق بُرا بھلا کہنے کا سامان کر دیتے ہیں۔ آپ خطبہ بیان کرتے ہوئے یہ کیا چیخنے لگے تھے کہ اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ یہ کیا بات تھی۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب میں نے ساریہ کے لشکر والوں کو دیکھا کہ ایک پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور ان پر آگے سے بھی حملہ ہو رہا ہے اور پیچھے سے بھی پسپے جا رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے پکار کر ان لوگوں سے کہا کہ اے ساریہ پہاڑ سے مل جاؤ۔ اسکے بعد مدت تک لوگ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ساریہ کا قاصد اُس کا خط لیکر آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ دشمنوں نے جمعہ کے روز ہم لوگوں پر حملہ کیا تو ہم لوگ خوب لڑے یہاں تک کہ جب نماز جمعہ کا وقت پہونچا تو ہم لوگوں نے اچھی طرح سنا کہ ایک منادی پکار کر کہہ رہا ہے اے ساریہ پہاڑ پر۔ یہ بات اس نے دو مرتبہ کہی تو ہم لوگ پہاڑ سے مل گئے جس کے بعد دشمنوں پر حملہ کرتے ہی رہے یہاں تک کہ خدا نے ان سب کو شکست فاش دے دی اور ان کو قتل کر دیا۔ جب ان لوگوں نے جنھوں نے حضرت عمر کی اس بات پر اعتراض کیا تھا اصلی واقعہ سن لیا تو کہا ان کو چھوڑ دو کہ ان کے لئے یہ بات بنائی گئی (تاریخ الخلفاء صـ۸۵) ان روایتوں میں اس کا ذکر نہیں کہ یہ واقعہ کس سال کا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو بھی صاف کر دیا۔ فرماتے ہیں امرہ عمر علی جیش وسیرہ الی فارس سنۃ ثلاث وعشرین فوقع فی خاطر عمر وھو یخطب یوم الجمعۃ ان الجیش المذکور لاقی العدو وھم فی بطن واد وقد ھموا بالھزیمۃ وبالقرب منھم جبل فقال فی اثناء خطبتہ یا ساریۃ الجبل الجبل ورفع صوتہ۔ فالقاہ اللہ فی سمع ساریۃ فانحاز بالناس الی الجبل وقاتلوا العدو

من جانب واحد ففتح اللہ علیھم... وقال خلیفۃ افتتح ساریۃ اصبھان صلحا وعنوۃ فی مایقال۔ حضرت عمر نے ساریہ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر ایران کی طرف روانہ کیا۔ پھر ایک دفعہ جب حضرت عمر جمعہ کے روز خطبہ بیان کر رہے تھے ان کے دل میں یہ بات آگئی کہ وہ لشکر دشمنوں سے لڑا اور وہ ایک وادی کے وسط میں ہیں اور وہ لوگ بھاگنے اور شکست کھا جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ یہ خیال کر کے حضرت عمر نے خطبہ کے اثنا میں پکار کر کہا اے ساریہ! پہاڑ۔ چونکہ حضرت عمر نے چیخ کر یہ آواز نکالی اسوجہ سے خدا نے ان کی آواز کو ساریہ کے کان تک پہونچا دیا جس کے بعد وہ سب لوگوں کو لے کر پہاڑ سے مل گئے اور پورے لشکر نے ایک طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ پس خدا نے ان لوگوں فتح دے دی... اور خلیفہ نے بیان کیا ہے کہ ساریہ نے اصفہان کو صلح اور جبر سے فتح کیا جیسا لوگوں نے بیان کیا ہے (اصابہ صہ۳ جلد ۳)۔ اس روایت کا نتیجہ بھی واضح ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ حضرت عمر مدینہ میں ہیں اور ساریہ کا لشکر ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس۔ وہاں کے حالات کی خبر حضرت عمر کو کیسے ہو گئی کہ آپ نے مدینہ سے چیخ کر پہاڑ پر چڑھ جانے کی ہدایت کی کوئی تار نہیں تھا۔ کوئی وائرلس ٹیلیگراف نہیں تھا۔ اور پھر حضرت عمر کی آواز مدینہ کے باہر تک تو جا نہیں سکتی ہوگی۔ سیکڑوں میل کی مسافت کیسے طے کر گئی کہ ساریہ نے سن لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ سوائے معجزہ یا کرامت کے تو یہ بات نہیں ہو سکتی۔ معجزہ یا کرامت سے یقیناً ہو سکتی ہے اور یہ واقعہ بھی ممدوح کی کرامتوں میں ہی درج کیا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ خاص اسی موقع پر یہ کرامت کیوں ظاہر ہوئی۔ آپ کے دوسرے فتوحات میں کیوں ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر کو یہ شرف کیوں حاصل نہیں ہوا۔ حضرت رسولخدا صلعم کو متعدد غزوات وسرایا پیش آتے رہے۔ حضرت کے کسی غزوہ یا سریہ میں یہ بات کیوں نہیں ہوئی۔ غزوۂ احد میں حضرت نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ مقرر فرمایا تھا کہ وہاں کے ایک خطرناک درّہ کی حفاظت کریں اور وہاں سے ہرگز نہ ٹلیں۔ مگر جب عبداللہ کے لشکر والے لوٹ مار کی غرض سے وہاں سے ہٹ آئے جس سے مسلمانوں کی شکست ہو گئی تو آنحضرت صلعم کو بھی خدا نے یہ کرامت کیوں نہیں عطا فرما دی کہ حضور ان لوگوں کو پکار کر کہتے کہ دیکھو ہٹو نہیں ورنہ شکست ہو جائے گی۔ حالانکہ ایک ہی جگہ آنحضرتؐ بھی تھے اور اس سے قریب ہی عبداللہ بن جبیر

کا لشکر بھی تھا۔ باوجود اسکے آنحضرت صلعم نے نہ ان لوگوں کا ہٹنا دیکھا نہ ان لوگوں کو پکار سکے
نہ وہ حضرت کی آواز سنکر وہاں ٹھہر سکے۔ آخر کار مسلمانوں کو شکست عظیم ہوئی۔ آنحضرتؐ
زخمی ہوئے۔ حضرت کا ہونٹ کٹ گیا۔ دو اگلے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ غرض حضرت
کل مصائب میں مبتلا ہوئے مگر خدا نے کسی معجزہ یا کرامت سے آنحضرتؐ کی مدد نہیں کی۔ ہندہ
نے جناب حمزہ کا کلیجہ چیر کر نکالا اور چبا گئی لیکن آنحضرتؐ نے اس کو نہ اس لاش پر جاتے دیکھا نہ
لاش کی حفاظت کی حالانکہ اسکے بعد آنحضرتؐ کو اس کا کمال درجہ صدمہ ہوا۔ اس سے زیادہ
حیرت خیز یہ امر ہے کہ حضرت عمر نے تو مدینہ سے نہاوند (ملک عجم) کے لشکر۔ اسکی پریشانی اور آثار شکست
کو دیکھ لیا اور آواز دے کر اس کو شکست سے بچا لیا۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم نے غزوہ بنی مصطلق
سے واپس آتے وقت اپنے ساتھ کی سواری پر سے حضرت عائشہ کے ہیکل گرنے کو نہیں دیکھا۔ نہ آپ
کو اس کی خبر ہوئی کہ جناب معظمہ اونٹ پر سے اتر گئی ہیں۔ نہ اس کا علم ہوا کہ قافلہ حضرت عائشہ کو
پیچھے چھوڑ کر چل کھڑا ہوا۔ نہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت عائشہؓ صفوان بن معطل کے ساتھ ہیں۔
وہیں سے ان کو پکار دیتے کہ خبردار اس کے ساتھ نہ آنا ورنہ متہم ہو جاؤ گی۔ نہ خود حضرت کو نظر آیا کہ
حضرت عائشہ اور صفوان کیا کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کے واپس آنے پر جب لوگوں نے اس اتہام کا
ذکر کیا تو آنحضرت کو بھی ان کے بارے میں شبہہ ہو گیا۔ جو اسلام کا ایک دردناک حادثہ ہے۔ کیوں نہیں
خدا نے حضرت عمر کی طرح حضرت رسولخدا صلعم کو بھی یہ کرامت عطا فرما دی تھی کہ جس طرح ممدوح
نے نہاوند میں ساریہ کے کل حرکات کو دیکھ لیا اسی طرح آنحضرت صلعم بھی صرف اپنے پیچھے حضرت
عائشہ اور صفوان کے کل افعال کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس کرب و پریشانی سے محفوظ رہتے جس
میں آپ نے اپنی محبوب زوجہ کے متہم ہو جانے کی وجہ سے کتنے دنوں تک بسر کی۔ کیا یہ حیرت خیز
امر نہیں ہے کہ حضرت عمر تو ملک عرب کے مدینہ سے ملک عجم کے نہاوند کا واقعہ بچشم خود دیکھ لیں
لیکن آپ کے مولا و مقتدا حضرت رسولخدا صلعم اپنے ہی قافلہ میں اپنی بیوی کی حالت تک نہ جان سکیں۔
کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے ہاں حضرت عمر کا درجہ رسولخدا صلعم سے اور ساریہ سردار لشکر کا
درجہ حضرت عائشہ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اور دیکھو غزوہ خندق میں سردی بڑی سخت تھی۔ کفار کا
لشکر اور مسلمانوں کا لشکر ایک ہی جگہ تھا۔ مگر آنحضرت کو اس کی خبر نہیں تھی کہ اس وقت کفار کا لشکر
کیا کر رہا ہے۔ حضرت نے حضرت ابوبکر سے فرمایا جا کر قریش کی خبر لاؤ۔ انھوں نے کہا خدا اور رسول

مجھے اس زحمت سے معاف رکھیں۔ پھر آنحضرت نے حضرت عمر سے فرمایا تم جاکر خبر لاؤ۔ انھوں نے بھی وہی کہا کہ میں اللہ اور اوسکے رسول سے معافی چاہتا ہوں۔ تب حضرت نے فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ۔ وہ فوراً چلے گئے (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۵)۔ اگر حضرت عمر نے اپنی ذاتی قوت سے ملک عجم کے لشکر کی حالت دیکھ لی تھی تو حضرت رسول خدا صلعم نے چند قدموں کے فاصلہ پر کفار کے لشکر کی حالت کیوں نہیں دیکھ لی۔ اور اگر خدا نے حضرت عمر کو یہ کرامت عطا کی تو حضرت رسولخدا صلعم کو کیوں اس سے محروم رکھا؟ کیا یہ روایت یہ نہیں ثابت کرتی کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کو خدا مانتا تھا؟ ورنہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ روایت بھی بالکل وضعی ہے اور محض حضرت عمر کا غیر معمولی درجہ ثابت کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ خود حضرت عمر کے حالات سے اس روایت کو جانچو تو اس کا قطعی غلط ہونا مثل آفتاب روشن ہو جائے۔ آپ کی وفات کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لولو تھی اُس نے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا دو درہم (قریباً سات آنے)۔ حضرت عمر نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے۔ بولا کہ نجاری نقاشی آہن گری۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔ دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمر تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر امامت کیلئے بڑھے۔ اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے " (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۲۰۲)۔ کہاں حضرت عمر کی وہ دوربینی کہ ملک عرب میں بیٹھے ہوئے ملک عجم کے لشکر کو دیکھ رہے ہیں کہ آگے سے بھی گھر گیا ہے پیچھے سے بھی محصور ہے۔ اور کہاں یہ کوتاہ بینی کہ مسجد میں قاتل موجود ہے اور وہ خنجر بھی لئے ہوئے ہے مگر حضرت عمر نہ اُس کو دیکھتے ہیں نہ اسکے ہتھیار کو۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ اگر کہا جائے کہ خدا نے آپ کو اُس موقعہ پر

یہ کرامت عطا کی کہ عجم کے لشکر کو آپ نے دیکھ لیا اور قتل کے موقع پر یہ کرامت نہیں دی۔ تو خدا پر ہماری الزام آتا ہے کہ ایک معمولی لشکر کے فتح یاب ہونے کیلئے تو اس نے اتنا بڑا اہتمام کیا کہ حضرت کو عجم کے لشکر کا انجام دکھا دیا پھر حضرت عمر کی زندگی بچانے کیلئے اس نے یہ کرامت کیوں نہیں دی۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عمر اسلام کے بڑے فاتح۔ بڑے بادشاہ۔ بڑے مدبر تھے۔ اسلام کو آپ کے وجود کی شدید ضرورت تھی اور آپ کے اُس وقت اُٹھ جانے سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچا اور ان سب خرابیوں کا ذمہ وار خدا ہے کہ اُس نے ساریہ کے حال کی طرح فیروز کے حال سے آپ کو خبر نہیں کی اور اس کا وار کام کر گیا۔ پس یا اس واقعہ کو صحیح مان کر مذکورہ بالا الزامات قبول کئے جائیں۔ یا تسلیم کیا جائے کہ یہ روایت بالکل منگھڑت اور موضوع ہے۔

ایک خاندان کی بے وجہ ہلاکت

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب لرجل ما اسمك قال جمرۃ قال ابن من قال ابن شهاب قال ممن قال من الحرقة قال این مسکنك قال الحرۃ قال بایها قال بذات لظے۔ فقال عمر ادرك اهلك۔ فقد احترقوا فرجع الرجل فوجد اهله قد احترقوا۔ حضرت کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص سے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟۔ اس نے کہا جمرۃ (جس کا معنے اردو میں چنگاری ہے) پوچھا کس کے بیٹے ہو؟۔ کہا شہاب کے (شہاب کا معنے آگ کا شعلہ ہے) پوچھا کس قبیلہ سے؟ کہا حرقۃ سے (حرقۃ کا معنے سوزش جلن ہے)۔ پوچھا تمھارا گھر کہاں ہے؟ کہا حرۃ میں (حرۃ معنے گرمی)۔ پوچھا اسکے کس حصہ میں؟ کہا ذات لظے میں (لظے معنے شعلہ) یہ سب سنکر حضرت عمر نے فرمایا جلدی جا کر دیکھو تمھارے گھر والے سب جل گئے۔ وہ شخص دوڑا ہوا آیا تو دیکھا کہ واقعاً اُس کے اہل و عیال سب جل گئے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۶ و ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۵ وغیرہ)۔ عربی زبان میں جمرہ۔ شہاب اکثر آدمیوں کے نام ہوتے ہیں اور حرۃ۔ ذات لظے مقام کے نام ہیں اور حرقۃ قبیلہ کا نام ہے۔ اور لغوی معنے سب کے آگ ہی سے متعلق ہیں۔ اتفاق سے اُس شخص کا نام جمرہ۔ اسکے باپ کا شہاب۔ اسکے قبیلہ کا حرقۃ۔ اس کے وطن کا حرہ اور اسکے محلہ کا ذات لظے تھا۔ ان چیزوں کا یہ نام رکھنے میں اس غریب کا کوئی قصور نہیں تھا اور نہ ان ناموں کا رکھنا کوئی جرم تھا۔ مگر ان کل باتوں کو سنکر حضرت عمر نے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے

سب جل گئے۔ اور فوراً ادھر واقعتاً جل گئے۔ معمولی بات میں اس کے گھر آگ لگ گئی۔ بیوی
آگ جلکر مرگئی۔ بچے آگ بھن کر کباب ہوگئے۔ اور دوسرے لوگ علحدہ نذر آتش ہوگئے۔ اور یہ
سب کیا خدا نے کیونکہ حضرت عمر تو اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے صرف اپنی زبان
سے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے سب جل گئے۔ مگر وہ آگ لکڑی لیکر اس کے گھر نہیں آئے
نہ اس میں آگ لگائی نہ ان بیچاروں کو جلایا۔ جلانے کا کام خدا ہی نے تو انجام دیا۔ گویا خدا حضرت
عمر سے اتنا ڈرا کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کی اُس نے فوراً تعمیل کردی۔ اس روایت
سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ حضرت عمر کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند تھا کہ جو بات
ان کے منہ سے نکلتی تھی خدا اس کو فوراً انجام دیتا تھا۔ مگر خدا پر جو الزام آیا اس کی پروا نہیں کیگئی
کہ خدا کا کتنا بڑا ظلم اور بے رحمی اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے خدا بالکل
اندھا ہے کچھ نہیں دیکھتا کہ کس کا کیا قصور ہے۔ بے وجہ لوگوں کے ساتھ سفاکی کرتا رہتا ہے۔

دریائے نیل میں آپکی کرامت

یہ واقعہ بھی بہت اہمیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ لما فتحت مصر
اتے عمرو بن العاص حین دخل یوم من اشھر العجم فقالوا
یا ایھا الامیر ان لنیلنا ھذا سنة لا یجری الا بھا۔ قال وما ذاک۔ قالوا اذا
کان احدی عشرة لیلة تخلوا من ھذا الشھر عمدنا الی جاریة بکر من ابویھا
فارضینا ابویھا وجعلنا علیھا من الثیاب والحلی افضل مایکون۔ ثم القیناھا
فی ھذا النیل۔ فقال لھم عمرو ان ھذا لا یکون ابدا فی الاسلام وان الاسلام
یھدم ما کان قبلہ فاقاموا والنیل لا یجری قلیلا ولا کثیرا حتی ھموا بالجلاء۔
فلما رای ذلک عمرو کتب الی عمر بن الخطاب بذلک۔ فکتب لہ ان قد
اصبت بالذی فعلت وان الاسلام یھدم ما کان قبلہ و بعث لبطاقة
فی داخل کتابہ وکتب الی عمرو انی قد بعثت الیک ببطاقة فی داخل کتابی
فالقھا فی النیل۔ فلما قدم کتاب عمر الی عمرو بن العاص اخذ البطاقة
ففتحھا۔ فاذا فیھا من عبد اللہ عمر امیر المومنین الی نیل مصر اما بعد
فان کنت تجری من قبلک فلا تجر۔ وان کان اللہ یجریک فاسئل اللہ
الواحد القھار ان یجریک فالقی البطاقة فی النیل قبل الصلیب بیوم فاصبحوا

وقد اجراہ اللہ تعالیٰ ستۃ عشر ذراعاً فی لیلۃ واحدۃ فقطع اللہ تلک السنۃ عن اھل مصر الی الیوم۔ جب (حضرت عمر کے عہد خلافت میں) ملک مصر فتح ہو گیا اور اسکے فاتح عمرو بن العاص اس میں داخل ہوئے تو عجمی مہینوں سے ایک تاریخ کو مصر والوں نے کہا اے امیر اس ملک میں جو دریائے نیل بہتا ہے اس کا ایک دستور چلا آتا ہے جس کے بغیر یہ بہتا نہیں ہے۔ عمرو عاص نے پوچھا وہ کیا۔ لوگوں نے کہا جب اس مہینے کی ۱۱ تاریخ ہو جاتی ہے تو ہم لوگ ایک کنواری لڑکی کیلئے اسکے والدین کے پاس جاتے اور اسکو راضی کرکے وہ لڑکی اس سے لے لیتے ہیں۔ اور اسے خوب اچھے اچھے لباس نیز زیوروں سے آراستہ کرکے اس نیل میں ڈالدیتے ہیں (جس کے بعد دریا اچھی طرح بہنے لگتا ہے)۔ عمرو عاص نے ان لوگوں سے کہا اسلام میں تو یہ دستور قائم نہیں رہ سکتا اور اسلام اپنے قبل کے کل رواج کو مٹا دینے کے لئے آیا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر مصر والے رک گئے اور انھوں نے کنواری لڑکی دریا میں نہیں ڈالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے نیل کا بہنا بالکل موقوف ہو گیا۔ اس مصیبت سے نکلنے کیلئے مصر والوں نے ارادہ کیا کہ وہاں سے جلا وطنی اختیار کرلیں۔ عمرو عاص نے یہ دیکھا تو حضرت عمر بن الخطاب کو پورے واقعہ سے مطلع کر دیا۔ اور ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت عمر نے ان کو جواب لکھا کہ تم نے جو کیا یہی درست تھا اور اسلام یقیناً ان تمام رسوم کو مٹا دے گا جو اسکے پہلے سے جاری ہیں۔ اور آپ نے اس خط کے اندر ایک دوسرا رقعہ لکھ کر رکھدیا اور عمرو عاص کو تاکید کی کہ اس رقعہ کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب یہ دونوں تحریریں عمرو عاص کے پاس پہونچیں تو انھوں نے اندر والا رقعہ بھی کھول کر پڑھ لیا۔ اس میں لکھا تھا کہ یہ رقعہ ہے عبد اللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ اما بعد اے دریائے نیل اگر تو اپنی خواہش سے بہتا ہے تو مت بہہ۔ اور اگر تجھے اللہ بہاتا ہے تو خدائے یکتا و قہار سے سوال کرکہ تجھے بہاتا رہے۔ عمرو عاص نے وہ رقعہ پڑھ کر دریائے نیل میں ڈالدیا۔ تاریخ معین کو صبح کے وقت لوگ اٹھے تو دیکھا کہ (اس رقعہ کی برکت سے) خدا نے دریا کو ایک رات میں سولہ ہاتھ بڑھا دیا۔ اس طرح اللہ نے اہل مصر کی اس رسم کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ (تاریخ الخلفا صفحہ ۸۵ وریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۲) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ حضرت عمر کی کرامت ظاہر اور خدا کے ہاں آپ کا اعلیٰ درجہ ثابت ہو مگر اس سے خدا کی جو توہین ہوتی ہے اس کی طرف

توجہ نہیں کی گئی۔ روایت کے الفاظ کہتے ہیں کہ مصر میں یہ رسم اسوجہ سے جاری ہوئی تھی کہ دریائے نیل اُس وقت تک بہتا نہیں تھا جب تک اس میں ایک دوشیزہ اور آراستہ لڑکی کی قربانی پیش نہیں کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ خدا ہی نے اس دریا کا جاری ہونا اس قربانی پر موقوف رکھا تھا۔ کیونکہ اس کا جاری ہونا یا رکنا دونوں خدا ہی کے اختیار میں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو بہتا۔ اور نہ چاہتا تو رُکا رہتا۔ مگر جب تک اس میں دوشیزہ ڈالی نہیں جاتی اس وقت تک وہ بہتا نہیں تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ خدا ہی چاہتا تھا کہ ہر سال اس میں دوشیزہ لڑکی ہلاک کیجائے۔ تب خدا اسکے بہنے کا حکم دے۔ پس خدا کی صفت رحمٰن و رحیم اُس وقت کہاں چلی جاتی تھی جب وہ دریائے نیل کے بہنے کو روک دیتا تھا کہ لوگ قحط کے خوف سے پریشان ہوجاتے تھے۔ اور خدا کی یہ صفت اُس وقت بھی کہاں رہتی تھی جب دوشیزہ لڑکی اپنے باپ ماں سے حاصل کیجاتی اور آراستہ کرکے دریا میں ڈال دی جاتی تھی۔ لیقیناً یہ رسم کفر و جہالت کی تھی لیکن جب دریائے نیل کا بہنا اسی پر موقوف تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فعل خدا کا نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا اتنے دنوں تک یہ ظلم کیوں کرتا رہا کہ دوشیزہ لڑکیاں اس طرح اس میں ڈبوئی جاتیں۔ اگر وہ دریائے نیل کو برابر جاری رکھتا تو اہل مصر کنواری لڑکیوں کی بھینٹ بھی نہ چڑھاتے۔ ان وجوہ سے عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے اور صرف حضرت ممدوح کا تقرب الی اللہ دکھانے کیلئے بنائی گئی ہے۔

دریا پر سے لشکر کا گزرنا

مذکورہ بالا روایت سے ملتی جلتی یہ بھی ہے روی ان عمر بعث جندا الی مدائن کسریٰ وامر علیھم سعد بن ابی وقاص وجعل قائد الجیش خالد بن الولید فلما بلغوا شط الدجلۃ ولم یجد واسفینۃ تقدم سعد وخالد فقالا یا بحر انک تجری بامر اللہ فبحرمۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ولعدل عمر خلیفۃ اللہ الاخلیتنا والعبور۔ فعبر الجیش بخیلہ وجمالہ الی المدائن ولم تبتل حوافرھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے مدائن کسریٰ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سردار سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا اور لشکر کا افسر خالد بن ولید کو بنایا۔ جب یہ سب لوگ دریائے دجلہ کے کنارے پہونچے تو پار ہونے کے لئے کوئی کشتی نہیں ملی۔ اُس وقت سعد بن ابی وقاص اور خالد آگے بڑھے اور دریا سے خطاب کرکے کہا اے دریا تو

خدا کے حکم سے بہتا ہے۔ اب تجھ کو حضرت محمد صلعم کی عزت اور حضرت عمر خلیفہ خدا کے عدل کا واسطہ کہ ہم لوگوں کے عبور کرنے کیلئے راستہ چھوڑ دے۔ اس کے بعد پورا لشکر گھوڑوں اور اونٹوں سمیت دریا میں داخل ہو گیا اور مدائن تک اس طرح چلا گیا کہ جانوروں کے سُم بھیگے تک نہیں (ریاض نضرہ جلد ۲ صـ۱۵)۔ اس روایت میں یہ امر قابل غور ہے کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد نے دریا کو حضرت رسول خدا صلعم کی حرمت اور حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دیا ہے کہ تو راستہ چھوڑ دے۔ مگر اس امر سے چشم پوشی کی گئی کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید کو یہ معلوم کیسے ہوا کہ ان دونوں کا واسطہ دینے سے دریا پھٹ جائیگا۔ کیونکہ ہر شخص دریا سے ڈرتا ہے اور بغیر کشتی کے اس کے اندر سے عبور کرنے کا خیال تک نہیں کرتا۔ پھر ان دونوں صاحبوں کو اُس وقت اس کی امید کیونکر ہوئی کہ ایسا کرنے سے دریا کا پانی ہٹ جائے گا۔ دوسرا امر یہ کہ اگر یہ واقعہ سچا ہو تو حضرت عمر کی کرامت کیسے ہوئی کیونکہ حضرت ممدوح تو مدینہ میں تھے۔ دریا عبور کرنے والے جناب سعد بن ابی وقاص و خالد تھے۔ تو یہ کرامت انہیں دونوں بزرگوں بلکہ پورے لشکر بلکہ گھوڑوں اور اونٹوں کی قرار دینی چاہیئے۔ کہ وہ سب لشکر والے اور وہ سب گھوڑے اونٹ ایسی کرامت والے تھے کہ بغیر کشتی کے دریا عبور کر گئے اور ان کے سُم تک نہیں بھیگے۔ اس سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ اثر حضرت عمر ہی کے نام کا تھا کہ آپکے عدل کا واسطہ دیا گیا تو دریا خشک ہو گیا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے نام میں یہ برکت نہیں تھی اسلئے کہ اگر یہ بات ہوتی تو یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے معجزات میں لکھا جاتا۔ یا آنحضرت کے اسم مبارک کے کرامات میں درج کیا جاتا لیکن کسی کتاب میں ایسا نہیں ہے بلکہ خاص حضرت عمر کے کرامات میں موجود ہے۔ مگر اس واقعہ سے حضرت عمر پر یہ زبردست اعتراض ہوتا ہے کہ جب آپ کے نام میں خدا نے یہ اثر پیدا کر دیا تھا تو آپ نے ملک مصر فتح کرنے کیلئے خشکی کی طرف کا بہت ہی دور دراز راستہ کیوں اختیار کیا جس میں مسلمانوں کا بے حد و حساب مال خرچ ہوا۔ آسانی سے ینبوع یا جدہ میں فوجیں بھیجدیتے اور وہ یہی کہہ کر بحر قلزم عبور کر جاتیں اور تھوڑی دیر میں ملک مصر میں داخل ہو کر اس پر نہایت آسانی سے قبضہ کر لیتیں کیونکہ جب دجلہ کا پانی آپ کے عدل کے واسطہ سے ایسا خشک ہو گیا کہ جانوروں کے سم تک نہیں بھیگے تو بحر قلزم کی کیا مجال تھی کہ کوئی شخص اس میں ڈوب جاتا یا فوج اس کے عبور کرنے سے عاجز رہتی۔ اگر یہ شبہہ ہو کہ حضرت عمر

کو اسکی اطلاع نہیں تھی کہ دریائے دجلہ کو وہ لشکر آپ کا نام لیکر عبور کر گیا تب بھی مشکل حل نہیں ہوتی کیونکہ ملک عجم میں ساریہ کے لشکر کو جب آپ نے دیکھ لیا کہ ہر طرف سے گھر گیا ہے اور آپنے پکار کر کہا کہ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ تو خود عراق میں (جو عرب ہی کا ایک حصہ ہے) سعد بن ابی وقاص اور خالد کا دریا عبور کر جانا آپ سے کس طرح مخفی رہا ہوگا۔ آپ کو تو اور جلد اطلاع ہوگئی ہوگی کہ دجلہ کے کنارے لوگوں کو کشتیاں نہیں ملیں اور ان لوگوں نے دریا کو میرے عدل کا واسطہ دیا تو وہ پھٹ گیا اور پورا لشکر آسانی سے عبور کر گیا۔ اسی طرح آپ مدینہ کے قریب کسی بندرگاہ پر فوجیں بھیجکر ان کو حکم دیتے کہ سعد بن ابی وقاص اور خالد کی طرح تم لوگ بھی بحر قلزم کو میرا واسطہ دینا وہ خشک ہو جائیگا اور تم سب عبور کر جانا۔ اگر اس کا موقع نہیں ملا تو کم از کم آپ مصری فتوح کے افسر عمرو عاص کو حکم دیتے کہ سکندریہ فتح کرنے کے بعد وہیں کل فوجوں کو میڈیٹرینین سی (بحر شام یا بحر روم) میں اتار دیتے۔ وہ سب حضرت عمر کا نام لیکر پورا سمندر عبور کر جاتے اور یورپ میں داخل ہو کر پورے بر اعظم پر اسلامی جھنڈا نصب کر دیتے۔ جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملادینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کرلی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمر کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۸۰)

مگر جب حضرت عمر کے نام میں یہ اثر تھا کہ اس کا واسطہ دے کر فوج کی فوج دریا میں اتر جاتی اور جانوروں کے سُم تک تر نہیں ہوتے تھے تو حضرت عمر یونانیوں سے بے وجہ ڈرے۔ اول تو یوں بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر نہر سویز اُس زمانہ میں کھد گئی ہوتی تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو کیونکر اڑا لے جاتے۔ اب تو نہر سویز موجود ہے اور ہزاروں جہاز بحر روم سے بحر قلزم میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ کتنے جہازوں نے آکر حاجیوں کو اڑایا؟ لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس زمانہ میں ایسا ہوتا جب بھی حضرت عمر کے خوفزدہ ہونے کی وجہ نہیں تھی کیونکہ آپ سب مسلمانوں سے کہدیتے کہ جب کوئی دشمن جہاز پر سوار ہو کر اس ملک میں آئے اور یہاں کے کسی شخص یا کسی

چیز کو لے کر اڑا لے جانا چاہے تو تم لوگ فوج کی صورت میں آگے بڑھنا اور میرے عدل
کا واسطہ دے کر بحر قلزم میں کود پڑنا۔ اس کا پانی تم لوگوں کیلئے خشک ہو جائے گا اور
آسانی سے یونانی جہازوں کو پکڑ لینا۔ مختصر یہ کہ ایسے شبہات ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت
بھی موضوع ہے اور اسی وجہ سے مولوی شبلی صاحب نے دریائے دجلہ کے خشک ہو جانے
اور لشکر کے عبور کر جانے کی کرامت اپنی کتاب میں لکھی ہی نہیں۔

ایک عجیب قصہ

جناب ممدوح کی کراماتوں میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ان عمرؓ کتب
الی سعد بن ابی وقاص وھو بالقادسیۃ یقول لہ وجہ نضلۃ
بن معاویۃ الانصاری الی حلوان العراق لیغز وعلی ضواحیھا۔ فبعث سعد
نضلۃ فی ثلث مأتہ فارس۔ فخرجوا حتے اتوا حلوان العراق فاغار علے ضواحیھا
واصابوا غنیمۃ وسبیا فاقبلوا الیسوقونھا حتے ارھقھم العصر وکادت
الشمس لغرب فالجأ نضلۃ السبی والغنیمۃ الی سفح الجبل ثم قام فاذن
فقال اللہ اکبر اللہ اکبر فاذا مجیب من الجبل یجیبہ کبرت کبیرا یا نضلۃ
ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ قال کلمۃ الاخلاص یا نضلۃ۔ ثم
قال اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ قال ھو الذی بشرنا بہ عیسے بن مریم
وعلے راس امتہ تقوم الساعۃ۔ فقال حی علے الصلاۃ۔ فقال طوبی لمن مشے
الیھا وواظب علیھا۔ قال حی علے الفلاح۔ قال افلح من اجاب۔ قال اللہ
اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ قال اخلصت الاخلاص کلہ یا نضلۃ
حرم اللہ بھا جسدک علے النار۔ فلما فرغ من اذانہ قاموا۔ فقالوا من انت
یرحمک اللہ ملک انت ام من الجن او طائف من عباد اللہ۔ قد اسمعنا
صوتک فارنا صورتک فان الوفد وفد رسول اللہؐ ووفد عمر بن الخطابؓ
قال فانفلق الجبل عن ھامۃ کالرحا ابیض الراس واللحیۃ علیہ طمران من
صوف۔ قال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقالوا وعلیک السلام
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ من انت یرحمک اللہ۔ قال زریت ابن برثملا وصی
العبد الصالح عیسے بن مریم اسکنی ھذا الجبل ودعا لی بطول البقاء الی

حین نزوله من السماء فاقرؤا عمر منی السلام وقولوا یا عمر سددوقاربوا فقد دنا الامر واخبروہ بھذہ الخصال التی اخبرکم بھا یا عمر اذا ظھرت ھذہ الخصال فی امۃ محمد فالھرب الھرب... ثم غاب عنھم فلم یروہ ۔ فکتب نضلۃ بذالک الی سعد وکتب سعد بذالک الی عمر فکتب الیہ عمر سرانت ومن معک من المھاجرین والانصار حتی تنزلوا بھذا الجبل فان لقیتہ فاقرأہ منی السلام ۔ فخرج سعد فی اربعۃ الاف من المھاجرین والانصار حتی نزلوا ذالک الجبل ومکث اربعین یوما ینادی بالصلاۃ فلا یجدون جوابا ولا یسمعون خطابا ۔ جب جناب سعد بن ابی وقاص قادسیہ میں تھے تو حضرت عمر نے ان کو لکھا کہ تم نضلہ بن معویہ انصاری کو حلوان عراق کی طرف روانہ کرو کہ وہ اسکے اطراف میں جاکر لوگوں پر حملہ کریں ۔ سعد نے تین سو سواروں کے ساتھ نضلہ کو اُن اطراف میں روانہ کردیا ۔ وہ لوگ وہاں سے چل کر حلوان عراق میں پہونچے اور اس کے اطراف میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری کردیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل اور قیدی گرفتار کیا ۔ ان سب کو لے کر روانہ ہوئے یہانتک کہ عصر کا وقت ہوگیا اور آفتاب غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا ۔ مجبورًا نضلہ نے قیدیوں اور اموال غنیمت کو پہاڑ کے کنارے محفوظ کردیا اور کھڑے ہوکر اذان دینے لگے ۔ ابھی اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر ہی کہنے پائے تھے کہ ناگاہ پہاڑ کے اندر سے ایک شخص نے آواز دی ۔ اے نضلہ تم نے اچھی تکبیر کہی ۔ پھر نضلہ نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ ۔ اس پر بھی اس غیبی شخص نے پکار کر کہا اے نضلہ یہ اخلاص کا کلمہ ہے ۔ پھر کہا اشھد ان محمد رسول اللہ ۔ اب اس غیبی شخص نے کہا یہی وہ بزرگ ہیں جنکی خوشخبری ہمیں جناب عیسی بن مریم نے دی تھی اور انہیں کی امت کے خاتمہ پر قیامت قائم ہوگی ۔ پھر نضلہ نے کہا حی علے الصلوۃ ۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا کیا خوب انجام ہے اس شخص کا جو نماز کی طرف چلے اور اس کی پابندی کرے ۔ پھر نضلہ نے کہا حی علے الفلاح ۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا جو شخص اس کو مان لے وہ بہت کامیاب ہے ۔ پھر نضلہ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر ۔ لا الہ الا اللہ ۔ اس پر اس غیبی بولنے والے نے کہا اے نضلہ تم نے پورے اخلاص کو ظاہر کیا ۔ اس کی وجہ سے خدا تمھارے بدن کو آگ پر

حرام کردے۔ پھر جب نضلہ اپنی اذان سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کھڑے ہو گئے اور اس غیبی آواز کو مخاطب کرکے کہا اے بھائی خدا تم پر رحم کرے تم کون ہو؟ فرشتہ ہو یا جن ہو۔ یا بندگان خدا سے کوئی طائفہ ہو؟ ہم سب لوگوں نے تمھاری آواز تو سنی۔ اب اپنی صورت بھی دکھا دو کیونکہ یہ حضرت رسول خدا صلعم کی فوج اور حضرت کا لشکر ہے۔ اس بات پر پہاڑ شگافتہ ہوا اور اس کے اندر سے ایک اُلّو (یا ایک سر[1]) نکلا جو چکی ایسا تھا۔ اس کا سر اور ڈاڑھی دونوں سفید تھے۔ اس کے اوپر دو پرانے بوسیدہ اونی کپڑے تھے۔ اس نے نکل کر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نضلہ اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر پوچھا آپ کون ہیں خدا آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ اس نے کہا "میں زریب بن برثملا عبد صالح حضرت عیسی ابن مریم کا وصی ہوں۔ انھوں نے مجھے اس پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کو کہا اور میرے لئے طول عمر کی دعا کی کہ جب تک وہ آسمان سے دنیا میں دوبارہ نازل ہوں اُس وقت تک میں زندہ رہوں۔ تم سب لوگ میرا اسلام عمر سے کہہ دینا اور یہ پیغام بھی پہونچا دینا کہ اے عمر ٹھیک طرح سے چلو اور سب کو برابر حصہ دو کیونکہ قیامت قریب ہے۔ اور تم لوگ میری ان باتوں کی خبر بھی ان کو کردینا جن کی اطلاع میں تم لوگوں کو دیئے دیتا ہوں۔ اے عمر جب حضرت محمدؐ کی امت میں یہ خصلتیں ظاہر ہو جائیں تو دیکھو بھاگ جانا۔ بھاگ جانا۔ اسکے بعد بہت سی نصیحتیں کرکے وہ الو یا وہ سر غائب ہو گیا اور پھر ان لوگوں نے اس الو یا اس سر کو نہیں دیکھا۔ نضلہ نے اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع سردار فوج سعد بن ابی وقاص کو دی اور انھوں نے

[1] ھامہ کا معنے اُلّو بھی ہے اور سر بھی۔ چونکہ اس کے بعد ہے کہ اس ہامہ کا سر سفید تھا اس سبب سے اس جگہ ہامہ سے مراد غالباً الو ہی ہوگا۔ مولوی وحیدالزمان خانصاحب نے لکھا ہے "ہامہ الو کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ اس کو منحوس سمجھتے اور کہتے کہ جو شخص قتل کیا جائے اور اُس کا قصاص نہ لیا جائے تو اُس کی روح اُلّو بن کر جا بجا پکارتی پھرتی ہے۔ مجھ کو پانی پلاؤ۔ جب اس کا قصاص لے لیا جاتا ہے تو اُڑ جاتی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ٢٧ صفحہ ٤٣) لیکن اگر ہامہ کا معنے سر یا کھوپڑی ہی قرار دیا جائے تو معنے بگڑ جائیگا کیونکہ کھوپڑی سے علحدہ سر یا ایک سر میں دوسرا سر کیونکر ہو سکتا ہے۔ ١٢

کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے رہتے ہیں (پارہ ۲ رکوع ۳) اور
سنو! خدا فرماتا ہے کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا
ان الرسول حق وجاءھم البینات واللہ لا یھدی القوم الظالمین اولئک
جزاءھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔ خدا ایسی
قوم کی ہدایت کیسے کرسکتا ہے جو ایمان لاکر اور رسول کو حق مان کر اور واضح دلیلیں دیکھنے
کے بعد پھر انکار کر بیٹھے۔ خدا کی تو یہ حالت ہے کہ وہ ظلم کرنے والوں کی ہدایت کیطرف
توجہ نہیں کرتا بلکہ ان کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی
رہتی ہے (پارہ ۳ رکوع ۱) اور دیکھو ومن یقتل مومنا متعمدا فجزائہ جھنم
خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ جو شخص جان
بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیگا اور اس پر
خدا کا غضب ہوگا اور اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوتی رہے گی اور اللہ نے اس
کے لئے بڑا عذاب طیار کر رکھا ہے (پارہ ۵ رکوع ۱۰) اور سنو ان الذین یرمون
المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذاب عظیم
جو لوگ پارسا اور غافل مومنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں ملعون قرار
دیئے گئے ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے (پارہ ۱۸ ع ۹) اور سنو فرماتا ہے
فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک
الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم۔ کیا تم لوگوں سے یہ بات
دور ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو زمین پر فساد پھیلانے اور اپنے رشتے ناطوں کو توڑنے
لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور گویا خود اُس نے ان کے کانوں کو
بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے (پارہ ۲۶ ع ۷) اور سنو خدا کیسے واضح
طریقے سے فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ
واعد لھم عذابا مھینا۔ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو اذیت پہونچاتے ہیں
یا پہونچائیں گے خدا ان لوگوں پر یقیناً دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا رہے گا اور ان کے
لئے ذلیل کرنے والا عذاب طیار کر رکھا ہے (پارہ ۲۲ ع ۴) یہ بھی فرمایا ہے یوم

لا ینفع الظالمین معذرتھم ولھم اللعنۃ ولھم سوء الدار۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ ظالموں کو ان کی معذرت سے کچھ نفع نہیں حاصل ہوگا اور ان کے لئے لعنت اور برے گھر کا رہنا طے پاچکا ہے (پارہ ۲۴ ع ۱۱)۔ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ ظلم کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے (پارہ ۱۲ ع ۲)۔

مولوی صاحب۔ خیر خدا کا لعنت کرنا تو قرآن مجید سے تم نے ثابت کردیا اور واقعًا متعدد آیات تم نے پیش کردیں۔ سبحان اللہ تمہاری قرآن دانی کی تعریف بھی نہیں ہوسکتی۔ مگر اور بزرگان دین نے تو ایسا نہیں کیا۔ ہمیں تو انہیں کی پیروی کرنی چاہیئے۔

ہدایت خاتون۔ تو کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ جو کام خدا کرے وہ اچھا اور وہی کام ہم لوگ کریں تو برا؟ خدا تو بزرگان دین کا بھی بزرگ ہے۔ جب خود وہ ظالموں وغیرہ پر لعنت کرے تو پھر کسی اور کا فعل کیوں دیکھا جائے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب قرآن مجید سے کوئی بات ثابت اور خود اللہ تعالےٰ کا فعل واضح ہوجائے تو اب کسی اور کے افعال جانچنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر بھی یہ بات کہنے میں آسکتی ہے کہ اگر خدا کی طرح ہم لوگوں کو بھی برے لوگوں پر لعنت کرنا مناسب ہوتا تو ہمارے بزرگان دین بھی بداعمال لوگوں پر لعنت کرتے۔ مگر اُن کا اور خاصکر حضرت رسول خدا صلعم کا کسی پر لعنت نہ کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ہم لوگ خدا کی برابری نہ کریں۔ خدا نے جن لوگوں پر لعنت کی کرتا رہے لیکن جب رسول مقبول صلعم نے ایسا نہیں کیا تو مسلمان اور حضرت کا کلمہ پڑھنے والے کیوں ایسا کریں۔ ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔ دوسروں سے کیا مطلب؟۔

ہدایت خاتون۔ اس کو تو میں بھی مانتی ہوں کہ اگر حضرت رسول خدا صلعم نے کسی پر لعنت نہ کی ہو تو مسلمانوں کو بھی نہ کرنا چاہیئے۔ مگر کیا تم کہہ سکتے ہو کہ آنحضرت صلعم نے کسی پر لعنت نہیں کی؟۔ کیا حضرت کی زبان مبارک اس سے بچی رہی؟۔

مولوی صاحب۔ یہ تم نے خوب کہا کہ کیا تم کہہ سکتے ہو۔ میں تو کہہ ہی رہا ہوں کہ رسول مقبول صلعم نے کبھی اپنی زبان پاک کو ایسی نجس اور گندی بات سے خراب نہیں کیا۔ کہاں حضرت کی زبان اور کہاں یہ بدتہذیبی۔ حضرت تو خلق عظیم پر فائز تھے۔

ہدایت خاتون۔ ارے کیا غضب کرتے ہو۔ اپنی مولویت کو کیوں فضیحت کر رہے ہو۔ جاہل لوگ اگر ایسی باتیں کہیں تو تمھیں چاہیئے کہ انھیں بتا دو۔ نہ کہ خود ہی ایسی بے خبری کی باتیں کرو۔ دیکھو یہ مشکوٰۃ شریف رکھی ہے اس میں صاف لکھا ہوا ہے لعن رسول اللّٰہ صلعم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ و قال ھم سواء رواہ مسلم ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے لعنت کی ہے ان لوگوں پر جو سود کھاتے اور کھلاتے اور اس کا مضمون لکھتے اور اسکے گواہ بنتے ہیں اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ مسلم نے اس کی روایت کی (مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۳٦) لعن رسول اللّٰہ صلعم الراشی والمرتشی فی الحکم رواہ الترمذی ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت کی ہے ۔ اس کی روایت ترمذی نے کی ہے (جلد ا صفحہ ۱۵۹)

مولوی صاحب۔ تو یہ کون کہتا ہے کہ ایسے برے کام کرنے والوں پر حضرت رسول مقبول صلعم نے لعنت نہیں کی ہے۔ ایسی حدیثوں سے تو ہمارے ہاں کی کل کتابیں بھری ہوئی ہیں ۔ تقریباً ہر برا کام کرنیوالے کے متعلق ایسی حدیثیں موجود ہیں ۔

ہدایت خاتون۔ سبحان اللہ۔ ایک ہی زبان سے ایک ہی وقت اقرار اور انکار یہ تمھارا ہی کام ہے۔ ابھی کہا تھا کہ حضرت رسولخدا صلعم ایسی گندی بات سے اپنی زبان پاک کو نجس نہیں کرسکتے۔ اور اب یہ کہتے ہو۔ تمھاری کس بات کا جواب دیا جائے۔ اور کس پر مضحکہ کیا جائے ۔ کسی ایک اصول پر ہو تو بحث طے ہوسکے ۔

مولوی صاحب۔ تم میری زبان پکڑتی ہو۔ یہ بڑی مشکل ہے۔ جب خدا نے قرآن مجید میں برے لوگوں پر لعنت کی ہے تو حضرت رسول مقبول صلعم کیوں نہیں لعنت کرتے۔ یہ تو بدیہی بات ہے ۔ مگر تم نے یہ تو نہیں دکھایا کہ حضرت صلعم نے کسی خاص شخص کا نام لیکر اس پر لعنت کی۔ اور رافضی تو نام لے کر گالیاں بکتے پھرتے ہیں۔ کتنا فرق ہے۔ ہمارے پیشوائے اعظم حضرت مولانا امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "لیکن کسی فاسق شخص کو معین کرکے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں ۔ البتہ عام لعنت وارد ہے۔ مثلاً نبی صلعم نے فرمایا چور پر خدا کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔ یا فرمایا جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت (دیکھو علامہ موصوف کی کتاب

منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)۔ یہی میرا بھی مطلب ہے کہ نام لیکر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایت خاتون۔ پہلے تو مجھے تمھارے ہی علم و فضل کا رونا تھا۔ اب تو تمھارے علامہ بلکہ امام حضرات کے کمالات پر بھی ماتم کرنا پڑا۔ ان کو اتنی تک خبر نہیں ہوئی کہ حضرت رسول خدا صلعم نے بردں کو معین کرکے اور ان کا نام لے کر بھی لعنت کی ہے۔ امام بخاری صاحب نے لکھا ہے قول النبیؐ لعن اللہ الیھود یعنی آنحضرت صلعم کا ارشاد کہ خدا یہودیوں پر لعنت کرے۔ (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۲۶) اور سب جانتے ہیں کہ یہودی ایک معین فرقہ ہے اور آنحضرتؐ نے ان لوگوں کے کسی فعل کا نام لے کر بھی ذکر نہیں فرمایا کہ فلاں وجہ سے یہودیوں پر لعنت ہو بلکہ صرف ان کی تعیین کر کے ان پر لعنت کی۔ اور سنو ایک دفعہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے اوپر عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ ولید بن عتبہ۔ امیہ بن خلف۔ عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کی ہلاکت کو لازم فرما لے۔ پھر وہ لوگ کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تو حضرتؐ نے فرمایا اس کنوئیں والوں پر لعنت کی گئی ہے (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۷۹۵) دیکھو اُس کنوئیں میں وہی معین لوگ تھے جن پر آنحضرت صلعم پہلے بددعا کرتے تھے۔ جب وہ معین لوگ اس میں بھر دیئے گئے تب آنحضرتؐ نے اُنھیں پر لعنت کی۔ کیا اب بھی کسی طرح اس سے انکار کرنے کی صورت نکال سکتے ہو؟

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرت صلعم نے صاف صاف تو نہیں فرمایا کہ اے اللہ تو فلاں شخص پر لعنت کر۔ یا فلاں شخص پر لعنت ہو۔ یا فلاں شخص ملعون ہے۔ اور رافضی تو یہ سب کرتے رہتے ہیں۔ بس تم لوگ نام لے کر لعنت نہ کیا کرو۔ قصہ ختم۔

ہدایت خاتون۔ آنحضرت صلعم نے اس طرح بھی لعنت کی ہے۔ اور یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے۔ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا اللھم العن شیبۃ بن ربیعۃ وعتبۃ بن ربیعۃ وامیۃ بن خلف۔ اے اللہ تو شیبہ بن ربیعہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ اور امیہ بن خلف پر لعنت کرتا رہ (صحیح بخاری پارہ ۷ صفحہ ۱۲۷) بتاؤ نام کی تعیین کے ساتھ لعنت کرنا اس سے زیادہ ممکن ہے؟ اب کیا بات بناؤ گے؟

مولوی صاحب۔ ذرہ بخاری شریف مجھے تو دو۔ دیکھوں کیسے لکھا ہے۔

ہدایت خاتون۔ بسم اللہ۔ چشم ما روشن و دل ما شاد۔ میں بھی تو یہی چاہتی

ہوں کہ تم لوگ شیعوں پر جو جو اعتراضات کرتے ہو ان سب کو پہلے اپنی کتابوں میں دیکھ لیا کرو۔

مولوی صاحب۔ نے صحیح بخاری میں وہ عبارت دیکھی تو دیر تک سوچتے رہے کہ اب کیا کہیں۔ جب کچھ نہ بول سکے تو خود ہدایت خاتون نے کہا۔

ہدایت خاتون۔ اور دیکھو علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے قال رسول اللہؐ یوم احد اللھم العن ابا سفیان اللھم العن سھیل بن عمرو اللھم العن صفوان بن امیہ۔ حضرت رسول خدا صلعم غزوۂ احد کے دن فرماتے تھے اے خدا تو ابوسفیان حیرث بن ہشام سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ پر لعنت نازل کرتا رہ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۱)

علامہ موصوف ہی نے یہ بھی لکھا ہے قالت عائشۃ ولکن رسول اللہ لعن ابا مروان ومروان فی صلبہ فمروان فضض من لعنۃ اللہ۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے مروان کے باپ پر لعنت کی جبکہ مروان اس کی پشت میں تھا۔ تو مروان اللہ تعالیٰ کی لعنت سے حصہ لیتا رہا ہے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۵) کہو آنحضرت صلعم نے نام لیکر اور شخص کو معین کرکے لعنت کی یا نہیں؟۔ اور سنو علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الحکم وما یخرج من صلبہ۔ حضرت رسولخدا صلعم نے حکم پر اور اس کی کل اولاد (بنی امیہ) پر لعنت کی ہے (تطہیر الجنان صفحہ ۶۲) اور جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی ظاہری خلافت چھوڑ دی تو ایک موقع پر جہاں معویہ اور حضرت بھی تھے عمرو عاص نے حضرت علیؑ کو برا کہا۔ پھر مغیرہ نے بھی ویسا ہی کیا۔ اسکے بعد امام حسنؑ سے کہا گیا کہ آپ منبر پر جاکر ان دونوں کا جواب دیجئے۔ حضرت نے اس سے انکار کیا اور فرمایا میں اس شرط پر جواب دے سکتا ہوں کہ سب وعدہ کریں کہ اگر میں سچ بیان کروں تو یہ لوگ اس بات کی تصدیق کریں۔ اور اگر جھوٹ کہوں تو تکذیب کردیں۔ ان لوگوں نے اس شرط کو مان کر وعدہ کرلیا۔ تب حضرت امام حسنؑ منبر پر تشریف لیگئے اور خدا کی حمد وثنا بیان کرکے فرمایا کہ میں بطور قسم اللہ تعالےٰ کو تمھیں یاد دلاکر پوچھتا ہوں اے عمرو عاص ومغیرہ تم دونوں جانتے ہو کہ رسول خدا صلعم نے سائق (پیچھے سے ہانکنے والے) اور قائد (آگے سے کھینچنے والے) پر (یعنی ابوسفیان ومعویہ پر) لعنت فرمائی ہے۔ دونوں نے کہا ہاں ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے لعنت فرمائی تھی۔ پھر فرمایا؛

میں تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں اے معویہ و مغیرہ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت
رسول خدا صلعم نے عمرو عاص کو ہر قافیہ پر لعنت کی ہے۔ دونوں نے کہا بے شک ایسا
ہی ہوا تھا۔ پھر فرمایا تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں اے عمرو عاص و معویہ کیا تم
کو اس کا علم ہے کہ رسول خدا صلعم نے مغیرہ کی پوری قوم پر لعنت کی ہے۔ دونوں نے کہا
ہاں سچ ہے۔ (تطہیر الجنان صـ۱۲ و نصائح کافیہ صـ۹ وغیرہ) ذرہ انصاف سے کہنا کہ تمھاری
ہی کتابوں میں ان سب باتوں کے ہونے کے بعد علامہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ کسی شخص کو
معین کرکے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں کہاں تک حق ہے۔

مولوی صاحب۔ البتہ ان عبارتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلعم نے حضرت
معویہ و عمرو عاص و مغیرہ وغیرہ پر لعنت کی۔ ان کتابوں کے رہتے ہوئے کیسے انکار کرسکتا ہوں
مگر حضرت رسول خدا صلعم کا درجہ بھی تو ہم لوگوں سے بڑھا ہوا تھا۔ حضرت نے ان لوگوں
پر لعنت کی تو کیا ہوا اور کسی مسلمان نے تو کسی پر لعنت نہیں کی۔ اور ہم لوگ بھی عام مسلمان
ہیں۔ ہم بھی نہ کریں۔ جب ہم لوگ رسول ہوجائینگے تب لعنت بھی کیا کریں گے۔

ہدایت خاتون۔ خدا کا شکر ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے اس فعل سے بھی تمھاری کتابیں
بھری ہوئی ہیں۔ تمھارے امام حاکم نے لکھا ہے قالت عائشہ لعن اللہ عمرو بن العاص
حضرت عائشہ نے کہا خدا عمرو بن العاص پر لعنت کرے (مستدرک مطبوعہ حیدرآباد جلد صـ)
اور میر جمال الدین محدث نے لکھا ہے۔ بالجملہ بعض ازیں امور مذکورہ حامل و باعث شد عائشہ
راکہ در شان عثمان گفت لعن اللہ نعثلا و قتل نعثلا۔ امور مذکورہ کی بعض باتیں
اس امر کی باعث ہوئیں کہ حضرت عائشہ حضرت عثمان کے بارے میں کہتی تھیں اللہ لعنت
کرے اس نعثل (حضرت عثمان) پر (روضۃ الاحباب جلد ۳ صـ۱۳) اور علامہ علی متقی
نے لکھا ہے عن ابن عباس انہ قال لعن اللہ فلانا (معویہ) انہ کان ینھی عن
التلبیۃ فی ھذا الیوم یعنی یوم عرفہ لان علیا کان یلبی فیہ۔ حضرت ابن
عباس (مشہور اور جلیل القدر صحابی رسول) نے کہا خدا معویہ پر لعنت کرے کہ وہ عرفہ کے
دن لبیک کہنے سے منع کرتے ہیں اس سبب سے کہ اس روز حضرت علی علیہ السلام لبیک
لبیک کہتے تھے (کنز العمال جلد ۳ صـ۳۰) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ شرح عزلہ

معویہ فقال سمرۃ لعن اللہ معویۃ واللہ لو اطعت اللہ کما اطعتہ ما عذبنی ابداً۔
جب معویہ نے سمرہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا تو اس نے کہا خدا معویہ پر لعنت کرے۔ اگر میں خدا کی اطاعت اس قدر کئے ہوتا جتنی معویہ کی اطاعت کی ہے تو خدا مجھ پر کبھی عذاب نہیں کرتا (تاریخ کامل جلد ۳ صـ۱۹۵) اور علامہ محمد عقیل نے لکھا ہے وقد لعن عمر ابن الخطاب خالد بن الولید حین قتل مالک بن نویرۃ۔ جب خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا تو حضرت عمر بن الخطاب (خلیفہ دوم) نے خالد پر لعنت کی (نصائح کافیہ صـ۱۱) اور علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحب نے فرمایا لعن اللہ عمرو بن عبید۔ عمرو بن عبید پر خدا لعنت کرے (شرح فقہ اکبر صـ۴۳)۔ اور حضرت ابوبکر کے فرزند ارجمند جناب محمد نے معویہ کے پاس ایک خط بھیجا اس میں لکھا انت اللعین ابن اللعین۔ تم ملعون ہو اور تمہارا باپ بھی ملعون تھا (مروج الذہب جلد ۲ صـ۵۹)

مولوی صاحب۔ بس کرو۔ تم تو ہزاروں کتابوں میں اسی طرح نکالتی چلی جاؤ گی۔ البتہ میں مانتا ہوں کہ برا کام کرنے والوں پر خدا و رسول نے بھی لعنت کی ہے اور دوسرے بزرگان دین نے بھی۔ اس سے انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے۔ میں مان گیا۔

ہدایت خاتون۔ دین اسلام تو کبھی عقل کے خلاف کسی بات کی اجازت دے ہی نہیں سکتا۔ برے لوگوں کو برا کہنا اگر درست نہ ہو تو اچھے اور بروں میں فرق ہی کیا رہیگا۔

مولوی صاحب۔ تم نے تبرا اور لعنت کہنے کا جائز ہونا تو ثابت کر دیا۔ مگر انصاف یہ ہے کہ رافضی ان دونوں باتوں سے الگ ہو کر بھی ہمارے بزرگوں کو برا کہتے اور سمجھتے ہیں۔

ہدایت خاتون۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ شیعہ کسی کے بزرگ کو اس وجہ سے بُرا کہتے ہیں کہ یہ اس کو نہیں مانتے بلکہ اُس کو کہتے ہیں جو واقعاً ایسا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اُس شخص کو بُرا کہنا جو فی الواقع برا ہے مناسب ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم کو یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ آیا برا کہنے اور سمجھنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ علم و عقل والے خوب جانتے ہیں کہ بھلا یا بُرا سمجھنا حواس باطنی کا کام ہے۔ پس بُرے کو بُرا اور اچھے کو اچھا سمجھنے پر انسان فطرۃً مجبور ہے۔ یعنی بُرے اور بھلے میں تمیز کرنا انسان کا فطری فعل ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم بُرے کو بُرا نہیں سمجھتے تو یہ نہ سمجھنے والا شخص سوائے

اس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ نفس ناطقہ سے خارج بلکہ مجنون ہے۔ اسی مقام پر
یہ امر بھی قابل غور ہے کہ برے کو برا نہ سمجھنے والا مذہبًا اور اخلاقًا کس حد تک گنہگار یا قابل
الزام ہے۔ اول تو برے کو برا نہ سمجھنے والا خود جہالت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جب اس
کو معلوم ہوا کہ ایک شخص برا ہے تو اس معلوم کرنے والے نے اس کو برا سمجھ لیا کیونکہ معلوم کرنے
اور سمجھ لینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسرے یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ شخص جو کسی
برے آدمی کو برا نہیں سمجھتا خود اچھا ہے یا برا۔ مثلاً ایک شخص چور۔ شرابی۔ زانی اور مکار ہے
دوسرا شخص اس کے مذکورۂ بالا افعال کو برا نہیں سمجھتا۔ آیا یہ برا نہ سمجھنے والا خود اچھا ہے
یا برا۔ تم یقینًا فیصلہ کرو گے کہ اول تو یہ برا نہ سمجھنے والا برا نہ سمجھنے کا اقرار محض زبانی کرتا ہے
ورنہ فطرۃً اس کا دل اس کو ضرور برا سمجھتا ہے۔ دوسرے اگر واقعی اس کا دل بھی
اس برا کرنے والے کو برا نہیں سمجھتا تو اس نے یقینًا برے کام کرتے کرتے خود اپنے میں وہ فطرۃ
ثانیہ پیدا کر لی ہے جو ایک برے فعل کو برا فعل سمجھنے نہیں دیتی۔ یعنی یہ برے کو برا سمجھنے والا
خود برا ہے۔ اس کو ایک واضح مثال سے سمجھو کہ ایک غریب نادار یتیم تین رات دن سے
بھوک کی مصیبت میں گرفتار کسی جگہ پڑا ہوا ہے۔ بھوک کی بے چینی سے اس کا دم نکل رہا ہے
اتفاقًا وہاں سے ایک رحم دل شخص کا گزر ہوتا ہے وہ اس یتیم بچے کو دو روپیہ دیتا ہے
کہ اپنے کھانے کا انتظام کرلے۔ اس وقت ایک ظالم بدمعاش وہاں پہونچتا ہے اور وہ
بغیر کسی خاص وجہ کے اس یتیم کا وہ روپیہ اس سے چھین لیتا ہے اور وہ بچہ روپیہ بچانا چاہتا
ہے تو اس کو خوب زد و کوب بھی کرتا ہے۔ ایک اور شخص وہاں آجاتا ہے اور دونوں
شخصوں کا برتاؤ سنتا ہے۔ اب تم انصاف سے بتاؤ کہ فطرۃً کیا یہ ممکن ہے کہ یہ آخری
شخص پہلے رحم دل شخص کو قابل مدح اور دوسرے بدمعاش کو قابل نفرت نہ سمجھے؟
غالبًا تم بھی اس کو مانو گے کہ اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھنا کسی کا اختیاری فعل نہیں ہے
اور نہ یہ امر کسی کی اپنی خوشی پر موقوف ہے بلکہ ایسا سمجھنے کے لئے انسان فطرۃً مجبور ہے۔
غور کرو کہ تیسرا شخص اگر اپنے نفس کی اصلاح کے لئے اس بدمعاش کے افعال سے نفرت
کرتا۔ علحدگی چاہتا اور اس کو برا کہتا ہے اور خدا سے پناہ مانگتا ہے کہ اس کے افعال یا اسکی
دوستی سے اس کو بچائے تو کیا بیجا کرتا ہے؟ یہاں پر اس کو برا کہنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

اور یہ تیسرا شخص ایک مجمع عام یا خاص میں پکار پکار کر اس بدمعاش کو برا کہہ رہا ہے اور اس سے نفرت ظاہر کرتا ہے۔ سننے والے اس یتیم بچہ کے حال زار پر افسوس کر رہے ہیں اور اس بدمعاش کے ظلم سے آزردہ ہو کر اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کے افعال اور اقوال کو قابل پیروی نہ سمجھ کر اس سے علحدگی چاہتے ہیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے اس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور خود برے افعال کے مرتکب ہونے سے پرہیز کرتے ہیں تو قابل مدح ہیں یا مستحق اعتراض؟ اس مقام پر تو ہر انصاف پسند شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ اس تیسرے شخص کا اس بدمعاش کو برا کہنا اخلاقاً فرض اور مذہباً عبادت ہے اور ایسے موقع پر اس کو برا نہ کہنا یعنی خاموش رہ جانا عین ظلم و گناہ ہے۔ اسی آخر الذکر صورت میں نہ صرف شیعہ بلکہ تمام دنیا کے سمجھدار بڑے شخص کو برا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں کسی فرقہ کا یہ دعوے کہ ہمارے مذہب میں کسی کو برا کہنا جائز نہیں ہے ایک ایسا مجنونانہ دعوے ہے جس کے لئے فطرت انسان نے کوئی دلیل پیدا نہیں کی ہے۔

مولوی صاحب۔ تمھاری نقلی دلیلیں تو زبردست ہی ہیں۔ عقلی دلیل بھی نہایت تشفی بخش ہے۔ بے شک چور سے نفرت کرنا۔ بدمعاشوں کو برا کہنا ہر انسان کا فطری مقتضا ہے۔ اس سے انکار کرنا مکابرہ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تحفۂ اثنا عشریہ کے بارہویں باب میں جو کچھ لکھا ہے انصاف یہ ہے کہ اس کے ایک ایک نقطہ کی تم نے دھجیاں اڑا دیں۔ تمھارے علم و فضل اور ذہن و حافظہ پر میں جس قدر فخر کروں درست ہے۔

ہدایت خاتون۔ شاہ صاحب نے تو عجب مضحکہ خیز کارروائیاں کی ہیں۔ تحفہ کے بارہویں باب میں شروع سے آخر تک یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لعنت صرف کافروں پر کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں سے کوئی شخص خواہ کیسا ہی برا کام کرے اس پر لعنت نہ کی جائے بلکہ اس کے لئے استغفار کی جائے۔ یا اس کے مسئلہ میں خاموشی برتی جائے۔ خواہ وہ صحابی رسول ہو۔ یا تابعی یا عامہ مسلمین سے کوئی شخص۔

مولوی صاحب۔ ہاں اُن کی پوری بحث اسی دعوے کے ثابت کرنے میں ہے۔ مگر تم نے تو ہماری ہی کتابوں سے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ ہم لوگوں کا کیا ذکر ہے خود حضرت رسول مقبول صلعم نیز ازواج رسولؐ و صحابۂ کبار نے بڑے مسلمانوں پر لعنت کی ہے۔

ہدایت خاتون ۔ خود شاہ صاحب نے تحفۂ اثنا عشریہ میں تو وہ لکھا ہے اور اپنی دوسری کتاب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں جواب سوال خامس آنکہ مروان علیہ اللعنۃ را بدگفتن و بدل ازو بیزار بودن خصوصًا درسلوکے کہ با حضرت امام حسین و اہلبیت می نمود و عداوت مستقرہ ازاں بزرگواران در دل داشت از لوازم سنت و محبت اہل بیت است کہ از جملہ فرائض ایمان است۔ پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ مروان علیہ اللعنۃ کو برا کہنا اور اس سے دلی نفرت و بیزاری کرنا خصوصًا اُس برتاؤ کا خیال کرکے جو وہ حضرت امام حسین اور اہلبیت کے ساتھ کرتا تھا اور ان بزرگوں سے مستقل عداوت رکھتا تھا۔ حضرت رسولخدا صلعم کی سنت اور محبت اہلبیت کے لوازم سے ہے جو ایمان کے فرائض سے ہے (فتاوے عزیزی جلد ۱ صفحہ ۱۸۱) اس میں کئی باتیں قابل لحاظ ہیں ایک یہ کہ شاہ صاحب نے مروان کو علیہ اللعنۃ یعنی اس پر لعنت ہوتی رہے لکھا۔ دوسری یہ کہ اس کو بُرا کہنے اور اُس سے دلی بیزاری و نفرت کو مذہب اہلسنت کے لوازم سے قرار دیا۔ تیسری یہ کہ اس پر لعنت اور اس سے بیزاری کرنے کی اصلی وجہ اہل بیت کے ساتھ بُرا برتاؤ لکھی ہے۔ چوتھی بات یہ کہ مروان صحابی رسول تھا۔ پس جب اہلبیت سے عداوت اور بُرا برتاؤ کرنا اس درجہ اہم ہے کہ اسکی وجہ سے ان کے دشمنوں اور ان کے ساتھ بُرا سلوک کرنے والوں پر لعنت کرنا جائز بلکہ ایمان کا لازمی فعل ہو جاتا ہے تو مطلع بالکل صاف ہو گیا۔ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی اختلاف رہا ہی نہیں۔ کیونکہ ہم شیعہ بھی اُن لوگوں ہی پر زیادہ تر لعنت کرنے کے عادی ہیں جنھوں نے جناب سیّدہؑ۔ جناب امیرؑ۔ جناب امام حسنؑ۔ جناب امام حسینؑ علیہم السلام سے عداوت کی اور بُرا برتاؤ کرتے رہے اور وہ لوگ بھی صحابہ رسول صلعم ہی تھے۔ پس جس طرح شاہ صاحب مروان صحابی رسول کو عداوت اہلبیتؑ کی وجہ سے ملعون لکھتے ہیں اسی طرح اُن پر اور تمام اہلسنت بھائیوں پر فرض ہے کہ دوسرے صحابۂ رسول پر بھی جو عداوت اہلبیت میں مشہور ہیں لعنت کرتے رہیں اور کوئی فرق نہ کریں۔ ورنہ تعصب کا الزام عائد ہوگا۔

مولوی صاحب ۔ البتہ تمھاری یہ تقریر بالکل درست ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بڑا غضب کر دیا کہ فتاوے عزیزی میں مروان پر لعنت بھی کر دی اور اس کی وجہ اہلبیت سے بُرا برتاؤ کرنا او رعداوت رکھنی قرار دی۔ پھر انھوں نے جھگڑا کیا۔ انھوں نے تو اپنے اس

جملہ سے مذہب اہلسنت کی بنیاد ہی کھود ڈالی۔ جب اہلبیت کرام سے عداوت اور بُرا برتاؤ کرنے کی وجہ سے لوگوں پر لعنت کرنا ضروری قرار پا گیا تو اب مذہب اہلسنت کو حق کون کہہ سکتا ہے۔ لا حول ولا قوۃ۔ لطف یہ کہ تحفہ میں جس بات پر اتنا زور دیا دوسری کتاب میں اسکو خود رد کر دیا۔

ہدایت خاتون۔ تمہارے امام شافعی صاحب نے بھی تقریباً یہی مضمون اپنی اس قابل قدر رباعی میں ادا کیا ہے ؎

برئت الی المھیمن من اناس ۔۔۔ یرون الرفض حب الفاطمیۃ

علی آل الرسول صلوٰۃ ربی ۔۔۔ ولعنتہ لتلک الجاھلیۃ

میں خدا کی درگاہ میں ان لوگوں سے تبرا کرتا ہوں جو جناب سیدہ اور ان کی اولاد کی محبت کو رافضی ہونا سمجھتے ہیں۔ آل رسول پر میرے پروردگار کا درود نازل ہوتا رہے اور جو لوگ انکی محبت کو رفض خیال کرتے ہیں ان کی اس جاہلیت پر خدا کی لعنت ہوتی رہے (نصائح کافیہ ص۱۸۵) میں تم سے پھر کہتی ہوں کہ تم مسئلہ تبرا و لعنت کے لئے اپنی معتبر ترین کتابیں مثلاً صحیح بخاری جلد ۱ ص۹۵ و ص۲۱۰ و جلد ۳ ص۱۶۱ و صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۳ و مشکوۃ جلد ۱ ص۳۴ و ۲۶۳ و ۲۷۲ و ۴۲۰ و ترمذی جلد ۱ ص۱۵۵ و ۱۵۹ و تاریخ الخلفاء ص۱۴۲ و ۲۳۰ و نصائح کافیہ ص۱۱ و شرح فقہ اکبر ص۳۳ و فتاوے عزیزی ص۱۸ انکو کبھی کبھی دیکھ لیا کرو۔ اور قرآن مجید کی آیات لعنت پیش نظر رکھا کرو۔

آٹھواں باب

جمیعت خدا کے بیان میں

تحفۂ اثنا عشریہ کے پانچویں باب پر تبصرہ

ایک روز نماز مغرب پڑھ کر مولانا عبدالقوی صاحب اور مولوی رکن الدین صاحب بیرونی نشست گاہ میں تنہا بیٹھے تھے۔ کوئی تیسرا شخص نہیں تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے یہ ذکر چھڑ گیا کہ مولوی صاحب اپنی اہلیہ کا مذہب بدلنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ اسطرح باتیں ہوئیں۔

مولانا صاحب۔ ادھر تم نے کچھ کہا نہیں کہ مسئلہ تبرا کے متعلق بہو سے اور تم سے

کیا کیا باتیں ہوئیں۔ کہانتک وہ راہ راست پر آئیں۔ تبرا کی خرابی تو ذہن نشین ہو گئی ہو گی۔

مولوی صاحب۔ بہت زبردست بحث ہوتی رہی۔ تحفۂ اثنا عشریہ کا بارہواں باب بھی میں نے اچھی طرح پڑھا اور انہوں نے بھی کہا کہ اچھی طرح پڑھ چکی ہیں۔ مگر انہوں نے تو قرآن مجید اور احادیث شریف سے مستحکم دلائل کا اتنا بڑا انبار لگا دیا جو اگر لکھا جائے تو پوری ایک کتاب طیار ہو جائے۔ اور حق تو یہ ہے کہ خود میں نے مان لیا کہ ہم لوگ اس مسئلہ میں رافضیوں پر اعتراض کرنے میں بڑا ظلم کرتے ہیں۔ جو فعل خدا اور رسولؐ وانبیاء کرام وصحابہ کبار کا رہا ہو اور جس کی عقل بھی تائید کرے وہی فعل رافضی بھی کریں تو ہم اُن پر کیوں منہ آئیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خدا و رسولؐ لعنت کریں تو اچھا اور رافضی لعنت کریں تو گالی بکنے والے مشہور کئے جائیں۔ اس مسئلہ میں تو میں بھی اُنکا بالکل ہمخیال ہو گیا ہوں۔

مولانا صاحب۔ اچھا اب تم اُن سے باقاعدہ گفتگو شروع کرو۔ خدا کے متعلق مباحث زیادہ تر علم حکمت و کلام سے متعلق ہیں۔ تم انہیں بحثوں میں ان کو الجھاؤ۔ وہ گھبرا کر لاجواب ہو جائینگی۔ بس اُسی وقت تم کو موقع ملجائے گا۔ کہنا اب اپنے مذہب سے توبہ کرکے میرا مذہب اختیار کر لو۔ تحفۂ اثنا عشریہ کے پانچویں باب الٰہیات میں اسکے مفصل مضامین اور قابل قدر تحقیقات جمع کر دی ہیں۔ ان سے تم پہلے اپنے سامنے تحفۂ اثنا عشریہ بلکہ اسکے اردو ترجمہ ہدیہ مجیدیہ کا پانچواں باب پڑھواؤ۔ اُس کے بعد دریافت کرو کہ ان کا مذہب جب خدا کے متعلق ایسا ہے تو کیسے پسند کیا جا سکتا ہے۔ تقیہ اور تبرا کی وجہ سے اگر ان کا مذہب قابل نفرت نہیں ہے تو نہ ہو۔ خدا کے متعلق جب وہ ایسے گندے عقیدے بتاتا ہے تو کوئی شریف اور سمجھدار شخص ایک منٹ کے لئے بھی اس پر رہنا گوارا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالٰے چاہے تو اس میں تم کامیاب ہو جاؤ۔ کتابیں بھی تم اچھی طرح دیکھتے رہا کرو۔

مولوی صاحب۔ خیر میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ اور اب تحفہ کے پانچویں باب ہی کے مضامین چھیڑ دوں گا مگر ڈرتا ہوں کہ اس میں اور زیادہ ناکامیاب رہونگا۔ اور وہ قدم قدم پر مجھے شکست دے دینگی۔ فن مناظرہ میں خدا نے ان کو خاص قابلیت عطا کی ہے۔

مولانا صاحب۔ یہ تم کیا کہتے ہو۔ یہ مباحث تو منطق۔ فلسفہ اور علم کلام سے پوری مناسبت رکھتے ہیں۔ جن میں تم کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ پھر اس میں وہ کیا بنا سکیں گی۔ تم

اسی کو شروع کرو۔ تم کو ان سے ڈرتے ہوئے شرم دامنگیر نہیں ہوتی؟۔
مولوی رکن الدین صاحب خاموش ہوگئے۔ اور پھر دوسری دوسری باتیں ہونے لگیں۔ وہ کئی دن تک سوچتے رہے کہ خدا کے متعلق کیونکر باتیں شروع کریں۔ آخر ایک شب کو کھانے کے بعد اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ تم نے تقیہ اور تبرا کے متعلق تو میری زبان بند کردی۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا کہ تمھارا مذہب حق ہے۔ وہ دونوں مسئلے خارج کے ہیں۔ اصلی چیزیں توحید۔ نبوت۔ خلافت وغیرہ ہیں۔ ان میں تمھارا مذہب یقیناً باطل ہے۔ اور ہم لوگ ہی حق پر ہیں۔

ہدایت خاتون۔ معلوم نہیں تم یہ دعوے بھی کس اصول پر کرتے ہو۔ میرے مذہب کے تو اصول دین ہی میں توحید۔ نبوت۔ امامت داخل ہیں۔ بلکہ دوسری اصل عدلِ خدا ہے جس کو تم لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ اور خدا کے فضل سے میرے ہر عقیدہ کی تائید عقل کرتی ہے۔

مولوی صاحب۔ عدل تو علاوہ رہا۔ پہلے تو خدا کے متعلق تمھیں دیکھنا چاہیئے کہ کس طرف حق اور کس جانب باطل ہے۔ تم تحفۂ اثنا عشریہ یا اسکے اردو ترجمہ ہدیہ مجیدیہ کا پانچواں باب ضرور اور اچھی طرح پڑھ جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے تو اس باب میں کمال کردیا ہے۔

ہدایت خاتون۔ میں اُس کو خوب پڑھ چکی ہوں اور اُس کے جواب میں ہمارے علمائے اعلام طاب ثراہم نے جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان کا مطالعہ بھی کرچکی ہوں۔ اگر اس بحث کو تم چھیڑوگے تو تمھیں اپنا اسلام ثابت کرنا بھی دشوار ہوجائے گا۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ دنیا بھر میں خدا کے متعلق جیسے اچھے عقاید شیعوں کے ہیں کسی فرقہ کے نہیں ہیں۔ تم لوگ تو اس موضوع پر کچھ بول سکتے ہی نہیں۔ بس اپنی خیریت ہی مناتے رہو۔

مولوی صاحب۔ ماشاء اللہ غلط دعوے کرنے میں بھی تم بڑی مشاق ہو۔ تم تحفۂ اثنا عشریہ نکالو۔ اور اس کے مضامین پڑھو تو تمھیں اپنے مذہب کی حقیقت واضح ہوجائے۔ بلکہ ہدیۂ مجیدیہ نکالو۔ اسی ترجمہ کو پڑھو۔ مسئلہ تقیہ و تبرا میں جیت جانے سے شیخی نہ کرو۔

ہدایت خاتون۔ (ہدیہ مجیدیہ لاکر) دیکھو یہ ہدیہ مجیدیہ ہے اس میں تو انھوں نے شروع سے فرقۂ اسماعیلیہ۔ خطابیہ۔ خمسیہ۔ اثنینیہ۔ مفوضیہ۔ کاملیہ۔ زرامیہ۔ عجلیہ۔ قرامطہ۔ نزاریہ۔ منصوریہ۔ معمریہ۔ شیطانیہ۔ زیدیہ۔ حکمیہ۔ سالمیہ۔ میثمیہ۔ ربعیہ۔ بنانیہ۔ نصیریہ۔

اسحاقیہ۔ زراریہ۔ ہدائیہ وغیرہ کے عقائد ذکر کئے اور ان کا مضحکہ اڑایا ہے۔ حالانکہ ان فرقونکا وجود نہیں بتایا کہ یہ لوگ کہاں رہتے اور کس ملک میں بستے ہیں۔ بس جس طرح بے وجود کتابوں کا نام شاہ صاحب نے گڑھ دیا اسی طرح ہوسکتا ہے کہ فرقوں کے نام بھی گڑھ دیئے ہوں۔ تم ہی بتاؤ مذکورہ بالا فرقے کہاں ہیں۔ ان کی کتابیں کون ہیں اور کس جگہ ملتی ہیں تاکہ تحقیق کی جائے کہ شاہ صاحب نے ان کے متعلق جو لکھا ہے وہ سب صحیح یا اُن کی ذہنی ایجاد ہے۔

مولوی صاحب۔ واہ جب تک یہ فرقے ہوئے نہیں شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ان کا ذکر کیسے کر دیا۔ تم کو نہیں معلوم ہے تو نہ ہو۔ کیا تم نے دنیا بھر چھان ڈالی ہے جسکے بعد کہتی ہو کہ یہ فرقے نہیں ہیں۔ نہ ان کی کتابیں ہیں۔ ان باتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ رہنے دو۔

ہدایت خاتون۔ کسی چیز کا ثابت کرنا اس شخص کا فرض ہے جو اُس کا دعوے یا اُس کی تصدیق کرے۔ شاہ صاحب نے لکھا اور تم لوگ ان کے لکھے ہوئے پر ایمان لائے ہو۔ تو یہ تم لوگوں کا کام ہے کہ بتاؤ وہ فرقے کہاں ہیں۔ اور اعتراض بھی ان ہی پر کرو۔ یہ کیا کہ دعوے تو کرو کہ شیعہ اثنا عشریہ کی رد میں تحفہ اثنا عشریہ لکھی ہے۔ اور اس میں حملہ ان فرقوں پر بھرا ہوا ہے جو نہ اثنا عشری ہیں اور نہ ان سے ان کو تعلق ہے۔ پھر میں کیوں جواب دوں۔

مولوی صاحب۔ جب ان فرقوں سے شاہ صاحب ملے۔ ان سے باتیں کیں۔ ان کی کتابیں دیکھیں۔ ان کی ہدایت کرنے کی خواہش ہوئی تب ہی تو ان کے مہمل عقائد کا ذکر کیا اور ان کو گمراہی سے نکالنے کی فکر ان کو پیدا ہوئی۔ ان فرقوں کو تم نہیں جانتیں تو نہ جانو۔

ہدایت خاتون۔ شاہ صاحب نے تحفہ لکھنے کی وجہ تو یہ ظاہر کی کہ "غرض تحریر اس رسالے اور تسوید اس مقالے سے یہ کہ ہمارے زمانے اور شہروں میں بالفعل مذہب شیعہ یہانتک مروج ہو گیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہوں گے جن میں دو ایک آدمی شیعہ مذہب نہ ہو گئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں اس سبب سے حسبتہ للہ یہ رسالہ لکھا گیا" (ہدیہ مجیدیہ ص۳) اور موصوف کو لازم تھا کہ اپنی کتاب کو اسی غرض تک محدود رکھا ہوتا۔ مگر جب ایسا نہیں کیا تو میں صاف صاف کہتی ہوں کہ تم تحفہ اثنا عشریہ کے سو دو سو نسخے لیکر دنیا کا سفر کرو۔ اور ہر شہر و دیہات میں پہونچکر لوگوں سے پوچھو کہ خطابیہ۔ خمسیہ۔ اثنینیہ۔ مقنعیہ۔ کاملیہ۔ زرامیہ۔ عملیہ وغیرہ فرقوں کے کون لوگ ہیں تاکہ اس کتاب تحفہ اثنا عشریہ کو پڑھ کر جواب

دیں کہ ان کا مذہب کیسے حق ہے۔ مجھ سے کیوں بار بار کہتے ہو کہ تحفہ پڑھو۔ تحفہ دیکھو۔ میں کیا دیکھوں خاک یا پتھر۔ میں شیعہ اثنا عشری ہوں۔ میرے مذہب کے خلاف کوئی بات بتاؤ تو میں جواب دوں۔ خمسیہ وغیرہ کے عقائد اُن لوگوں ہی سے بیان کرو بشرطیکہ دنیا میں وہ کہیں ہوں بھی۔ شاہ صاحب کے ہاتھ میں قلم تھا نہ معلوم کس کس نام کے فرقوں کا دعوے کر بیٹھے۔ اور کہتے یہ ہیں کہ یہ کتاب شیعوں کے جواب میں ہے۔ کیا انھیں فرقوں کا ان کے زمانہ میں اتنا رواج ہو گیا تھا کہ بہت کم گھر تھے جن میں دو ایک آدمی نہ ہو گئے ہوں؟ کیا تم کسی تاریخ۔ کسی کتاب یا کسی عالم کے بیان سے بتا سکتے ہو کہ شاہ صاحب نے جس زمانہ میں تحفہ لکھی اس زمانہ میں شیعہ اثنا عشری کے سوائے کوئی مذہب ایسا تھا جو گھر گھر پھیل گیا تھا؟ جس طرح خواجہ نصر اللہ کابلی کی کتاب صواقع سے تحفہ کا لکھنا شاہ صاحب کے لئے باعث شرم ہے اسی طرح دعوے یہ کرنا کہ "یہ کتاب مذہب شیعہ کے رد میں ہے جو ہمارے زمانے اور شہروں میں بالفعل یہاں تک مروج ہو گیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہوں گے جن میں دو ایک آدمی شیعہ مذہب نہ ہو گئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں"۔ اور اس کتاب کو ایسے فرقوں کے عقائد سے بھر دینا جن کا پتا ملنا بھی مشکل اور جن کی کتابوں کا حاصل ہونا بھی تقریبًا محال ہے شاہ صاحب کے لئے نہایت درجہ باعث ننگ و عار ہے اور انکی عاجزی کی زبردست دلیل۔

مولوی صاحب۔ اچھا میں ان فرقوں کا پتا لگا لوں اور ان کی کتابیں بھی جمع کر لوں تب تم سے اس موضوع پر بحث کرونگا۔ ہاں ابھی تم نے کہا کہ "اگر اس بحث کو تم چھیڑو گے تو تمھیں اپنا اسلام ثابت کرنا بھی دشوار ہو جائے گا" یہ کیسے کہا۔ میرا اسلام ایسا کمزور ہے؟

ہدایت خاتون۔ اس لئے کہ تم لوگوں نے خدا کو مجسم مان لیا ہے۔ تمھاری کتابوں میں ایسی باتیں بھری ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کے بدن ہے۔ اس کی صورت ہے۔ اور پھر بدن و صورت کے لوازم بھی ہیں۔ اُسکو بالکل آدمیوں ایسا بنا رکھا ہے۔

مولوی صاحب۔ اگر تم میری کتابوں میں ایسی چیزیں ثابت کر دو تو میں ابھی اس مذہب کو ترک کر دیتا ہوں۔ جب خدا جسم والا ہوا تو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر تو وہ مخلوق ہوا کہ کسی اور نے اُس کا بدن بنایا ہوگا۔ اور پھر وہ محتاج بھی ثابت ہو جائیگا حالانکہ غنی ہے۔

ہدایت خاتون۔ تمھارے ہاں احادیث حضرت رسول خدا صلعم کا بہت بڑا ذخیرہ

کتاب کنز العمال بھی ہے۔ جو یہاں اعلےٰ حضرت کے حکم سے چھاپی گئی ہے۔ اس میں حسب ذیل حدیثیں دیکھو اذا قاتل احدکم فلیتق الوجه فان الله عز وجل خلق آدم علی صورة وجهه۔ جب کوئی شخص کسی سے لڑا کرے تو اس کے چہرے پر نہ مارا کرے کیونکہ خدا نے حضرت آدم اور آپ کی اولاد کل انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اذا قاتل احدکم فلیجتنب الوجه فان الله تعالےٰ خلق آدم علی صورته۔ جب کوئی شخص کسی سے لڑے تو اس کے چہرے سے بچے کیونکہ خدا نے آدم کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا ہے (تو ہر آدمی کی صورت بھی خدا ہی کی صورت ایسی ہے) اذا ضرب احدکم فلیجتنب الوجه ولا یقل قبح الله وجهك ووجه من اشبه وجهك فان الله عز وجل خلق آدم علےٰ صورته۔ جب کوئی شخص کسی کو مارا کرے تو اُس کا چہرہ بچا کر مارا کرے اور اُس کو یہ بد دعا یا گالی نہ دیا کرے کہ خدا تیرے چہرہ کا اور تیرے چہرہ ایسا جو ہو اُس کا ستیا ناس کرے۔ اس لئے کہ خدائے عز وجل نے آدمیوں کو خاص اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن حضرت عمر ایسے با معرفت صحابی سے روایت ہے لا تقبحوا الوجه فان الله خلق آدم علےٰ صورته۔ چہرہ کو برا نہ کہا کرو کیونکہ خدا نے آدمیوں کو اپنے ہی چہرہ پر پیدا کیا ہے (کنز العمال جلد ا صـ۵ـ) اسی طرح متعدد حدیثیں اس کتاب نیز بخاری دوسری کتابوں میں بھری ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا جسم اور صورت ہے اور اس نے ہر آدمی کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا ہے۔ چنگیز خاں و ہلاکو خاں کی صورت بھی خدا ہی کی صورت ایسی تھی۔ اور ہندوستان کا سیوا جی بھی خدا ہی ایسی صورت رکھتا تھا۔ بڑا سے بڑا ڈاکو بھی خدا ہی کی صورت پر ہے۔ اور سخت سے سخت تر ظالم بھی اسی کی صورت رکھتا ہے۔ غرض گورے کالے سب خدا ہی کی صورت پر ہیں۔ کیونکہ خدا کی صورت مخزن متضادات اور معدن متناقضات ہے۔ اگر خدا کے مخلص بندے صورت خدا کی تفصیل بلکہ فوٹو دیکھنا چاہیں تو وہ بھی تم لوگوں کی کتابوں کی حدیثیں بہت آسانی سے مہیا کر دینگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا رأیت ربی فی احسن صورة۔ میں نے اپنے پروردگار کو بہت حسین وجمیل صورت میں دیکھا ہے۔ دوسری روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا رأیت ربی فی صورة شاب له وفرة۔ میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے اُسکی

صورت جوان کی ہے اور اُس کے گھونگھر والے بال ہیں۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۵)

گھوڑوں کے پسینہ سے خدا کا پیدا ہونا

علامہ سیوطی نے لکھا ہے محمد بن شجاع ثلجی بیان کرتے تھے کہ مجھ سے حبان بن ہلال نے اُن سے حماد بن سلمہ نے اُن سے ابوالہزم نے اُن سے صحابی رسول حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ صحابہ نے حضرت رسولخدا صلعم سے دریافت کیا کہ یا حضرت ہمارا خدا کس چیز سے بنا ہے؟ حضرت نے فرمایا خدا ایسے پانی سے پیدا ہوا یا بنایا گیا ہے جس کا گزر زمین سے تھا نہ آسمان سے۔ اُس نے کچھ گھوڑے پیدا کئے اور اُن کو جاری کیا (دوڑایا) تو اُن گھوڑوں میں پسینہ پیدا ہوگیا۔ پس خدا نے اپنے نفس کو اُسی پسینہ سے پیدا کیا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ محمد بن شجاع اپنے وقت میں عراق کے مجتہد۔ امام ابوحنیفہ صاحب کے پیرو اور صاحب تصانیف اور بشر المریسی کے اصحاب سے تھے۔ اور امام شافعی اور احمد بن حنبل پر اعتراض کرتے تھے (لئالی مصنوعہ صفحہ ۲و۳)۔ اتنے بڑے مجتہد کی یہ روایت ہے۔

خدا کے ہاتھ

اگر روایت مذکورہ کو دیکھ کر شبہہ ہو کہ خدا پسینہ سے پیدا ہوا تو اُس کے اعضاء ہونے چاہئیں تو میں کہتی ہوں کہ ہاں اعضاء کی بھی تفصیل موجود ہے۔ مثلاً ہاتھ کے متعلق ہے ان اللہ بنیٰ الفردوس بیدہ وحظرھا عن کل مشرک وعن کل مؤمن من الخمر سکیر۔ خدا نے بہشت کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اور اس کو ہر مشرک اور ہر شراب پینے والے نشہ باز پر حرام کر دیا ہے (منتخب کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۴۱۹) اور دوسرے مقام پر ہے۔ اتانی اللیلۃ ربی فی احسن صورۃ فقال یا محمد ھل تدری فیم یختصم الملأ الاعلی۔ قلت لا۔ فوضع یدہ بین کتفی حتی وجدت بردھا بین ثدیی فعلمت ما فی السموات وما فی الارض۔ حضرت رسول خدا صلعم ارشاد فرماتے تھے کہ گزشتہ شب میرا پروردگار میرے پاس نہایت ہی حسن و جمال کی صورت میں تشریف لایا اور کہا اے محمد تم جانتے ہو ملأ اعلیٰ کس امر پر جھگڑا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی میں تو نہیں جانتا۔ یہ سنکر خدا نے اپنا دست مبارک میرے شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے خدا کے ہاتھ کی سردی اور ٹھنڈک کو اپنی چھاتی کے درمیان محسوس کیا۔ پھر جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اُن سب کو میں نے جان لیا۔ (منتخب کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۶۱)

خدا کے پاؤں اسی طرح خدا کے پاؤں کے متعلق حدیثیں دیکھو۔ لاتزال جھنم یلقی فیھا و تقول ھل من مزید حتی یضع الجبار فیھا قدمہ فینزوی وتقول قط قط۔ بندگان خدا برابر دوزخ میں ڈالے ہی جائیں گے اور اس سے آواز نکلتی رہے گی کہ اور کچھ ہے؟ اور کچھ ہے؟ یہاں تک کہ خدائے جبار اس میں اپنا پاؤں ڈال دے گا۔ اس وقت دوزخ علحدہ ہو جائے گی اور کہے گی بس بس میں بھر گئی۔ (منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۵!!) یقبل الجبار عز وجل فیثنی رجلہ علی الجسر فیقول وعزتی وجلالی لا یتجاوزنی الیوم ظلم فینصف الخلق من بعضھم بعضا حتی انہ ینصف الشاۃ الجماء من العضباء بنطحۃ نطحتھا۔ قیامت کے روز خدا اپنی ٹانگ کو جہنم کے پل پر موڑ کر رکھ دیگا۔ اور فرمائے گا۔ مجھے قسم ہے اپنی عزت کی۔ مجھے قسم ہے اپنے جلال کی۔ آج کسی شخص کا ظلم مجھ سے بھاگنے نہیں پائیگا۔ پھر مخلوقات سے ہر مظلوم کے ظلم کا بدلہ ظالم سے لیگا۔ اور سب کے ساتھ انصاف کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ بھی سینگ ٹوٹی ہوئی بکری سے لیگا۔ جس نے اس کو اپنی سینگ سے مار کر اذیت پہنچائی ہوگی۔ (کتاب مذکور جلد ۷ صفحہ ۵۵) اور سنو حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بروز قیامت خدا مجھے اپنی معرفت کرائیگا۔ (یعنی اپنے کو مجھے پہچنوائے گا) تو میں اپنے پروردگار کو پہچاننے کے بعد اُسے ایسا سجدہ کرونگا جس پر وہ مجھ سے خوش ہو جائیگا۔ پھر میں اُس کی ایسی مدح کرونگا جس پر وہ مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ پھر مجھے کلام کرنے کی اجازت دیا ئیگی۔ پھر میری امت صراط کے پل پر سے گزر جائے گی اور وہ صراط کا پل جہنم کے بیچ میں رکھا جائے گا۔ تو میری امت کے لوگ اُس پل پر سے ایسے تیز گزر جائیں گے جیسے نگاہ دوڑ جاتی ہے۔ یا تیر چلا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی تیز تر جائیں گے اور دوزخ خدا سے سوال کرے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ تو وہ برابر اسی طرح دریافت کرتی رہیگی یہاں تک کہ خدا اپنا قدم (پاؤں) اُس دوزخ میں ڈال دیگا۔ اس پر جہنم کا بعض حصہ بعض حصہ سے کنارے ہو جائے گا اور دوزخ چیخنے لگے گی کہ بس بس اب میرا پیٹ بھر گیا (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۳)۔ اس حدیث شریف سے جہاں یہ امر معلوم ہوا کہ خدا بروز قیامت اپنا پاؤں جہنم میں ڈال دیگا وہاں

یہ فائدہ بھی مستفاد ہوا کہ خدا بروز قیامت اپنے کو آنحضرت صلعم سے پہچنوائے گا۔ اور آنحضرت صلعم اس کو پہچان کر سجدہ کریں گے۔ اب جناب رسالت مآب صلعم کی اس مشہور حدیث کا مطلب واضح ہو گیا جو خدا کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ماعرفناک حق معرفتک۔ اے خدا مجھے پہچاننے کا جو حق ہے وہ میں نہ پہچان سکا۔ اور وہ مطلب یہ ہے کہ خدا کو ایسا پہچاننا جس کے بعد آنحضرتؐ خدا کے سجدے میں جھک جائیں آنحضرت صلعم کو بروز قیامت ہی حاصل ہو گا۔ سبحان اللہ۔

خدا کا تاج | یہ بھی سنو کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے رأیت ربی فی خطیرۃ من الفردوس فی صورۃ شاب علیہ تاج یلتمع البصر۔ میں نے اپنے پروردگار کو فردوس کے ایک حظیرہ میں دیکھا ہے جو ایک جوان کی صورت رکھتا ہے اور اس کے سر پر ایسا تاج ہے جس سے آنکھیں خیرہ کی کرتی تھیں (کنز العمال جلد ا صفحہ)

خدا کی جوتیاں | یہ بھی دیکھو۔ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ رأیت ربی فی المنام فی صورۃ شاب موفر فی الخضر علیہ نعلان من ذھب وعلی وجہہ فراش من ذھب۔ میں نے خواب میں اپنے پروردگار کو ایک جوان کی صورت میں دیکھا ہے جس کے سر کے بال کثرت سے ہیں اور وہ سبز لباس اور سونے کی جوتیاں پہنے ہوئے ہے اور اس کے چہرے پر سونے کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے (کنز العمال جلد ا صفحہ) اور معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کا خواب سچا ہوتا ہے غلط نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس سے استدلال صحیح ہے۔

خدا کی پنڈلی | قرآن مجید کی ایک آیت ہے یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون (پارہ ۲۹ سورہ قلم) اس کا ترجمہ میرے مذہب کے عالموں نے اس طرح کیا ہے "جس دن پنڈلی کھولی جائے گی یعنی جو سخت پریشانی اور گھبر[illegible] دن ہو گا اور لوگ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے"۔ (ترجمہ مولانا مقبول احمد صاحب مرحوم دہلوی) دوسرا ترجمہ سنو "جس دن پنڈلی کھول دیجائے اور کافر لوگ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے" (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم) جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے علماء ساق سے مراد خدا کی پنڈلی نہیں لیتے بلکہ مصیبت قرار دیتے ہیں چنانچہ اس پر یہ حاشیہ قابل غور ہے" تفسیر حقانی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ جس دن معاملہ بہت ہی سخت ہو جائے گا۔ آفتیں بہت ہونگی اور کشف ساق ایسی حالت بیان کرنے کی مثال ہے۔ اور اصل اسکی یہ ہے کہ حملہ کے وقت یا بھاگنے کے وقت پنڈلی پر سے کپڑا اُٹھا لیا جاتا ہے۔ نیز یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ جس دن معاملہ کی اصلیت و حقیقت اس طرح کھل جائے گی کہ آنکھیں دیکھ لینگی۔ اُس صورت میں یہ استعارہ ہے کیونکہ درخت کے تنے کو بھی ساق کہتے ہیں اور اس کی چھال چھیل ڈالنے پر لکڑی کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور اگر انسان کی پنڈلی مراد لی جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ گوشت پوست دور کرنے پر اُس کی حقیقت بھی پوشیدہ نہیں رہتی۔ لفظ ساق کو نکرہ لانا بھی یہ بتاتا ہے کہ وہ دن بڑا ہی ہولناک ہوگا۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقرؑ اور جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ان دونوں حضرات نے اس آیۃ کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے ہول سے لوگ متحیر ہو کر خاموش ہو جائیں گے۔ یہ ہیبت اُن پر طاری ہو جائے گی۔ چونکہ ندامت و ذلت اُن پر سوار ہوگی اور رسوائی کا سامنا ہوگا۔ اس سے اُن کی آنکھیں تو کھلی کی کھلی رہ جائینگی اور کلیجے منہ کو آجائیں گے۔" (ترجمہ مولانا مقبول احمد صاحب مرحوم ص۹۰۳) اور دوسرا قول سنو "پنڈلی کھول دینے کا مطلب کسی مصیبت و بلا کا آنا ہے اور چونکہ قیامت سے بالاتر کوئی مصیبت نہیں اس وجہ سے اُس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا" (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم ص۹۰۳)۔ اب اپنے مذہب کا ترجمہ اور تفسیر بھی سنو۔ کس قدر ہنسنے کی بات ہے۔ اس شہر کے مولانا وحید الزمان صاحب کیسے زبردست عالم ہیں بلکہ ہندوستان بھر کے اہل حدیث حضرات کے پیشوائے اعظم ہیں۔ ممدوح تحریر فرماتے ہیں "جس دن حق تعالے کی پنڈلی کھولی جائے گی اور سب لوگ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو یہ کافر اور منافق سجدہ نہ کرسکیں گے" اور ممدوح نے یہ حاشیہ بھی اس پر لکھا ہے "اُن کی پیٹھ کی پسلیاں جڑ کر ایک تختہ کی طرح ہو جائینگے سجدہ کے لئے جھک نہ سکیں گے۔ یہ مضمون صحیح حدیث میں وارد ہے۔ بخاری اور مسلم نے ابوسعید سے نکالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دن مالک ہمارا اپنی پنڈلی کھولے گا تو ہر مومن مرد اور مومن عورت اس کو سجدہ کریں گے اور وہ لوگ رہ جائیں گے جو دکھانے اور سنانے کے لئے دنیا میں سجدہ کرتے تھے۔ ان کے دل میں ایمان نہ تھا۔

ان کی پیٹھ ایک تختہ ہو جائیگی۔ دوسری حدیث میں ہے اسی آیت کی تفسیر میں کہ ایک بڑا نور ظاہر ہوگا اور لوگ سجدے میں گر پڑیں گے۔ متکلمین نے اپنی عادت کے موافق ساق یعنی پنڈلی کی تاویل کی ہے۔ اور یکشف عن ساق کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ جس دن سخت دن ہوگا۔ اہلحدیث تاویل نہیں کرتے اور سمع اور بصر اور عین اور وجہ اور قدم اور ہاتھ کی طرح پروردگار کے لئے ساق یعنی پنڈلی بھی ثابت کرتے ہیں اور اسکو ظاہری معنے پر محمول رکھتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ اس کی ساق ایسی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوقات کی ساق سے اس کو مشابہت نہیں دیتے۔ اور افسوس ہے صاحب مدارک اور بیضاوی اور کشاف اور رازی پر جنھوں نے ساق کی تاویل کی اور اہل حدیث کو مشبہہ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ یہ لوگ خود خطا پر ہیں جو اہلحدیث کو مجسمہ اور مشبہہ قرار دیتے ہیں۔" (کلام اللہ مترجم مولانا موصوف مطبوعہ لاہور صفحہ ۴۲ ج ۲)

مولوی صاحب۔ جب مولانا موصوف نے صاف کر دیا کہ" خدا کی ساق ایسی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوقات کی ساق سے اس کو مشابہت نہیں دیتے" تو اب تمھارا یا کسی کا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ مولانا صاحب نے بالکل درست لکھا ہے۔

ہدایت خاتون۔ انھوں نے یہ تو مانا کہ خدا کے کان، آنکھ، صورت، قدم، کمر اور پنڈلی ہے۔ بس اس سے خدا کی جسمیت ثابت ہو گئی اور یہی میں دکھا دیتی ہوں اب رہا یہ کہ وہ آدمیوں ایسی نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ گھوڑوں کی پنڈلی۔ بیلوں کی پنڈلی۔ بکریوں کی پنڈلی۔ اونٹوں کی پنڈلی بھی آدمیوں کی پنڈلی ایسی نہیں ہوتی۔ مگر ہوتی ہے۔ بلکہ بوڑھوں کی پنڈلی جوانوں ایسی۔ اور جوانوں کی پنڈلی بچوں ایسی۔ مردوں کی پنڈلی عورتوں ایسی۔ صحیح لوگوں کی پنڈلی بیماروں ایسی نہیں ہوتی بلکہ ہر قسم کے آدمی کی اس کی شان ایسی ہوتی ہے۔ پھر خدا کے لئے یہ کون خوبی ہوگی کہ اسکی پنڈلی آدمیوں ایسی پنڈلی نہیں ہوتی ہے۔ پنڈلی تم لوگوں نے مان تو لی اور اسکو جسم والا تسلیم کر لیا

مولوی صاحب۔ ہاں بات تو انصاف کی ہے۔ جب آدمیوں ایسی پنڈلی نہیں تو کیا ہوا۔ پنڈلی کا اعتقاد تو کر لیا جو بہر صورت جسم ہی ہو سکتی ہے۔

ہدایت خاتون۔ مولانا موصوف ہی اپنی دوسری کتاب میں بھی لکھتے ہیں کہ یکشف

عن ساقہ۔ اس کی پنڈلی کھولی جائے گی۔ یہ عرب کا محاورہ ہے۔ کشف ساق اس محل پر بولتے ہیں جہاں کوئی سخت مہم پیش آتی ہے جس کا بندوبست کرنے کے لئے آدمی کو بہت کوشش اور سعی کرنا ہوتی ہے۔ عرب لوگ کہتے ہیں شمر عن ساعدہ اور کشف عن ساقہ یعنی بانہ پر سے کپڑا اٹھایا اور پنڈلی کو کھولا یعنی ایک کام کا اہتمام کیا۔ نہ وہاں بانہ سے غرض ہوتی ہے نہ پنڈلی سے جیسے ایک شخص کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں اور وہ بخیل ہو تو اُس کو کہیں یدہ مغلولۃ یعنی اُس کا ہاتھ بندھا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بخیل ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۹۶)۔ اس سے یہ بات تو یقینی ہو گئی کہ شیعہ خدا کے کشف ساق کا جو مطلب لیتے ہیں وہ لغت کے مطابق ہے۔ کوئی تاویل یا نامناسب ترجمہ نہیں ہے بلکہ عربی زبان اور اس کی لغت اسکی تصدیق کرتی ہے۔ اور تمھاری ایسی معتبر کتاب بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔ لیکن تمھارے یہاں اس آیۃ میں اس معنے کو چھوڑ کر واقعی خدا کی پنڈلی ہی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ موصوف ہی لکھتے ہیں "فیکشف عن ساقہ پروردگار اپنی پنڈلی کھول دیگا۔ اپنے بندوں کو قدم بوسی کا شرف عنایت فرمائے گا۔ اُس کو دیکھ کر تمام مومنین سجدے میں گر پڑیں گے۔ یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے اور اہلحدیث ایسی حدیثوں کے ظاہری معنے پر ایمان رکھ کر اُس کی حقیقت اور کیفیت کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتے ہیں یعنی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا منہ ہے۔ ہاتھ ہیں۔ آنکھیں ہیں۔ پنڈلی ہے۔ مگر یہ چیزیں مخلوقات کے منہ اور ہاتھ اور آنکھ اور پنڈلی سے مشابہت نہیں رکھتے۔ جیسے اُس کی ذات مقدس مخلوق کی ذات سے مشابہت نہیں رکھتی۔ اور جہمیہ اور اہل کلام ان حدیثوں کی تاویل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہاتھ سے قدرت۔ اور آنکھ سے بصر۔ اور وجہ سے ذات اور پنڈلی سے نور مراد ہے۔ بعضوں نے کہا ساق سے فرشتوں کی جماعت مراد ہے۔ مترجم کہتا ہے ہم کیوں تاویل اور تحریف کریں۔ اللہ تعالےٰ جیسے اپنی ذات مقدس اور اپنے صفات کو جانتا ہے اسی طرح جیسے پیغمبر صاحب اللہ کی ذات و صفات کو جانتے ہیں۔ دوسرے کوئی نہیں جان سکتے پھر جن صفات یا الفاظ کا اطلاق اللہ تعالےٰ نے اپنے اوپر کیا ہے یا اُس کے رسول نے ہم بھی بلا تکلف و بلا کیف اُن کا اطلاق اُس پر کرتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اُسکی ذات

اُس کی کسی صفت کو مخلوقات سے مشابہت نہیں دیتے۔ یعنی یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی طرح ہے۔ یا اُس کی آنکھ ہماری آنکھ کی سی ہے۔ اور یہی طریق اسلم ہے اور سلف صالحین سب اسی اعتقاد پر گزرے ہیں۔ ہم بھی انہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں نہ پچھلے اہل کلام اور جہمیہ کے ساتھ" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۶۷) اس کلام سے خدا کا جسم بالکل صاف ثابت ہوگیا کیونکہ ہم لوگ جن کی قدمبوسی کرتے ہیں اُن کے بدن ضرور ہوتا ہے۔ اور مولانا ممدوح نے اقرار کیا کہ خدا اپنے بندوں کو قدمبوسی کا شرف عنایت فرمائیگا۔ پس جب اس کے قدم، چومنے۔ چھونے۔ اور پکڑنے کے قابل ہیں تب ہی تو ہم لوگ قدمبوسی کر سکیں گے۔ اور میں موصوف کا کلام پڑھ چکی ہوں کہ لکھا ہے خدا کے حقو بھی ہے۔ اس کی توضیح ممدوح اس طرح کرتے ہیں "حقو وہ مقام ہے جہاں ازار بند باندھتے ہیں ... قامت الرحم فاخذت بحقو الرحمان رحم یعنی رشتہ ناتا کھڑا ہوا اور پروردگار کا حقو تھام لیا ... مؤلف کہتا ہے یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے اور سلف نے اس قسم کی حدیثوں میں تاویل نہیں کی بلکہ ان کو اپنے ظاہر پر رکھا اور یہ کہا ہے کہ پروردگار کی آنکھ اور ہاتھ اور چہرہ اور قدم اور ساق اور حقو سب کچھ ہیں مگر جیسے اُس کی ذات مقدس کے لائق ہیں اور یہی طریقہ اسلم ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۶ صفحہ ۱۰۹)۔

خدا کی انگلیاں بھی ثابت کی گئی ہیں۔ مولانا موصوف یہ حدیث بھی لکھتے ہیں " بین اصبعین من اصابع الرحمان پروردگار کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ان حدیثوں سے پروردگار کی انگلیاں ہونا ثابت ہے۔ پر جہمیہ اور معتزلہ نے اُن کا انکار کیا ہے اور مجسمہ اور مشبہہ نے پروردگار کی انگلیوں کو مخلوق کی انگلیوں کی طرح سمجھا ہے۔ دونوں گمراہ ہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۱ صفحہ ۳۴)

خدا کا نزول جب خدا کے ہاتھ پاؤں۔ انگلیاں اور جوتیاں سب ثابت کی جا چکیں تو وہ بیکار کیسے رہ سکتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا چلنا۔ پھرنا۔ ٹہلنا۔ اترنا وغیرہ بھی مان لیا گیا اور بڑے دھوم دھام سے اسکی حدیثیں جمع کی گئیں۔ اس تماشہ کو بھی دیکھ لو۔ اذا کان یوم عرفۃ ینزل الرب عز وجل الی السماء الدنیا۔ جب روز عرفہ ہوتا ہے تو خدائے عز وجل آسمان دنیا کی طرف اتر آتا ہے۔ (منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۵۸)

اما الوقوف عشیۃ عرفۃ فان اللہ یھبط الی السماء الدنیا۔ عرفہ کی شام کو ٹھہرنے کے متعلق یہ ہے کہ اُس روز خدا آسمان دنیا کی طرف نزول کرتا اور اترتا ہے (کتاب مذکور جلد ا صفحہ ۳۵۹) ان اللہ تعالیٰ یطلع فی العیدین الی الارض۔ خدا عید فطر اور عید اضحیٰ کے روز زمین کی طرف جھانکتا ہے (کتاب مذکور جلد ۳ صفحہ ۳۵۳)

نزول خدا کی کیفیت یہاں اگر یہ تردد پیدا ہو کہ خدا آسمان سے زمین پر کس طرح اتر آتا ہے۔ جس طرح بارش ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی ٹپک پڑتا ہے۔ یا جس طرح طیور اترتے ہیں اس طرح اُڑتا ہوا نیچے آتا ہے۔ یا جس طرح آدمی کوٹھے سے نیچے اترتا ہے اسی طرح خدا بھی اترتا ہے تو اس کی تصریح ابھی حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتی لیکن تمھارے علمار حدیث بلکہ ائمہ حدیث نے تحقیق کر کے بتا دیا ہے کہ خدا کس طرح اترتا ہے چنانچہ تمھارے بہت بڑے علامہ بلکہ امام ابن تیمیہ جن کا قول تم لعنت کے متعلق پہلے ذکر کر چکے ہو اور جن کی ہر بات پر آج تک کل حضرات اہلسنت ایمان لاتے اور ان کے ہر قول و فعل کو بے چون و چرا تسلیم کرتے ہیں (چنانچہ تمھارے دوسرے بڑے علامہ نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب بھوپالی لکھتے ہیں ومن اراد تحقیق ذلک فعلیہ بکتب شیخنا الشوکانی وکتب ائمۃ السنۃ ابن تیمیۃ وابن القیم وابن الوزیر والسید الامیر ومن حذا حذوھم یعنی جس کو ان امور کی تحقیق کرنی ہو اُسے لازم ہے کہ اہلسنت کے شیخ شوکانی کی کتاب دیکھے اور فرقہ اہلسنت کے اماموں مثل ابن تیمیہ۔ ابن القیم۔ ابن الوزیر۔ سید امیر اور جو انکے قدم پر چلا ہے ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے فقط ابجد العلوم صفحہ ۸۰) انہیں علامہ ابن تیمیہ نے خدا کے اترنے کو کس طرح بتایا ہے۔ ذیل کی عبارت سے معلوم ہو گا۔ علامہ ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں وکان بدمشق من کبار الفقہاء الحنابلۃ تقی الدین ابن تیمیہ کبیر الشام یتکلم فی الفنون۔ شہر دمشق میں فقہاء حنابلہ کے بڑے مجتہدین سے ایک علامہ تقی الدین ابن تیمیہ بھی تھے جو ملک شام کے بڑے پیشوا تھے اور وہ مختلف علوم و فنون میں کلام کرتے تھے۔ وکان اھل دمشق یعظمونہ اشد التعظیم ویعظھم علی المنبر۔ دمشق کے کل اہل اسلام علامہ ابن تیمیہ کی شدید تعظیم کیا کرتے تھے اور وہ ان لوگوں کو منبر پر وعظ کیا کرتے تھے۔ وکنت اذ ذالک بدمشق

بحضرته یوم الجمعة وهو یعظ الناس علے منبر الجامع ویذکرهم فکان من جملة کلامه ان قال ان الله ینزل الی السماء الدنیا کنزولی هذا و نزل درجة من درج المنبر فعارضه فقیه مالکی یعرف بابن الزهراء وانکر ما تکلم به فقامت العامة الی هذا الفقیه وضربوه بالایدی والنعال ضربا کثیرا حتے سقطت عمامته یعنی ابن بطوطہ کہتے ہیں کہ میں اُس زمانہ میں دمشق ہی میں تھا تو ایک روز جمعہ کے دن میں اُن کے پاس گیا جب وہ جامع مسجد میں منبر پر لوگوں کو وعظ کر رہے تھے اور ان کی نصیحت وافہام وتفہیم میں مشغول تھے تو اُس وقت جو کلام انھوں نے کیا اس سے ایک بات یہ بھی تھی کہ کہا یقیناً خدا آسمان دنیا کی طرف اسی طرح اترتا ہے جس طرح میں منبر سے نیچے اترتا ہوں۔ اس کے بعد آپ منبر کے ایک زینہ سے اتر کر دوسرے زینہ پر آگئے تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ خدا اس طرح اترتا ہے۔ اس پر ایک مالکی عالم ابن الزہرا نے اعتراض کیا تو کل حاضرین مسجد اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس مالکی عالم کو اپنے ہاتھوں اور جوتیوں سے مارنا شروع کیا۔ اس قدر مارا۔ اتنا پیٹا کہ اس کا عمامہ سر سے گر گیا۔ (رحلۃ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ) اب تو تم لوگ کوئی تاویل نہیں کر سکتے اور نہ کسی کو کوئی تردد اس امر کے سمجھنے میں رہیگا کہ خدا آسمان سے کس طرح اترتا ہے۔ اور علامہ ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں ومن الواقفین مع الحس اقوام قالوا هو علے العرش بذاته علے وجه المماسة فاذا نزل انتقل وتحرك وجعلوا لذاته نهایة وهولاء قد اوجبوا علیه المساحة والمقدار۔ واستدلوا علے انه علی العرش بذاته بقول رسول الله ینزل الله ربنا الی السماء الدنیا قالوا ولا ینزل الا من هو فوق وهولاء حملوا نزوله علی الامر الحسی الذی یوصف به الاجسام هولاء المشبهة الذین حملوا الصفات علے مقتضے الحس یعنی منجملہ اُن لوگوں کے جو حواس پر ٹھیر گئے کچھ لوگ ہیں جن کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالے عرش پر بذات خود اس سے ملا ہوا بیٹھا ہے۔ پھر جب وہاں سے اترتا ہے تو عرش کو چھوڑ کے اترآتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں نے اس کی ذات کو ایک محدود و متناہی شئے قرار دیا

اور یہ لازم کیا کہ وہ ناپا جا سکتا ہے (کہ کتنے فٹ کتنے اینچ کا ہاتھ پاؤں قد وغیرہ ہے) اور اس کی مقدار محدود ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اللہ آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اترنا اسی کے حق میں کہتے ہیں جو اوپر چڑھا ہوا اور انھوں نے اترنے کو محسوس چیز پر رکھا جس سے اجسام کا وصف بیان کیا جاتا ہے اور یہ قوم مشبہہ وہ ہیں جو اللہ کی صفات کو محسوس کے موافق قرار دیتے ہیں (کتاب تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی صا۱۲۱) اور تمھارے ہی ایک اور بہت بڑے علامہ بلکہ امام بیہقی صاحب تحریر فرماتے ہیں وقد ذل بعض شیوخ اھل الحدیث ممن یرجع الی معرفتہ بالحدیث والرجال فحاد عن ھذہ الطریقۃ حین روی حدیث النزول ثم اقبل علی نفسہ فقال ان قال قائل کیف ینزل ربنا الی السماء قیل لہ ینزل کیف یشاء فان قال ھل یتحرک اذا نزل فقال ان شاء تحرک وان شاء لم یتحرک۔ یعنی بڑے بڑے شیوخ اور ائمہ فن حدیث کو یہاں لغزش ہوتی ہے جن کی تحقیقات پر دین و ایمان کا مدار ہے۔ اور معرفت حدیث و رجال میں وہ لوگ مرجع خلائق ہیں (کہ جو باتیں صاف صاف ظاہر کرنیکی نہیں تھیں انھوں نے وہ کہہ دیں) اس لئے کہ جب خدا کے آسمان دنیا پر اترنے کی حدیثوں کو ان لوگوں نے روایت کیا تو خود اپنے نفس سے یوں سوال وجواب کیا کہ اگر کوئی پوچھے خدا آسمان سے کیونکر اترتا ہے تو جواب دینگے جس طرح چاہے اترے۔ اور اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نازل ہوتے وقت خدا کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ یہ اس کے اختیار میں ہے، چاہے تو حرکت کرے اور چاہے نہ حرکت کرے۔

مولوی صاحب۔ تم عربی عبارتوں کا ترجمہ کیوں کرتی جاتی ہو۔ میں تو سب سمجھ لیتا ہوں پھر وقت ضائع کرنے سے فائدہ؟۔

ہدایت خاتون۔ ہاں تم کو ضرورت نہیں ہے گر مجھے تو ہے کہ اطمینان ہو جائے جو مطلب میں سمجھی ہوں وہ درست ہے۔ اگر غلط ہو تو تم سمجھا دو۔

مولوی صاحب۔ خیر اس غرض سے ترجمہ کر لیا کرو۔ اگرچہ میں تو دیکھتا ہوں کہ تم خدا کے فضل سے بڑی بڑی کتابوں کا مطلب بھی خوب سمجھ جاتی ہو۔ میں حیران

ہوں کہ تم عورت ذات ہو کر تو ایسا ذہن و حافظہ رکھتی ہو۔ اگر کہیں مرد ہوتیں تو کیا قیامت ڈھاتیں۔

ہدایت خاتون ۔ اب بناؤ نہیں۔ میں کیا اور میرا ذہن ہی کیا۔ البتہ سچے دل سے روزانہ کہتی ہوں اھدنا الصراط المستقیم۔ اے خدا مجھے سیدھا راستہ دکھاتا رہ۔ شاید اُسی وجہ سے خدا ہر کتاب کا مطلب سمجھنے میں بھی میری پوری ہدایت کرتا رہتا اور صحیح مقصود تک جلد پہونچا دیتا ہے۔

خدا کی آواز تمہارے خدا کی آواز بھی ثابت کی گئی ہے۔ قال موسی یا رب اقریب انت فاناجیک ام بعید فاناديك فانی احس حس صوتک ولا اراك فاین انت فقال الله انا خلفک وامامک وعن یمینک وعن شمالک یا موسی۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے عرض کی کہ اے پروردگار تو مجھ سے قریب ہے یا دور ہے؟ اگر قریب ہے تو میں تجھ سے مناجاۃ کروں۔ اور اگر بعید ہے تو میں چلا کر تجھ سے کہوں کیونکہ میں صرف تیری آواز محسوس کر رہا ہوں اور تجھے دیکھ نہیں پاتا ہوں اسکے جواب میں خدا نے فرمایا میں تمہارے پیچھے بھی ہوں اور تمہارے آگے بھی تمہاری داہنی جانب بھی اور بائیں جانب بھی۔ (منتخب کنز العمال جلد ا ص۲۱۳)

خدا کا گھر جب خدا کے اعضاء ثابت ہو چکے تو اس کے لئے مکان کا ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ اس کی حدیثیں بھی کثرت سے ہیں۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بہشت کے کسی حظیرے میں خدا کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا مگر دنیا پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا اس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ ابو رزین سے مروی ہے کہ کان فی عماء تحته هواء ثم خلق عرشه علی الماء قال قلت یا رسول الله این کان ربنا قبل ان یخلق السماءات والارض قال فذکره۔ یعنی ابو رزین بیان کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ اے رسولخدا ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا؟ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ ایک ابر میں رہتا تھا جس کے نیچے ہوا تھی۔ پھر خدا نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا کیا (کنز العمال جلد ا ص۲۲ و مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص۱۵۵)۔ اس روایت میں جو نکتے ہیں ان کو

میں خود نہیں بیان کروں گی بلکہ زمانۂ حال کے نہایت مشہور علامہ اور تمھارے انہیں مولانا رحمن کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کی تم اتنی تعریف کرتے ہو (یعنی) شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی کتاب سے نقل کر دینا مناسب سمجھتی ہوں۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:-

عن ابی رزین العقیلی انہ قال قلت یارسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق قال کان فی عماء ماتحتہ ھواء۔ باید دانست کہ صدور ایں کلمہ جامعہ مشکوٰۃ نبوۃ بصحت پیوستہ است اما معنے آں بحسب ظاہر از اشکالے خالی نیست زیراکہ کلمہ اَیْنَ کہ درکلام سائل واقع شدہ درلغت عرب موضوع است برائے سوال ازمکان وایضا عماء کہ درجواب آں اندراج یافتہ در لغت عبارت از سحابیست رقیق وآں ازمقول جسم است وحال وجسم را جسم می باید بود۔ وایضا بقیدسوال بہ قبل ان یخلق الخلق مشعراست بانکہ حق سبحانہ بعد خلق الخلق درخلق است وآں موہم حلول است وہو سبحانہ متعال عن ذلک علوا کبیرا (یعنی ابورزین عقیلی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا اے رسول خدا ہمارا پروردگار اپنی مخلوق پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ ایک ابر میں رہتا تھا جس کے نیچے ہوا تھی۔ جاننا چاہیئے کہ مشکوٰۃ نبوت سے اس کلمہ جامعہ کا صادر ہونا صحت تک پہونچا ہے (یعنی یہ حدیث صحیح ہے جس میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا) لیکن اس کا معنے اور مطلب ظاہری طورپر اعتراض سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ حدیث کے سوال میں سائل کا جو لفظ اَیْنَ واقع ہوا ہے وہ عربی زبان میں مکان اور جگہ دریافت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (یعنی جب یہ پوچھنا ہوتا ہے کہ فلاں چیز یا فلاں شخص کہاں ہے تب یہ لفظ استعمال کرتے ہیں) اور آنحضرت صلعم نے جو جواب دیا ہے اُسں میں لفظ عماء استعمال کیا ہے جو ہلکے ابر کے لئے وضع کیا گیا ہے اور یہ مقولہ جسم سے ہے۔ اور جو چیز کسی جسم میں حلول کئے ہوئے ہو اُس کے لئے بھی جسم کا ہونا ضروری ہے۔ نیز سائل نے اپنے سوال کو قبل ان یخلق الخلق (اپنی مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے) کے ساتھ جو مقید کیا ہے یہ اس امر کی طرف اشعار کرتا ہے کہ خدا اپنی مخلوق پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوق میں

رہتا ہے اور اس امر سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا مخلوق میں حلول کئے ہوئے ہے۔ (فتاوے عزیزی جلد ۲ صفحہ ۹) اور مولانا وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے "اَیْنَ اللّٰہُ۔ اللہ تعالےٰ کہاں ہے۔ یہ آنحضرتؐ نے ایک لونڈی سے پوچھا۔ اب جس نے ایسا پوچھنے سے منع کیا ہے وہ جاہل ہے۔ کیا وہ پروردگار کے صفات کو پیغمبر صاحب سے زیادہ جانتا ہے۔ اپنی منطق اور حکمت خاک میں جھونک۔ اور طیبی نے جو کہا کہ آنحضرتؐ کا مقصود اس سوال سے یہ نہ تھا کہ اللہ کا مکان کہاں ہے بلکہ آلہہ ارضیہ کی نفی منظور تھی۔ یعنی ان بتوں کی جن کی عرب لوگ پرستش کرتے تھے۔ یہ خواہ مخواہ کا مکابرہ ہے۔ این لغت میں سوال مکانی کے لئے موضوع ہے اور مکان کا لفظ شرع میں اللہ تعالےٰ کے لئے وارد ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے وارتفاع مکانی۔ اور عباس بن مرداس نے آنحضرتؐ کے سامنے یہ شعر پڑھا اور آپ نے سکوت فرمایا سُبحانہٗ تعالےٰ علو الحوی العرش الھنا + وکان مکان الحق اعلےٰ واعظما" (انوار اللغۃ پارہ ۱۵ صفحہ ۷)

خدا کے اور گھر بھی ہیں سنو۔ اوحی اللہ تعالےٰ الی موسیٰ یا موسےٰ ایحب ان اسکن معک بیتک فخر للہ ساجدا ثم قال یارب وکیف تسکن معی فی بیتی۔ یعنی خدا نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کی طرف یہ وحی نازل کی کہ اے موسیٰ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ میں بھی تمھارے ساتھ تمھارے گھر میں رہا کروں؟ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰ سجدے میں گر پڑے۔ پھر کہا اے میرے پروردگار تو میرے ساتھ گھر میں کیونکر رہ سکتا ہے؟ (منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۳۲۱)
اس سوال و جواب سے یہ نتیجہ نکلا کہ جس وقت یہ باتیں ہوئیں اُس وقت خدا حضرت موسےٰ کے گھر میں نہیں تھا بلکہ کسی اور مقام پر تھا۔ وہاں سے حضرت موسیٰ کو آواز دی کہ تم کو یہ پسند ہے کہ میں بھی تمھارے ساتھ ہی تمھارے مکان میں رہا کروں۔ مگر افسوس حضرت موسیٰ نے نہ معلوم کیوں خدا کے اس کلام پر اعتراض کیا اور آخر اوسکو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دی، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ خدا نے کس جگہ بیٹھ کر حضرت موسیٰ سے یہ کلام کیا۔ کہو کچھ بولتے ہو؟۔ ایسے ہی خوبصورت

عقیدوں کی وجہ سے مجھ سے بار بار کہتے ہو کہ مذہب شیعہ ترک کر کے سنی ہو جاؤں؟۔

مولوی صاحب ۔ کیا کہوں تم نے تو عقل کو حیران کر رکھا ہے۔ کس بات کا جواب دوں اور کیا دوں ۔ اور اپنی ان کتابوں کو کہاں چھپا دوں جو سنی مذہب کی یہ حقیقت ظاہر کرتی ہیں

ہدایت خاتون ۔ اور سنو۔ ثم ینزل فی الساعۃ الثانیۃ الی جنۃ عدن وھی دارہ التی لم ترھا عین ولم تخطر علی قلب بشر وھی مسکنہ ولا یسکن معہ من بنی ادم غیر ثلاثۃ النبیین والصدیقین والشھداء ثم یقول طوبی لمن دخلک ۔ یعنی پھر دوسری ساعت میں خدا جنت عدن کی طرف اترتا ہے اور یہ جنت عدن خدا کا وہ گھر ہے جس کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی شخص کے دل میں اس کا خیال تک گزرا ہے ۔ اور یہی جنت عدن خدا کا مسکن (رہنے کا مقام) ہے اور وہاں خدا کے ساتھ بنی آدم سے تین طبقوں کے سوائے کوئی نہیں رہیگا۔ وہ تین طبقے جو خدا کے ساتھ جنت عدن میں رہیں گے یہ ہیں۔ انبیاء صدیقین اور شہداء۔ پھر خدا جنت عدن سے خطاب کر کے فرمائیگا کیا ہی اچھا حال ہے اس شخص کا جو تجھ میں داخل ہو (منتخب کنز العمال جلد ا صفحہ ۲۵۱)

جنت عدن | مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا جنت میں بھی رہتا ہے۔ اب جنت عدن کی تعریف بھی جان لینا چاہیئے ۔ قال رسول اللہ جنۃ عدن قضیب غرسہ اللہ بیدہ ثم قال کن فکان ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جنت عدن لکڑی کی ایک شاخ ہے جسے خدا نے اپنے دست مبارک سے نصب کیا تھا۔ (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۴) جب خدا جنت عدن میں رہتا ہے تو وہاں جشن بھی ہونا چاہیئے۔ سامان عیش کا ہونا بھی ضروری ہے۔ سنو خطب عمر بن الخطاب الناس ذات یوم فقال فی خطبتہ ان فی جنات عدن قصرا لہ خمس مائۃ باب علی کل باب خمسۃ الاف من حور العین لا یدخلہ الا نبی ۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک روز لوگوں کے سامنے خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا کہ جنات عدن میں ایک قصر ہے جس میں صرف پانچ سو دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار حور العین رہتی ہیں۔ اس قصر میں نبی کے سوائے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا (کتاب مذکور جلد ۱ صفحہ ۱۱۸)

آب تمام مسلمانوں کو حضرت عمر کا شکر گزار ہونا چاہیئے کیونکہ خدا کا عرش کو چھوڑ کر رات کی دوسری ساعت میں اتر کر جنات عدن میں تشریف لانے اور رہنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی اور یہ معمہ حل نہیں ہوتا تھا کہ آدھی رات کو خدا جنات عدن میں کیوں آرام کرتا ہے۔ حضرت عمر نے پردہ دری کر کے سب کی علت سمجھا دی (رض)

مولوی صاحب۔ دیکھو تم تہذیب کے خلاف باتیں کرنے لگیں۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ ایسی باتیں زبان پر لانے کے قابل نہیں ہوتیں۔

ہدایت خاتون۔ الحمد للہ میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ میں بھی جانتی ہوں کہ ایسی باتوں کا بیان کرنا بے حیائی میں داخل ہے۔ مگر میں نے اس غرض سے یہ جرأت کی کہ تم خود کہو تمہاری مذہبی کتابیں خدا کی کیسی شرمناک تصویر کھینچتی ہیں۔

خدا کا عرش اور اسکی چرچراہٹ

تم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر رہتا ہے اس سے اس کا عرش چرچراتا رہتا ہے۔ جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے خدا کے ابر میں رہنے اور پھر مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد مخلوق میں حلول کر جانے کی تصریح کر کے فرمایا ہے کہ اس کی ذات ایسے عقیدے سے کہیں برتر ہے۔ مگر معلوم نہیں اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ آیا یہ کہ خدا نہ کسی چیز پر قائم ہے نہ کسی چیز میں حلول کئے ہوئے ہے۔ تو یہ عین شیعوں کا عقیدہ ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ خدا مخلوق میں حلول تو نہیں کئے ہے لیکن کسی جگہ رہتا۔ کسی چیز پر بیٹھتا اور کسی مقام پر ٹہلتا ہے تو یہ صحیح ہے کیونکہ تم لوگوں کی کتب حدیث میں اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے موجود ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ مثلاً سنو و یحلک وتدری ما اللہ۔ ان اللہ فوق عرشہ وعرشہ علی سمواتہ وارضہ مثل القبۃ وانہ لیئط اطیط الرحل بالراکب۔ یعنی وائے ہو تجھ پر۔ تو جانتا بھی ہے کہ خدا کیا ہے (اور کہاں رہتا ہے) یقیناً خدا اپنے عرش کے اوپر رہتا ہے اور اُس کا عرش مثل قبہ کے اُس کے آسمانوں اور زمین کے اوپر ہے اور وہ عرش اس طرح چرچر، چرچر کرتا رہتا ہے جس طرح گھوڑے کے زین پر سوار کے بیٹھنے سے زین چرچر، چرچر کرتا ہے (منتخب کنز العمال جلد ۱ ص۲۰۷)

اور مولانا وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے "وانہ لیئط بہ اطیط الرحل

بالمراکب۔ خدا کے بیٹھنے کی وجہ سے عرش ایسا چرچراتا ہے جیسے زین سوار کے تلے چرچر کرتا ہے۔" (انوار اللغۃ پارہ اول صفحہ ۳۶)

پانی پر عرش مذکورہ بالا حدیث سے تو معلوم ہوا کہ خدا کے رہنے کا عرش آسمانوں اور زمین کے اوپر تھا لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۷۷ میں دوسری حدیث مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ اوپر والا مضمون غلط ہے اور خدا کے رہنے کا عرش بالکل نیچے پانی پر تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کان اللہ ولم یکن شیئا غیرہ وکان عرشہ علی الماء وکتب فی الذکر کل شی ھو کائن وخلق السموات والارض۔ یعنی خدا تو اس وقت تھا جب اس کے سوائے اور کوئی چیز نہیں تھی اور اس کا عرش پانی کے اوپر تھا اور خدا نے ذکر میں ہر اس شئے کو لکھدیا جو ہونے والی تھی اور اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور مولانا وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے العرش علی منکب اسرافیل وانہ لیئط اطیط الرحل الجدید یعنی عرش خدا حضرت اسرافیل کے مونڈھے پر ہے اور وہ پروردگار کی عظمت سے اس طرح چرچر کرتا ہے جیسے نئی زین پر کوئی سوار ہو وہ چرچر کرتی ہے۔" (انوار اللغات پارہ ۱ صفحہ ۳)

مقام محمود کیا ہے اور سنو قال رجل یا رسول اللہ ما المقام المحمود قال ذالک یوم ینزل اللہ عز وجل علی عرشہ فیئط کما یئط الرحل الجدید من تضایقہ یعنی ایک شخص نے جناب رسولخدا صلعم سے دریافت کیا کہ یا حضرت مقام محمود کیا چیز ہے؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ یہ وہ روز ہے جس دن خدا اپنے عرش پر اتریگا پس وہ عرش اس طرح چرچرانے لگے گا جس طرح نیا زین تنگ اور کسا ہوا رہنے سے چرچراتا رہتا ہے۔ (منتخب کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۰)

عرش کے چرچرانے کی آواز ان حدیثوں سے یہ نہ سمجھنا کہ عرش خدا کی چرچراہٹ کچھ ہلکی ہوگی کیونکہ خدا کا عرش اور اس پر بیٹھنے والا بھی خدا ہی ہے۔ پھر اس کی چرچراہٹ کی آواز کہاں تک نہ جائے گی۔ اس کی حالت یہ لکھی ہے ان اھل الفردوس لیسمعون اطیط العرش یعنی بہشت بریں کے رہنے والے بھی عرش خدا کی چرچراہٹ کو سن لینگے (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰)

فرار اڈیٹر النجم | مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ کا جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالۂ اصلاح سے مناظرہ کیلئے آنا اور بغیر مناظرہ شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے قیمت ۴ر

فتح مبین | اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم کے مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہو جانے کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ قیمت ۴ر

فتح الرحمان | اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانا ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا۔ قیمت ۴ر

فتح القدیر | اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جاکر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے۔ قیمت ۳ر

قول کریم | ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے۔ جس میں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور انکی کتابوں سے قرآن کی تحریف اس طرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ آجتک اڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب نہیں ہوسکا۔ قیمت عہ

معراج شہادۃ | شہادۃ امام حسینؑ کے متعلق خانبہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا مصنف کتاب "نور ایمان" کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے۔ قیمت ۲ر

مشعل ہدایت | جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر کھجوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جس میں دکھایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولؐ اور اُن کے آل و اصحاب کے لئے کیا فرماتا ہے۔ اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت مجسٹریٹ آپنے سنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے حجم ۲۱۴ صفحہ قیمت صرف ۸ر

وضوء میں پاؤں پر مسح کرنا | فرقہ اہلقرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضوء میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اسکے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہلقرآن و قول فیصل شائع کرکے ثابت کردیا گیا کہ قرآن مجید وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہلقرآن کو بھی ماننا پڑا۔ قیمت ۴ر

اسلامی خدا | توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کرکے واضح کردیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۸ر

المشتہر:- منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

آل و اصحاب اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ کے ساتھ کس درجہ بے رُخی کی۔ واقعۂ کربلا کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے مگر انھوں نے ادھر ذرہ برابر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۱۲؍

جواب شرر مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا بہت فحش اور گندہ ناول لکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی تھی۔ اس کا مفصل جواب اور تاریخی تحقیقات کا بے مثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

صاحب العصر والزمان حضرت حجتؑ کے وجود اور غیبت کی بہت زبردست دلیلیں اور قادیانی فرقہ نے حضرتؑ کے بارے میں جو اعتراضات کئے ہیں اُن کا مفصل اور تسلی بخش جواب۔ قیمت ۱۲؍

عقل و تہذیب اہلحدیث فرقہ اہلحدیث کی عقل۔ تہذیب۔ انسانیت۔ مذہب اور خصوصاً ان کے علماء و پیشوایان دین کے قابل مضحکہ حالات کا مکمل مجموعہ قیمت ۱۲؍

فتنۂ شبلی شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں لکھا تھا کہ معاذ اللہ جناب امیرؑ نے بھی ایک دفعہ شراب پی تھی اس کی مفصل اور محققانہ رد کر کے اس روایت کی دھجیاں اُڑا دی گئی ہیں۔ قیمت ۸؍

تحریف قرآن کے بارے میں اہلسنت اعتراض کرتے ہیں۔ رسالہ حدالسارق میں پوری تحقیق اور جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تحریف قرآن کے قائل اہل سنت ہیں اور ان کی کتابوں سے یہ اسطرح واضح ہو کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا

مسئلۂ فدک سنی شیعہ کے درمیان بہت زبردست بحث ہے۔ نواب محسن الملک بہادر نے شیعوں کے خلاف آیات بینات میں بہت زور لگایا ہے اس کا مفصل جواب کمال تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب شیعوں کیلئے نعمت عظمیٰ ہے۔ جلد اول ۸؍ جلد دوم ۸؍ جلد سوم ۱۲؍ جلد چہارم ۱۲؍

مقدمۂ نہج البلاغہ بعض اہلسنت کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔ اس کتاب میں نہایت تحقیق و جامعیت سے اسکو حضرت کا کلام ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍

ہندو پنڈت کا رسالہ خلافت ایک ہندو پنڈت ہر نام صاحب نے مسئلہ خلافت و امامت پر وہ زبردست تحریر شائع کی ہے جس سے مذہب شیعہ کی حقیقت مثل آفتاب روشن ہے اس رسالہ نے برادران اہلسنت میں زلزلہ ڈالدیا۔ اصلاح کو ذوجدید خریدار دیکر یہ کتاب مفت طلب کر لیجئے۔

(سید ظفر الدین حیدر نے مطبع اصلاح میں چھپوا کر شائع کیا)

اصلاح

نمبر ۹ | ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۷ ہجری | جلد ۳۴

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

دار الاشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ خاص ہمدردوں کے لئے پانچ روپیہ
(مکتبہ سید علی احمد رضوی گوپال پوری)
چندہ سالانہ عام خریداروں سے تین روپیہ

مکرر پرچہ نہیں جا سکتا بعض ہمدردان اصلاح اپنے پرچوں کی پوری حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر دفتر اصلاح میں شکایت کرتے ہیں کہ اتنے نمبر نہیں ملے مکرر فوراً بھیجدیجئے۔ ان کل حضرات سے التماس ہے کہ ہر وقت رسالہ پہونچا کرے پڑھ کر اگر صندوق یا الماری میں مقفل کرکے بند کر دیا کریں تو کوئی نمبر ضائع نہ ہو۔ ہاں ایک نمبر پہونچنے پر اگر ہمیں معلوم ہوگا کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو وہ مکرر روانہ کر دیا جائیگا۔ مگر دو تین نمبروں کے بعد قبل کا نمبر طلب کیا جائیگا تو نہیں جا سکتا۔ مثلاً نمبر ۵ پہونچنے پر اگر لکھا کہ نمبر ۴ نہیں ملا تھا تو مکرر بھیجدیا جائیگا لیکن اگر نمبر ۳ یا ۲ طلب کیجئے گا تو وہ نہیں جا سکتا۔ بلکہ اسکے لیئے فی نمبر ۸ر قیمت آپ کو بھیجنی پڑے گی۔

جو لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلجاتے ہیں وہ فوراً دفتر اصلاح میں بھی اپنے جدید پتے کی اطلاع دیدیا کریں ورنہ ان کا رسالہ اصلاح سابق پتے پر جاتا رہیگا۔ اور پھر دفتر سے مکرر نہیں بھیجا جائیگا اکثر حضرات اسکی پابندی نہیں کرتے جس سے دفتر کو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔

سنہ ۱۳۵۷ ہجری کا چندہ اصلاح سنہ ۱۳۵۶ھ و سنہ ۱۳۵۵ ہجری کا چندہ اصلاح جن حضرات نے ابتک نہیں بھیجا وہ فوراً بذریعہ منی آرڈر روانہ کرکے شکر گزار کریں ورنہ آئندہ نمبر ضرور وی پی روانہ کیا جائیگا جسمیں آپکا ۳ر پیسہ فضول خرچ ہو جائیگا۔ بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیجدیا خط لکھکر چندہ کیوں نہیں طلب کیا۔ ان سب کی خدمتیں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط لکھا کریں اور نہ اتنا مال ہے کہ ہر شخص کو ۳ر کا پوسٹ کارڈ بھیجا جایا کرے۔ پس اس اطلاع کو آپ حضرات کارڈ خیال کرکے فوراً اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرماویں کہ وی پی بھیجنا ہمارے لئے بھی بڑی مصیبت ہے۔

ناول جوہر قرآن و سوانح عمری حضرت عمر دفتر اصلاح کے مشہور دلچسپ ناول تصویر عزا کے ختم ہونے پر برابر فرمائشیں آرہی ہیں مگر ہم بھیجنے سے مجبور اور وہ حضرات اسکے دیکھنے کیلئے بیچین ہیں۔ اسی طرح جو حضرات اسی وقت سے رسالہ اصلاح کے خریدار نہیں ہونگے اور ناول جوہر قرآن و سوانحعمری خلیفۂ دوم ختم ہونے پر طلب کرینگے تو بہت افسوس کرینگے۔ پس جلد علم دوست حضرات اصلاح کے خریدار ہو جائیں۔

ہندو پنڈت کا رسالہ خلافت ایک ہندو پنڈت ہرنام صاحب نے مسئلۂ خلافت و امامت پر وہ زبردست تحریر شائع کی ہے جس سے بھی مذہب شیعہ کی حقیقت مثل آفتاب روشن ہو رہی ہے۔ اس رسالہ نے ہزاروں اہلسنت میں زلزلہ ڈالدیا۔ رسالہ اصلاح کو وہ جدید خریدار دیکر یہ کتاب مفت طلب کیجئے۔ المشتہر منیجر اصلاح کھجوا۔

اردو تفسیر قرآن نہایت تحقیق و جامعیت سے شائع ہو رہی ہے آجتک ایسی تفسیر اردو زبان میں نہیں چھپی تھی۔ صرف دو روپیہ سالانہ میں ۴۸ صفحہ ماہوار آپکے پاس پہونچتی رہیگی جلدی طلب کیجئے ورنہ دوبارہ اسکا چھپنا دشوار ہوگا۔ المشتہر مدیر دائرہ تحقیق کھجوا۔

فہرست مضامین اصلاح نمبر ۹ جلد ۴۲

رعایتی اعلان کتاب عظیم الشان تاریخ ائمہ ایسی مفید۔ اہم اور ضروری ہے جس کا ہر شیعہ کے پاس رہنا ضروری ہے کیونکہ اس میں ہمارے کل پیشوایان دین کے حالات اور قابل فخر کارنامے علمائے اہلسنت کی معتبر کتب تاریخ و سیرۃ و رجال سے چن چن کر جمع کئے گئے ہیں جو حضرات اس سال اصلاح کے خریدار ہو چکے ہیں یا ذی الحجہ ۵۷ھ تک خریدار ہونگے ان کو یہ کتاب بجائے ۴ کے صرف دو روپیہ میں دی جائیگی۔ پوری کتاب ۱۱۰۰ صفحہ میں شایع ہوئی اور عمدہ کاغذ پر خوبصورت چھاپی گئی ہے۔ آجتک حضرات انبیاء کرام و ائمہ طاہرین کے حالات میں ایسی کوئی کتاب کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ اس کتاب میں مسئلہ خلافت بھی خاص طور سے دیکھنے کے قابل ہے۔ اسکے ساتھ ان مورخین و محققین یورپ کی رائیں بھی جمع کردی گئی ہیں جنھیں ان لوگوں نے اپنے خاص رنگ میں حضرت امیر المومنینؑ کی حقیت خلافت اور دوسروں کے زبردستی قبضہ بر خلافت کر لینے کو تفصیل سے لکھا ہے جناب مختار علیہ الرحمہ کے حالات بھی بہت دلچسپ ہیں۔ اسی طرح کل ائمہ طاہرین کی اولاد و ازواج و اصحاب کے معرفت خیز حالات کا ذخیرہ بھی اس کتاب میں ہے۔ المشتھر:۔ منیجر اصلاح کھجوا۔

الحمد للہ کہ محض اسی کے فضل و کرم سے ماہ رمضان المبارک کا رسالہ بھی شائع ہو گیا۔ بعض ہمدردان اصلاح کی اعانت سے اسکے لئے بھی کاغذ کا سامان ہو گیا مثلاً جناب مولوی سید اسرار الحسنین صاحب پنشنر ٹیچر اباوڑ نے اعانت سوانح جلد دوم میں عہ عنایت فرمایا ہے۔ جناب حکیم ہاشم علی صاحب مقیم بمبئی نے ما ۵ عنایت فرمایا اور جناب سید حیدر علی صاحب گھٹھ دار تعمیرات خریدار نمبر ۲۹۵ نے لہ عـہ کی کتابیں طلب فرمائیں۔ خدا کل حضرات کو جزائے خیر عطا کرے۔ مگر ابھی اس سال تین نمبروں کے کاغذ کی فکر بہت پریشان کن ہو رہی ہے۔ اگر اب بھی بقیہ ہمدردان صرف دو دو جدید خریداروں سے اس رسالہ کی اعانت کر دیں تو ان کے بھی شائع ہو جانے کا سامان مہیا ہو جاتا ہے۔ اور آخر ذی الحجہ تک تینوں نمبر ہمدردان اصلاح تک پہونچ جائیں۔

کتاب جوہر قرآن و سوانح عمری کی اہمیت خدا کے فضل سے دونوں کتابوں کی بڑی قدر کیجا رہی ہے جناب سید اولاد حسین صاحب گورنمنٹ پنشنر و پریسیڈنٹ ڈسٹرکٹ شیعہ کانفرنس گرداسپور پنجاب لکھتے ہیں "جناب مولانا آپکے لئے خدمت دینی کی تعریف کرنا ایسا ہے جیسا کوئی شخص دن کو دن کہے۔ خداوند تبارک و تعالےٰ آپ کو زندہ و سلامت رکھے۔ اور آپ کے عقبیٰ کے مدارج کو اور بڑھائے اور دنیا میں عزت و آبرو بخشے اور قلم میں زور دے۔" اور جناب سید منظر حسین شاہ صاحب ساکن زیارت ضلع اٹک لکھتے ہیں "جو کام اس سال اصلاح میں شروع کیا ہے سوانح خلیفہ دوم کے متعلق تو ابھی خاموش ہوں کہ ابھی ابتدائی سلسلہ ہے لیکن جوہر قرآن نے انشاء اللہ معجزہ حضرت عیسیٰ کا کام کرنا ہے۔" اور جناب غلام نبی اظہر صاحب بنڈہ اسحاق ضلع مظفر گڈھ سے لکھتے ہیں "کتاب تاریخ ائمہ مکمل ہو چکی ہے۔ ذرائع اشاعت مذہب حقہ جو آپ کی طرف سے صادر ہیں کسی کے قلم نے ایسے کارنامجات نہیں شایع کئے۔ خدا آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور زور قلم زیادہ ہو۔" جناب میاں عمر علی صاحب رئیس بنڈہ اسحاق ضلع مظفر گڈھ "جناب کا قلم میدان تبلیغ میں شجاعت اور ناموری حاصل کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے کہ جوق جوق گم کردگان راہ صراط مستقیم پر آتے ہوئے یا علیؑ کے نعرے کستے دکھائی دیتے ہیں۔" بس جو کچھ ہے محض خدا کا فضل و کرم ہے لیکن باوجود اس مدح و ثنا کے یہ کتابیں کیا اس قابل نہیں ہیں کہ ہر مسلمان کے پاس پہونچائی جائیں؟ اب ہر مقام پر ہمدردان اصلاح خود دیکھ لیں کہ وہاں ماشاء اللہ مومنین کی تعداد کس قدر ہے اور ان میں سے کتنے حضرات اصلاح کے خریدار ہیں۔

ضلع سارن کا سیلاب اور بہار گورنمنٹ کا انتظام سنہ ۱۹۳۲ء سے ہر سال ضلع سارن میں شدید سیلاب آتا اور زراعت، مکانات، جانوروں بلکہ آدمیوں تک کو تباہ و برباد کر دیتا ہے خصوصاً اس سال کے سیلاب نے

تو کتنے آدمیوں کی زبان پر یہ بات جاری کر دی کہ "اب یہ مقام رہنے کے قابل نہیں ہے۔ کسی دوسری جگہ چلکر آباد ہونا چاہیئے" خیال تھا کہ بہار گورمنٹ اس مصیبت کا جلد کوئی انتظام کرے گی اور اگر گزشتہ سالوں میں ادھر متوجہ نہ ہوسکی تو اس سال کے سیلاب سے وہ ضرور بیچین ہو جائیگی۔ مگر افسوس کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا انتظام کر رہی ہے اور اس مصیبت سے آیندہ مخلوق خدا کو کیونکر بچائیگی۔ اگر اسکو کچھ کرنا نہیں ہے یا اس کے اختیار ہی میں کچھ نہیں ہے تو کم از کم اتنا احسان کر دے کہ بڑے بڑے اشتہارات چھپواکر تمام سیلاب زدہ مقامات پر چپاں کرا دے جس کا مضمون یہ ہو کہ "ہم سے سیلاب روکنے کا کوئی انتظام نہیں ہوسکتا تم لوگ اس ضلع کو چھوڑ کر کسی دوسرے ضلع یا کسی دوسرے صوبہ یا کسی اور ملک میں چلے جاؤ یا اپنی حفاظت کا خود کوئی سامان کرو۔"

وقف امام باڑہ ہوگلی افسوس ہم لوگوں کا یہ عظیم الشان وقف اغیار کا لقمہ تر بنا ہوا ہے اور مومنین تقریباً اس سے محروم ہو رہے ہیں۔ کتنے صدمہ کی یہ بات ہے کہ ہماری جائداد ہمارے قبضہ سے نکل کر دوسروں کے تصرف میں ہے اور ہم لوگ حقیر رقم خرچ کر کے اس کو نکالنے کی کوشش نہیں کرتے۔ سننے میں آیا ہے کہ صوبۂ بنگال کے ایک ذی اقتدار شخص نے جو برادران اہلسنت سے ہیں ایک ذی اثر معزز شیعہ سے کہا کہ "ہم آپ کو چالیس پچاس ہزار روپیہ دلوا دیتے ہیں۔ آپ کوشش کر کے اس مقدمہ کو موقوف کرا دیجئے کہ مدعی حضرات مقدمہ اٹھا لیں"۔ ان شیعہ معزز شخص نے جواب دیا کہ "یہ امر ہمارا قومی مسئلہ ہے۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے"۔ اس پر وہ نہایت برافروختہ ہو کر بولے کہ "اچھا جائیے ہم بھی دیکھ لیں گے"۔ شیعیان حیدر کرار! کیا ایسی باتوں سے بھی آپ کو جوش نہیں آئیگا؟ اور کیا اب بھی آپ اسی اطمینان کی نیند سوتے رہینگے؟ جلد ہوشیار ہو جئیے۔ مقدمہ کی کامیابی یقینی ہے اور آپ کا مقدمہ نہایت مضبوط ہے۔ اگر اس میں پوری طاقت نہیں ہوتی تو صوبہ بنگال کی ایسی مقتدر ہستی آپ کی قوم کی معزز فرد کو اس طرح رشوت دینے یا دلانے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ اب وہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر شیعہ آخر وقت تک مقدمہ لڑ گئے تو ہائی کورٹ سے ضرور ڈگری ان کے موافق ہو جائیگی۔ پس آپ حضرات جلد مقدمہ کے مصارف کا انتظام کر دیں تاکہ باطل کا پورا مقابلہ ہو سکے۔

نعرۂ خروش

(رسالۂ اصلاح ماہ صفر ۱۳۵۵ھ میں ایک نظم "شاعر کا جواب" شایع ہوئی تھی۔ اس پر پھر جناب جوش ملیح آبادی کو جوش آیا اور اخبار شانتی میں حسب ذیل نظم شایع کی ہے۔ اسکے جواب میں "صدائے سروش" بھی ملاحظہ ہو۔ مدیر الحسن)

بھاگ ان باطل پرستوں سے کہ یہ پایان کار ۔۔۔ چھین لینگے باتوں ہی باتوں میں تجھ سے ذوالفقار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

پشت پر رہتا ہے اِن کی دولتِ دنیا کا ہاتھ — کِھل رہی ہے ان کے کاندھوں کی قبائے زرنگار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

قہقہے ہیں ان کے دل میں کسقدر مجھ سے نہ پوچھ — یہ سرِ منبر جو بیٹھے ہیں بہ شکلِ سوگوار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

جُبن کی تلقین کو سمجھا ہے تعلیمِ نجات — اور ریا کو جانتا ہے رحمتِ پروردگار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

خون کے دھارے کو اندر سے ہے جسکا راستہ — آنسوؤں کی سیل میں تو ڈھونڈھتا ہے وہ دیار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

آرہی ہے دشتِ استبداد سے بادِ سموم — اور محکومی سمجھتی ہے نسیمِ خوشگوار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

جانور لیں سانس یکرنگی و آزادی کے ساتھ — نسلِ انساں اور تقسیمِ غلام و شہریار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

تو ہے کس دھوکے میں اے صیدِ زبونِ علم و فن — قوتِ بازو پہ ہے فتح و ظفر کا انحصار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

دیکھتا ہوں عصرِ حاضر کی نگاہِ وہم میں — وہ دہکتی آگ کانپیں جس سے دوزخ کے شرار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

بن گئی شمشیرِ بُرّاں ایک اشکوں کی لڑی — اللہ اللہ موجِ نطقِ ذاکرانِ ذی وقار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

عالمانِ دیں کی دستار وہ نہیں آتے ہیں نظر — وہ بلا کے پیچ و خم اژدر ہوں جیسے شرمسار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

جرم کی تاریخ کہتی ہے بہ آوازِ بلند — مجرموں سے بڑھ کے اس فن میں ہیں مفتی پختہ کار

ہوشیار اے مردِ مومن ہوشیار

بندگانِ بے خطا کا چوس لیتے ہیں لہو — اور لبِ خونریز سے کرتے ہیں ہجوِ بادہ خوار

ہوشیار اے مرد مومن ہوشیار

جا دہ پیما صف شکن بیدار امیر المومنین اور مومن خفتہ و مجہول و سست و ہرزہ کار

ہوشیار اے مرد مومن ہوشیار

میر لشکر سورما ساونت غازی شیر دل اور لشکر بزدل و افسردہ و زار و نزار

ہوشیار اے مرد مومن ہوشیار

جنکے سایہ میں چلتی ہیں بہاریں خلد کی دیکھ مڑ جائے تران تابندہ تلواروں کی دھار

ہوشیار اے مرد مومن ہوشیار

صدائے سروش "جواب نعرۂ خروش"

(از خامۂ جناب مسٹر محمد عبد الحسن صاحب خلف جناب مولانا مولوی محمد زوار حسین صاحب ماہر ساکن مولویانہ مخدوم شاہ اڈہن - جون پور)

حق سے ڈر! اے وہ کہ ہجوِ مومنیں تیرا شعار جز ائمہؑ ہاتھ میں کسکے رہی ہے ذوالفقار؟

قلبِ مومن ہے تری بیہودہ گوئی سے فگار

بھاگنا باطل پرستوں سے ہے کب اپنا شعار؟ کب کسی مبطل نے چھینی ہم سے تیغِ آبدار؟

دیکھ لیگا تو بھی خود، آئے تو وقتِ کارزار

دولتِ دنیا کا، ظالم! تو نے کب چھوڑا ہے ساتھ تو نے کب کھی ہے کاندھوں پہ قبائے تار تار

آج دیتا ہے جو وعظِ ترکِ دنیا باربار

بدظنی ہے آپ گل میں کسقدر؟ مجھ سے نہ پوچھ خندہ زن معلوم ہوتے ہیں تجھے ہم سوگوار

غیب دانی کا بھی دعویٰ تجھکو ہے نادانِ کار؟

جبن کو اور صبر کو، بے عقل سمجھا ایک بات یوں جو ہوتا، کب کہلاتے صبر؟ شبیرِ کردگار

تو وہ یا سمجھے، تو تیری عقل پہ خالق کی مار

جب اجازت تھی تو ہم نے خون کے دریا بہائے دیکھ لے! لعزا میں قائم ہے اپنی یادگار

اب اجازت ہی نہیں، کیسے کریں پھر کارزار؟

بندگانِ خاص خالق کے، جہاں میں بالعموم دستِ استبداد کے ہوتے رہے ہیں سب شکار

اسکو محکومی اگر سمجھے، تجھے ہے اختیار

اشرف المخلوق خالق نے بنایا ہے تجھے — چاہتا ہے تو کہ حیوانوں میں ہو تیرا شمار

افضلیت بعض کی، قرآن سے ہے آشکار

دشمنِ علم و ہنر! اسکو سن لے یہ سچی بات ہے — قوتِ بازو سے بہتر ہے دعائے بد کا وار

ہے اگر مسلم تبادے انبیاء کا تو شعار

اپنے منہ سے عصرِ حاضر کا بنے نباض تو — اور اس دنیا کو سمجھے نارِ دوزخ کا شرار

بچ نہیں تو، یہ بُلا دیگی تجھے پایانِ کار

سنگدل! اشکوں سے تو اب تک پسیجا بھی نہیں — کہہ چکا ہے اس سے پہلے اُسکو "تیغِ آب دار

سنگ و آہن میں اُتر جاتی ہے جسکی نرم دھار"

ذاکر دنکا، عالموں کا، دشمنِ دیرینہ ہے — تیری رندانہ روش کا ہے یہ ادنیٰ شاہکار

اژدرِ بغض و حسد نگلے گا تجھ کو ایک بار

قوتِ باطل کے مجرم جاننے سے کیا گزند؟ — اصل مجرم وہ ہے، محشر میں ہو جسکی گیر و دار

حضرتِ جبرئیلؑ کب مجرم ہیں؟ پیشِ ہوشیار

شمع، پروانے کو کب مجبور کرتی ہے کہ تو — جل کے دے درسِ وفاداری میانِ روزگار

کیا گناہ شمع؟ پروانہ ہو کیوں تقصیر دار؟

رسیاں گردن میں بندھوا کر بنے جادہ نما — حیدرِ کرار کے پیرو! مبارک یہ شعار

میر لشکر سے، ہے لشکر! اب تلک استوار

کب بزانِ کوہ کے مانند دبکے شیر دل؟ — کیوں نہیں درسِ شجاعت دے رہا ہے بار بار

بے خبر! اپنا بپھرنا بھی ہے قہرِ کردگار

زنگِ باطل کی، اُسے پروا نہیں اے بے خرد — مرحب و عنتر سے بھی جسکی مڑی ہرگز نہ دھار

مہدیؑ ہادی کے ہاتھوں میں رہے گی ذوالفقار

ہم سمجھتے تھے کہ راہِ راست پر وہ آگیا — کیا خبر تھی؟ دین کی پابندی ہے اُسکو ننگ و عار

بس ارے! نادانی ہے گر جاہل سے ہو سرگرمِ کار

ضروری اپیل متعلق عزاداری

بخدمت ہمدردانِ قوم۔ علماء و مجتہدینِ عظام۔ اڈیٹر صاحبان۔ جنرل سکریٹری صاحبان شیعہ کانفرنس۔ عرض ہے کہ فتاوی ذیل سے امداد فرمائیے۔ و اڈیٹر صاحبان۔ سرفراز۔ الواعظ۔ اسد۔ شیعہ۔ اصلاح۔ البرہان۔ رضاکار۔ عرض ہے کہ پہلے اخبار میں مضمون عریضہ درج فرماکر قلمی امداد سے مثاب ہوکر ممنون فرمائیں۔ قصبہ کیرانہ ضلع مظفرنگر محلہ آل سے منجانب متولیہ وقف جلوس ذوالجناح نکلتا تھا وہ مکان نیلام ہوگیا تو دوسرے محلہ و مکان عزاخانہ سے نکالنا چاہا مگر باظہار نقض امن و دل آزاری و خلاف شرع عوام اہلسنت کی جانب سے چند سرغنہ نے روکدیا۔ متولیہ نے استقرار حق کا دعوی کیا۔ مخالفین نے عوام میں جذبات ابھار کر مساجد میں وعظ اور لکچر اور پنچایتوں سے مشتعل کرکے ایک مجمع ناجائز بطور مدح صحابہ شب کو بآمادگی فساد شیعہ اقلیت کے مرعوب و مجبور و چڑھانیکو نکالا اور شیعوں کے دروازوں پر نعرے لگائے۔ سب انسپکٹر پولیس بھی اہلسنت ہیں۔ شیعوں نے نہایت صبر و سکون سے بخوف فساد ان خفیہ سازشوں کے سلسلہ سے مجبور ہوکر دروازے بندکر لئے۔ چندے کی تحریک کرکے مذہبی جوش سے ہر قوم اہلسنت چڑی مار۔ کنجڑا۔ قصاب۔ تیلی۔ جولاہا۔ پلہ دار۔ مزدور وغیرہ۔ ۱۴ نفر اہلسنت کے نشان انگوٹھا بنواکر انہیں سرغنہ گروہ نے درخواست دی ہے کہ ہمکو بھی مدعاعلیہم بناکر جوابدہی کیلئے مہلت دیجائے۔ مختلف پوسٹر۔ پمفلٹ۔ کتب۔ فتاوی۔ رسالہ۔ علمائے اہلسنت کے جمع کرکے تنقیح مقدمہ کیلئے مدعاعلیہم نے پیش کئے ہیں۔ جسمیں گریہ۔ ماتم۔ تعزیہ۔ علم۔ جلوس ذوالجناح کو فعل حرام ثابت کرکے شیعوں پر الزام کفر عاید کیا گیا ہے۔ ایک اشتہار کسی ایرانی فرضی مجتہد کے نام سے پیش کیا جسمیں فتوے خلاف عزا جلوس و ماتم ناجائز و حرام ہونے کا ہے۔ چند کتب علمائے اہل شیعہ کے فقرات گریہ۔ عزا۔ ماتم۔ تعزیہ۔ علم۔ دلدل وغیرہ کے خلاف بجائے اس کے صبر کی تلقین نمائشی تحریر کئے ہیں۔ علمائے اہل سنت سے ہر قسم کی امداد مذہبی جرح اور شہادت و مذہبی کتب پیش کرنے کی لیجاتی ہے۔ شیعہ قلیل اور اہلسنت کثیر ہیں۔ شیعوں کے کاروبار مسدود سقہ۔ بھنگی وغیرہ کا بند کرنا بھی زیر عمل ہے۔ لہذا اجلہ حضرات اس نازک اور پر خطر موقع پر براہ خدا فوراً فتاوی جواز عزا جلوس ذوالجناح سے خاص کر بحوالہ کتب اہلسنت ممتاز فرماکر نمبر صفحہ اور نام بھی تحریر فرمائیں۔ صرف کتاب روضۃ الشہدا۔ ماتین۔ رسالۂ ذوالجناح مولفہ مولانا محمد سبطین صاحب کے حوالجات حاصل ہوچکے ہیں۔ ایسے اور کتب و رسالجات ذوالجناح علاوہ ان کے بذریعہ وی پی بنام سید محمد امیر صاحب وکیل مظفرنگر جلد ارسال ہوں۔ کتاب اعثم کوفی۔ ابوالمفاخر۔ فاریابی وغیرہ و امام شافعی

نے بھی ذوالجناح کی نسبت جو حالات تحریر کئے اون کا حوالہ معہ نمبر صفحہ و نام وغیرہ بغرض تنقیح عدالت آنا چاہیئے۔ تاکہ اندر میعاد تنقیح یا بعد کو ہر اک پر علحدہ اسٹامپ لگا کر پیش کیا جائے ایڈیٹر صاحبان بنظر ہمدردی و روحانی خدمات پرچہ اخبار بیرنگ جواباً معہ فتاوی و ذاتی علم سے بحوالہ کتب تحریر فرماکر بنام آغا شیر علی پنشنر انسپکٹر مظفرنگر بھیجدیں۔ جملہ حضرات اپنی تلاش و علم سے حسب ذیل امور کا جواب مرحمت فرمائیں۔ (۱) حضرات اہلسنت محبان اہلبیتؑ کے نام و سکونت جن اضلاع میں اہلسنت ذوالجناح یا براق وغیرہ کا جلوس نکالتے ہیں (۲) شہر متھرا موضع پٹی ضلع امرتسر۔ شہر انبالہ۔ کھرڑ ضلع انبالہ وغیرہ میں اہلسنت جو جلوس ذوالجناح نکالتے ہیں اون کا نام اور پتہ (۳) ریاستہائے مالیر کوٹلہ۔ بہاولپور۔ حیدر آباد۔ جاورا وغیرہ میں جلوس ذوالجناح باجازت حضرات اہلسنت والیان ملک نکلتا ہے۔ ان کے علاوہ اور جن ریاستہائے اہلسنت وہنود میں و قسطنطنیہ و مصر و عراق۔ عرب میں ذوالجناح نکلتا ہو مفصل پتہ تحریر ہو۔ (۴) کتب اہلسنت و شیعہ سے جواز جلوس ذوالجناح ثابت کیا جاوے۔ اخبارات و خطوط بیرنگ و نقول فیصلہ بذریعہ وی پی آنا چاہیئے۔ (۵) فیصلہ جونپور۔ آگرہ۔ قصور۔ فیروزپور۔ سیالکوٹ۔ دوکوہا۔ جالندھر وغیرہ بذریعہ وی۔ پی۔ مقامی حضرات۔ مومنین مرحمت فرمائیں اور جوابات بنام آغا شیر علی صاحب مرحمت ہوں۔ سید مبارک علیخاں۔ ساکن حال کیرانہ ضلع مظفرنگر۔

چونکہ مبلغ سائمہ ۳۲ روپیہ سالانہ محرم محض عزاداری کیلئے علاوہ تنخواہ ماہوار وقف علی الاولاد واقف مرحوم نے تحریر کئے ہیں۔ جن کی پوتی اب متولیہ ہے۔ علاوہ تنخواہ وارثان شرعی و بیوگان کے محض خرچ عزاداری محرم امام حسین علیہ السلام کے لئے مبلغ سائمہ ۳۲ روپیہ سالانہ محرم کے لئے مخصوص ہے۔ باقی رقوم جائداد کی خرید و اضافہ آمدنی اور امور خیر میں صرف کیجاویں گی۔ چنانچہ بعد قرقی قصبہ بڈولی ۱۹ سال سے قصبہ کیرانہ میں اسی وقف سے جلوس ذوالجناح محلہ آل کلاں سے نکلتا تھا۔ بوجہ نقل مکان عزاخانہ دوسرے محلہ و مکان سے نکالنا مقصود ہے۔ آغا شیر علی رٹیائرڈ انسپکٹر مظفرنگر

نقطۂ بائے بسم اللہ

اہلِ ظاہر نہ معلوم کیا کہیں اور کیا نہ کہیں مگر اربابِ قلوب کے نزدیک ہے میں علمِ حق کا نام محمدؐ اور علمِ محمدؐ کا نام علیؑ ہے یعنی علمِ حق محمدؐ اور علمِ محمدؐ علیؑ ہے۔ نبیؐ کا علم اعجاز اور علیؑ کا علم کرامات۔ وہ خدا کا اعجاز اور یہ نبیؐ کا معجزہ۔ علیؑ نبیؐ کا علم حصولی نہیں حضوری ہے یہ علم۔ علیؑ نبیؐ کا وجود و بود۔ علیؑ نبیؐ کا زیور اور علیؑ نبیؐ کا تنہا ورثہ ہے۔ یہ علم وعلمناہ من لدنا علما ہے۔ یہ علم علمِ سینہ ہے۔ یہ علم علیؑ نبیؐ کا خزینہ ہے۔ یہ علم علیؑ نبیؐ کا دفینہ ہے۔ تھوڑا بہت بھی اس علم کو جس نے لیا۔ نبیؐ سے لیا یا علیؑ سے لیا اور بات بھی یہی ہے وہ نہ ہوتے تو خدائی نہ ہوتی اور یہ نہ ہوتے تو خدا تک رسائی نہ ہوتی۔ علیؑ نبیؐ کے گھر کچھ تھا تو خدا تھا یا خدا کا علم تھا۔

علیؑ نے ماں کی گود میں نبیؐ کو دیکھا اور نبیؐ کی گود میں خدا کو دیکھا۔ ماں کی گود سے نبیؐ کی گود میں کیا آئے بس نبیؐ کے ہو گئے۔ رہے بسے تو نبیؐ کے گھر۔ پلے پوسے تو نبیؐ کے گھر۔ بچپن نبیؐ کے گھر۔ جوانی نبیؐ کے گھر۔ دن نبیؐ کے گھر۔ اور رات نبیؐ کے گھر۔ سفر میں نبیؐ کے ساتھ حضر میں نبیؐ کے ساتھ۔ صبح نبیؐ کے ساتھ اور شام نبیؐ کے ساتھ۔ خود نبیؐ کے ساتھ۔ بی بی نبیؐ کے ساتھ اور بچے نبیؐ کے ساتھ۔ یہ شرفِ معیت ملا تو بس علیؑ کو ملا اور یہ مرتبۂ یگانگی کسی کے حصہ میں آیا تو بس علیؑ کے حصے میں آیا اس پر روز کی دو وقتہ خلوت کی حاضری نورٌ علیٰ نور ہو گئی۔ علیؑ نور تو تھے ہی نور ہو گئے بلکہ علیؑ نور بن گئے۔ جتنے بھی بزرگوار اس درس گاہ نبوت سے کامیاب ہو کر چلے اُن میں علیؑ اول نکلے اور نکلے بھی تو اعلمھم علما اولھم سلما اور افضلھم قدرا کا ممتاز ڈپلوما لے کر نکلے۔

علوم اسلامیہ کا سرچشمہ قرآن اور قرآن علیؑ کے ساتھ یا یوں کہو کہ قرآن علیؑ میں اور قرآن قرآن میں۔ دونوں متصل۔ دونوں باہم۔ ان میں افتراق محال۔ اُن میں جدائی ناممکن دونوں ایک اور ہر ایک دونوں تو پھر علم کا سرچشمہ یا قرآن ہے یا علیؑ بلکہ قرآن و علیؑ دونوں لازم و ملزوم۔ ایک کے بغیر دوسرا کارآمد نہیں اسی لئے پیغمبرؐ نے فرمایا بھی ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما من بعدی۔ تاریخ خلفاء میں صفحہ ۱۷۶ میں سیوطی حدیث لائے ہیں کہ علیؑ نے سب سے پہلے آنحضرتؐ سے قرآن سیکھا۔ حفظ کیا اور پیغمبرؐ کو سنا بھی دیا پھر سب سے پہلے قرآن کو جمع کیا اور بارگاہ اقدس میں پیش بھی کیا۔ یہ قرآن علیؑ کے پاس رہا پھر ائمہ طاہرینؑ کے پاس رہا ان کے بعد نہ معلوم کہاں رہا اور کہاں نہ رہا دفعۃً اسکی موجودگی کی خبر روزنامہ

خلافت جلد ۳ نمبر ۳ کے ذریعہ یہ ملی کہ گزشتہ عالمگیر جنگ کے زمانہ میں مدینہ منورہ سے جو جو امانتیں بغرض حفاظت قسطنطنیہ لائی گئیں ان میں یہ قرآن پاک بھی تھا۔

جناب امیرؑ کی قرآن دانی عنداللہ مسلّم۔ عندالرسولؐ ثابت اور عندالصحابہ محقق۔ آیت ومن عندہ علم الکتاب اس کی گواہ۔ حدیث اعلمھم بما انزل علیؑ علیؑ اسکی شاہد اور مقولہ اعلمنا علی ابن ابی طالبؑ اس دعوے کی دلیل ہے قرآن کی تفسیر نبیؐ کے سینہ میں یا علیؑ کے سینہ میں۔ قرآن کی تنزیل نبیؐ کو معلوم یا علیؑ کو معلوم۔ قرآن کی تاویل سے نبیؐ واقف یا علیؑ واقف۔ ابن مسعودؓ جیسا علامہ اس تفسیر کا ثنا خواں۔ ابن عباسؓ جیسا ترجمان قرآن اس کا مدح سرا تو جناب امیرؑ کی قرآن دانی کے کیا کہنے ہیں۔ مگر جس طرح علیؑ کا قرآن غائب ہے اس کی تفسیر بھی مفقود ہے کاش امت اس سے سعادت اندوز ہوتی۔ خیر آج کی صحبت میں اس تفسیر کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

لفظ سورہ کے لغوی و اصطلاحی معنی تو ہیں احاطہ و چار دیواری کے اور قرآن کا ہر سورہ گویا ایک احاطہ ہے جس کے اندر چند قرآنی آیات جوڑے گئے ہیں اور جو کسی خاص نام سے معنون ہے آج اس بات میں شبہ کی گنجائش تک نہ رہی کہ ان سوروں کے نام آنحضرتؐ کے بتائے ہوئے ہیں جو سورے کے کسی خاص واقعہ کسی خاص فقرے یا کسی خاص شخص کی اہمیت کے بہ نظر رکھے گئے ہیں آنحضرتؐ بوقت نزول قرآن کاتب وحی سے فرمایا کرتے تھے کہ ان آیتوں کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد درج کرے۔

سورۂ حمد کو فاتحۃ الکتاب ہونے کی حیثیت سے سورۂ فاتحہ بولا جاتا ہے حافظ سیوطی کے بتائے ہوئے ۲۵ ناموں کے قطع نظر اس کے نام قرآن عظیم۔ ام القرآن۔ سبع مثانی اور ام الکتاب بھی ہیں جو خدا و رسولؐ کا انتخاب ہیں اور اس کی عظمت اس کے نام رکھنے والوں کی عظیم مرتبت سے خود واضح ہے نہ تو اس کے افضل قرآن ہونے میں کوئی تردد ہے اور نہ اس کے ام القرآن ہونے میں کوئی شبہ وارد ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہی تو ہے کہ یہ ام القرآن کیسے ہے؟ اس سورہ کی سب سے بڑی عظمت تو یہ ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اس کی قرأت واجب ہے اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور یہی ہے منشائے حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کا۔

سورۂ فاتحہ ہر مرض کی آسمانی دوا۔ ہر زہر کی ربانی تریاق۔ دافع جنون و مراق۔ حلال مشکلات۔ حرز بلیات اور کفارۂ ذنوب ہے ثقات سے اسکے فضائل اور فوائد لاتعد و لاتحصیٰ مروی ہیں۔

سورۂ فاتحہ کو ام الکتاب اور ام القرآن بھی کہا گیا ہے یعنی قرآن بھر میں جو کچھ بہ تفصیل موجود ہے وہ اس میں بالاجمال مندرج ہے۔ چنانچہ مولائے امت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا ہے لوشئت لاوقرت سبعین بعیرًا من تفسیر فاتحۃ الکتاب یعنی اگر بولنے بیٹھوں تو سورۂ فاتحہ کی ستر اونٹ بھر تفسیریں ہوں گی کیونکہ میں علوم اولین پر محیط اور علوم آخرین کا سرچشمہ ہوں۔ اسرار الٰہیہ کا کاشف اور حقائق کونیہ کا عالم ہوں (ینابیع المودۃ ص) اسی پر حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے نبیؐ کا علم خدا سے۔ علیؑ کا علم نبیؐ سے اور میرا علم علیؑ سے ہے۔ علیؑ کے مقابلہ میں میرا اور صحابہ کا علم سات سمندر میں ایک قطرہ برابر ہے (ینابیع المودت ص) ان ہی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے ایک شب جناب امیرؑ نے تفسیر فاتحہ بیان کرنی جو شروع کی تو صبح ہو گئی اس پر بھی فرمایا ابھی بہت باقی ہے۔ کتب سماوی میں جو کچھ ہے وہ اس قرآن میں ہے اور قرآن میں جو کچھ ہے وہ فاتحہ میں ہے اور فاتحہ میں جو کچھ ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور بسم اللہ میں جو کچھ ہے وہ سب بائے بسم اللہ میں ہے اور بائے بسم اللہ میں جو بھی ہے وہ سب با کے نقطہ میں ہے اور وہ نقطہ میں ہوں انا النقطۃ التی تحت الباء (ینابیع ص)۔

قرآن کے حروف نقطوں سے بے نیاز رہے اہل عجم اہل زبان تو تھے نہیں جو نقطہ کے بغیر صحیح پڑھ سکتے لازمًا اختلاف قرأت پیدا ہو گیا اور خلافت نے ابوالاسود دئلی متوفی ۶۹ھ کو قرآن کی نقطہ زنی پر مقرر کیا اور اتفاق کی بات تھی کہ ابوالاسود نے جناب امیرؑ ہی سے اس فن کو حاصل کیا تھا حافظ ابن حجر اصابہ جلد اول ص ۲۴۲ میں راقم ہیں اول من وضع العربیۃ ونقط المصاحف ابوالاسود وقد سئل ابوالاسود عمن نھج له الطریق فقال تلقیته عن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ۔ یعنی یہ شرف بھی جناب امیرؑ کے حصہ کا رہا۔

خدا نے اپنے آخرین رسولؐ پر ۲۳ سال کے دوران میں جو کتاب نجماً نجماً نازل فرمائی وہ قرآن ہے اور یہ کتاب اتنی مکمل و اکمل ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ پر حاوی اور اعتقاد و عمل کے ہر گوشہ پر محیط ہے لارطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اور ہے بھی یہی بات کہ ہدایت کا اصلی منشاء اور رہنمائی کی غرض صحیح صرف دو باتوں پر منحصر ہے اور وہ اعتقاد ہے

اور عمل اور سارے قرآن میں ان ہی دو باتوں کی تعلیم و تلقین ہے۔
اعتقادیات کا تجزیہ کر دیا جائے تو ضروریات دین میں صرف دو باتوں کا اعتقاد لازمی نظر آتا ہے اور وہ مبدا و معاد ہے۔ اور عمل کے بھی صرف دو ہی شعبے ہیں اتصاف بالحسنات اور اجتناب عن السئیات اور اسلام ہے یعنی ان ہی چار باتوں کا نام مبدا و معاد کا صحیح اعتقاد اتصاف بالحسنات اور اجتناب عن السئیات۔ قرآن بھر میں ان ہی چار باتوں کا اعادہ اور تکرار دمبدم بلباس نو بامثلہ جدیدہ و لعبارات شتی پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ چاروں امور ذہن نشین ہو رہیں اور یہی چار باتیں سورۂ فاتحہ میں اجمالاً موجود ہیں گویا سورۂ فاتحہ متن اور قرآن شرح ہے۔ سورۂ فاتحہ اجمال اور قرآن تفصیل ہے یعنی جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور یہی وہ بات ہے جو جناب امیرؑ نے فرمائی اور اسی پر اس کا نام ام القرآن رکھا گیا الحمد للہ رب العالمین اعتقاد و مبدا اور مالک یوم الدین اعتقاد و معاد بحذافیرہا ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اقرار عبودیت و عمل ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم تلاش راہ عمل ہے۔ صراط الذین انعمت علیھم اتصاف بالحسنات اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اجتناب عن السئیات ہے اور یہی باتیں بسم اللہ میں مندرج ہیں تو بسم اللہ متن اور الحمد شرح ٹھہری۔ کیونکہ اس میں بھی الوہیت حق سبحانہ کا جو مبدا المبدا ہے اعتراف ہے اور اس کی رحمت خاص اور رحمت عامہ کا بھی اعتراف ہے جو معاد میں لازم اور جن کے بغیر اکتساب حسنات اور اجتناب از سئیات محال ہے۔ اب رہا حرف ب جو رابطۂ عبد و رب کا مظہر ہے۔ اس رابطہ کے پیدا ہوتے ہی بندہ تماماً و کمالاً عبد اللہ ہو جاتا ہے اور جو عبد اللہ ہو گا۔ وہ مبدا حقیقی کا معتقد اور معاد کا ماننے والا ہو گا یا ورجو مبدا و معاد کا معتقد ہو گا وہ حسنات سے متصف اور سئیات سے مجتنب ضرور ہو گا۔ اسی پر جناب امیرؑ نے فرمایا تھی جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو بائے بسم اللہ میں ہے وہ اس کے ایک نقطہ میں ہے اور وہ نقطہ میں ہوں۔

شیخ اکبر نے اس ب کی تفسیر میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے اور ایک خدا رسیدہ فقیر نے کہا ہے
ع ب کے نقطے میں ہے بھید سارا۔ ہم بھی دیکھیں تو سہی آخر ب کے اس نقطہ میں دھرا کیا ہے۔

بادی النظر میں اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ حرف ب کے سوائے باقی سارے حروف منقوطہ کے نقطے چھیل دیئے جائیں بھی تو وہ پڑھے جاتے ہیں اور حروف غیر منقوطہ اور مہملہ ہو جاتے ہیں مثلاً ج اور خ نقطے کے بغیر ح پڑھے جاتے ہیں۔ ذ اور ز نقطہ کے بغیر د اور ر پڑھے جائیں گے اور ش۔ ض۔ ظ۔ غ کے نقطے چھیل دیئے جائیں تو وہ س۔ ص۔ ط اور ع بنجاتے ہیں۔ رہے ف۔ ق۔ ن یہ حروف نقطوں کے بغیر بھی ف۔ ق۔ ن۔ ی۔ ہی پڑھے جا رہے ہیں۔ کیونکہ ان کی وضع قطع ہی ان کی حقیقت۔ واضح کئے دیتی ہے۔ مگر ب ہی ایک وہ حرف ہے جو نقطہ کے بغیر کوئی حرف بن نہیں سکتا اور نقطہ کے بغیر پڑھا تک نہیں جاتا اسی لئے شیخ اکبر نے سچ کہا ہے کہ ظہور سب کیلئے نقطہ ہونا لازم ہے یعنی ب کا وجود دو دلیں ایک نقطہ ہے اور وہ نقطہ ذات علی ابن ابی طالبؑ ہے۔

صوفیا کی اصطلاح میں ب وجود محبت کا ظہور اوّل ہے جو مرتبہ ثانیہ میں محقق ہے اور نقطہ وجود محبت ہے جو بصورت ب یعنی اول موجود ظہور پذیر ہوا ہے چنانچہ حرف ب واقعی ایک نقطہ کے ظہور و تکرار کی ہی صورت ہے جو ب کے نیچے لگا ہوا ہے اپنی موجودگی اور اہمیت کا اظہار کر رہا ہے یہ نقطہ نہ ہو تو صورت ب نمودار نہ ہوگی۔ نہ ظاہر ہوگی یعنی ظہور عالم کون بغیر نقطہ وجود کے محال ہے یہ نقطہ وجود نہ ہوتا تو بندہ نہ ہوتا اور بندہ نہ ہوتا تو خدا کو خدا کون کہتا گویا یہ نقطہ ہی عبد و رب کے درمیان رابطہ اور واسطہ ہے اور اس نقطہ کو صوفیہ کی زبان میں وحدت اور لسان شرع میں امام کہتے ہیں اور یہی وہ مرتبہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی ذریت صالحہ کو حاصل رہا اور اسی کی طرف اشارہ ہے انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین اور بروایات ثقات اس امامت کا تاج نبی کے بعد فرق مبارک علی پر رکھا گیا

سورہ فاتحہ کب نازل ہوا آج تک کچھ متعین ہو نہ سکا کوئی تو اس کا نزول بعثت کا چوتھا سال بیان کر رہا ہے اور کوئی نماز فرض کئے جانے والی شب معراج بتا رہا ہے آج بھی بعض قرآنوں میں اس کو مکی لکھا ہے اور بعضوں میں مدنی رقم کیا ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت اس کو مکی کہتی ہے اور ایک جماعت اس کو مدنی کہتی ہے مگر مکی سورۂ حجر کی آیت ولقد اتینٰک سبعًا من المثانی والقرآن العظیم سے اس کا مکی ہونا مرجح معلوم ہوتا ہے۔

جس پر ترتیب نزول قرآن کے سب سے بڑے عالم علی ابن ابیطالبؑ کی مہر بھی ثبت ہے۔
اس سورہ کے مکی ثابت ہونے کے بعد یہ مرحلہ رہ جاتا ہے کہ مکہ میں کب اور کس وقت یہ
نازل ہوا خود صحابہ میں اس پر اختلاف ہے مگر عفیف کندی کی وہ مستند اور ثقہ روایت
بخاری و نسائی بتا رہی ہے کہ اُس وقت جبکہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؑ کے سوائے
کوئی مسلمان نہ تھا آنحضرتؐ ان ہی دو نفوس کے ساتھ کعبہ میں نماز باجماعت ادا فرمایا کرتے تھے
اور بروایت صحاح جناب امیرؑ کا شنبہ کے دن یعنی بعثت کے دوسرے دن آنحضرتؐ کے
پیچھے نماز پڑھنا با تواتر ثابت ہے اور یقیناً اس نماز میں بھی سورۂ فاتحہ جو واجبات نماز سے
ہے پڑھی گئی ہوگی جس سے واضح ہے کہ یہ سورۃ اول وحی میں اقرأ کے ساتھ ساتھ بروز دوشنبہ
ہی نازل ہوئی تھی

درایتاً بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ اقرأ باسم ربک کے فرمان قضا شیم سے حق سبحانہ
نے آنحضرت کو کچھ پڑھا کرتے رہنے کی تاکید کی تھی تو آخر وہ کیا شئے تھی جس کو بنام خدا پڑھنے کا
حکم فرمایا گیا۔ یقیناً وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن
الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین
کے سوائے کچھ نہ تھا۔ لہذا اقرأ کے ساتھ یقیناً سورۃ فاتحہ بھی نازل فرمایا گیا۔ واللہ
الموفق وھو یھدی السبیل۔ (فقیر عینی النظامی)

تقریظ

لوعۃ الحشا۔ ہمارے مقدس بزرگ جناب عمدۃ العلماء زبدۃ الفضلاء مولانا السید نظر حسین
صاحب قبلہ دام ظلہم مالک بھیکپور ضلع سارن کی جدید تصنیف ہے جو جامع مواعظ و آداب۔
حاوی فضائل و مناقب و مصائب و نوائب خامس آل عبا کہ ذاکرین مجالس عزا کیلئے نعمت عظمیٰ اور نعلین
کیلئے عطیہ کبریٰ ہے۔ ۲۰×۲۶ کے ۲۴۸ صفحہ پر چھپی ہے۔ قیمت صرف ۲ روپیہ۔ جناب موصوف
نے مجالس عزا میں پڑھنے کی متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ یہ جدید کتاب بھی اسی غرض سے تحریر فرمائی بلکہ
مجلسوں میں جو مضامین عمدہ مطالب اور جدید نکتے بیان کرنے کے شائق ہیں وہ اس کتاب کا جلد سے جلد
منگالیں کہ بہت کم نسخے باقی ہیں۔ جناب مولانا سید نظر حسین صاحب قبلہ دام ظلہ مقام بھیکپور ڈاکخانہ
جیین پور ضلع سارن محرم کے قبل طلب کرنے سے اس سال کی مجلسوں میں بھی یہ کتاب پڑھی جا سکتی ہے۔

دینی کہانیاں حصۂ اوّل

فاضل کرم و واعظ محترم جناب مولوی سید ظفر حسن صاحب امروہوی دام مجدہ نے اسکولی کتابوں کی سائز پر یہ ۲۴۰ صفحہ کی جدید۔ مفید اور دلچسپ کتاب شائع کی ہے جسمیں حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کے ضروری حالات دلچسپ مفید کہانیوں کی صورت میں جمع کئے ہیں۔ فاضل ممدوح اچھے انشا پرداز مشہور واعظ اور تجربہ کار استاد ہیں۔ آپکے ان تینوں اوصاف نے اس کتاب کو نہایت قابل قدر بنا دیا ہے۔ ہمارے لڑکے اور لڑکیاں مذہبی تعلیم سے محروم ہوتی جاتی ہیں خصوصًا بزرگان دین کے حالات ان کے کانوں تک کم پہونچتے ہیں۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ ہر شیعہ گھر میں اس کتاب کو پہونچایا جائے اور اسکے مضامین بچوں بچیوں کو سنائے جائیں۔ قیمت صرف ۱۲؍ شمیم بک ڈپو مرادآباد سے طلب کیجئے۔

صحیفۂ سجادیہ کی عظمت

امامیہ مشن لکھنؤ کی ساٹھویں دینی خدمت ہے۔ اس طرف مصر کے نامور علماء اہلسنت نے صحیفۂ کاملہ کے متعلق گرانقدر مقالات تحریر کئے ہیں جن سے اس کتاب کے متعلق ان کے حیرت خیز خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ فاضل جلیل و محقق نبیل جناب مولانا سید علی نقی صاحب دام مجدہم سرپرست امامیہ مشن لکھنؤ نے ان مقالات کا اردو ترجمہ اپنے خاص انداز میں تحریر فرما دیا ہے جس کو امامیہ مشن نے رسالہ کی صورت میں شایع کیا ہے۔ ۴۰ صفحے۔ قیمت ۱؍ محصول ڈاک ۰؍ خدا اس مشن کو ترقی دے کہ ہماری قوم کا بہت مفید ادارہ ہو گیا ہے۔

آثار باقیہ

یعنی صفحۂ کائنات پر حضرت علیؑ کے کلمات خطبات اور ارشادات۔ باب مدینۃ العلم کے علمی آثار دنیا میں کہاں کہاں موجود ہیں۔ اس سے اکثر مومنین ناواقف ہیں۔ جناب سید سبط الحسن صاحب ہنسوی کی یہ مجتہدانہ کوشش بہت قدر کی مستحق ہے کہ موصوف نے ان جواہر ریزوں کا پتا لگایا اور اپنے نتائج جستجو کو ایک مضمون کی شکل میں اخبار میں شایع کیا۔ اب ہماری قوم کے مشہور مؤلف جناب خان بہادر سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی دام مجدہ نے اس مضمون کو اپنے حواشی کے ساتھ ایک رسالہ کی شکل میں تبدیل کیا اور امامیہ مشن لکھنؤ نے شائع کرکے قوم پر احسان کیا ہے ۳۰ صفحے ہیں۔ اور قیمت صرف ۱؍ محصول ڈاک ۰؍ یہ رسالہ بھی بہت ضروری اور قابل قدر ہے۔

خوشخبری

قصبہ بگھرا ضلع مظفرنگر میں منشی مہدی حسن صاحب اور بعض اعزہ کی جانفشانی و کوشش اور سادات کرام و مومنین عظام کی اعانت سے ایک شاندار امام باڑہ تیار ہو گیا ہے جسمیں مجالس عشرۂ محرم بپا ہوتی ہیں۔ مگر ابھی تک شیعوں کی کوئی مسجد نہیں۔ امام باڑہ کے متصل ایک زمین افتادہ واقع ہے جو

مسجد کیلئے بہت موزوں ہے۔ اور مالک زمین مازرسے ہے جا سو روپیہ میں مسجد کیلئے دینے کو تیار ہے مگر مومنین قصبہ نادار و مفلوک الحال ہیں۔ سر دست خرید نہیں سکتے۔ اسلئے اگر مومنین قرب جوار و دیگر اضلاع اس کار خیر میں بھی مثل سابق اعانت فرماویں تو مومنین قصبہ نگھرا کی یہ تکلیف بھی رفع ہو جاوے

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ (مختار احمد تاج الافاضل از سہارنپور)

اخبار غم

افسوس (۱) جناب خواجہ مولوی انصار حسین صاحب مرحوم ساکن سہارنپور نے ۲۹ رجب کو انتقال کیا۔ مرحوم مذہبی علوم کے بڑے شائق بڑے عبادت گزار اور اخلاق کریمہ کے حامل تھے۔ اصلاح آپ کو خاص عشق تھا اور اکثر اسکی توسیع اشاعت میں کوشش کرتے تھے۔ خدا مرحوم کے درجات عالی کرے اور آپکے فرزند ارجمند جناب خواجہ آفتاب حسین صاحب کو صبر دے اور مرحوم کا سچا جانشین بنائے۔ (۲) جناب شاہد رضا صاحب انسپکٹر آبکاری ساکن کرنپورا ضلع سارن کی اہلیہ محترمہ نے ۱۴ رجب کو انتقال کیا۔ خدا موصوف کو صبر دے اور مرحومہ کے درجات عالی کرے۔ (۳) جناب سید محمد قاسم صاحب رئیس نگھرا کی نواسی نے بھی انتقال کیا جس سے ممدوح کو بہت صدمہ ہوا ہے۔ (۴) جناب سید وارث حسین صاحب رئیس اترا ؤں ضلع الہ آباد نے ۲۶ ماہ صیام کو انتقال کیا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ مذہب اور دینی امور کی قدردانی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ ذاکر سید الشہداء بھی تھے تین تین گھنٹہ مرثیہ پڑھتے اور بہت خوب پڑھتے۔ عابد ایسے تھے کہ تین بجے شب سے ہر موسم میں اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ بڑے مخیر تھے۔ نماز کبھی قضا نہ کی۔ صرف انتقال سے دو روز قبل مجبور ہو گئے تھے۔ مجالس سید الشہداء میں بہت انہماک کرتے مجالس ماہ صیام و محرم و اربعین کیلئے مستقل وقف کر دیا ہے۔ وصیت کی تھی کہ لاش کربلائے معلےٰ بھیجی جائے۔ چنانچہ وہ امانت کر دی گئی ہے فاضل محترم جناب مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کھجکیوری دام فضلہ کے متعلق وصیت وقف میں تحریر کر دی ہے کہ ماہ صیام میں برابر بلائے جائیں۔ خدا مرحوم کے خلف الصدق جناب سید آل محمد صاحب تعلقہ دار کو صبر دے اور مرحوم کے درجات اعلیٰ کرے (۵) عالم جلیل و فاضل نبیل جناب مولانا سید محمد شبر صاحب قبلہ رد ولوی مدرس اعلیٰ مدرسہ ناصریہ جونپور نے بھی ۲۶ شعبان ۵۶ھ کو انتقال کیا۔ مرحوم بڑے ہر دلعزیز واعظ و حامی دین و ملت اور ہمارے مخلص دوست تھے۔ ورع و تقدس و طہارت کے ساتھ آپ کی کتب بینی اور اشاعت دین کیلئے محنت و ریاضت وہ اوصاف تھے جنہوں نے آپکو ایک ممتاز ہستی بنا دیا تھا۔ خدا آپکے فرزند رشید جناب مولوی سید محمد عابد صاحب کو صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کے درجات عالی کرے۔ کل ناظرین سورۂ فاتحہ و توحید کا ثواب کل مرحومین کی روحوں کو پہنچا کر مثاب ہوں۔

درجہ شوق تھا کہ آپ نماز صبح میں بھی سورۂ یوسف ایسی طویل سورہ پڑھتے تھے۔ مگر ان تمام خرابیاں پیدا ہوتی اور حضرت عمر پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان سے چشم پوشی کر لی گئی۔ امام کو حکم ہے کہ نماز جماعت میں ماموین کا زیادہ خیال رکھے اور ان کی رعایت سے نماز مختصر پڑھے۔ حضرت رسولخدا صلعم کا حکم ہے اذا امممت قوما فاخف بھم الصلوٰۃ۔ جب لوگوں کو تم نماز جماعت پڑھاؤ تو مختصر سورہ اور دعائیں پڑھو۔ اذا صلے احدکم بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر واذا صلے احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء۔ جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز با جماعت پڑھائے تو نماز میں تخفیف کرے کیونکہ پیچھے پڑھنے والوں میں کمزور بھی ہوں گے۔ بیمار بھی۔ اور بوڑھے بھی۔ ہاں جب تم اپنی نماز تنہا پڑھو تو جس قدر چاہو اس میں طول دو۔ ام قومک فمن ام قومہ فلیخفف فان فیھم الکبیر وان فیھم المریض و ان فیھم الضعیف وان فیھم ذا الحاجۃ۔ فاذا صلے احدکم وحدہ فلیصل کیف شاء۔ تم اپنی قوم کو نماز جماعت پڑھاؤ۔ اور جب کوئی شخص اپنی قوم کو نماز جماعۃ پڑھائے تو نماز کی سورہ اور دعاؤں میں تخفیف کیا کرے کیونکہ نماز پڑھنے والوں میں بیمار۔ کمزور اور صاحبان ضروریات و حاجات بھی ہوتے ہیں۔ انی لاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی الصلوٰۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں نماز پڑھاتے وقت بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں اس وجہ سے اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں[1]۔ یا معاذ لا تکن فتانا فانہ یصلی وراءک الکبیر والضعیف

[1] جناب مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدر آبادی نے لکھا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تجوزوا فی الصلوٰۃ نماز ہلکی اور مختصر پڑھو۔ یعنی جماعت کی نماز۔ مطلب یہ ہے کہ قرأۃ مختصر کرو تاکہ مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو۔ اکیلے اگر نماز پڑھتا ہو تو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے۔ ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نہایت مختصر نماز پڑھا کرتے کہ لوگوں کو ان پر تعجب ہوتا۔ بعضے بیوقوں کی عادت ہے کہ جماعت کی نماز میں سنت کے خلاف طول دیا کرتے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو جلدی جلدی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ شیطان کے پیرو اور پیغمبر صاحب کے مخالف ہیں۔ مختصر کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ رکوع اور سجدہ اور قومہ اور قعدہ وغیرہ برابر ادا نہ کرے کیونکہ تعدیل ارکان تو اہل حدیث کے نزدیک فرض ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہی سورتیں یا ان کے برابر والی سورتیں نماز میں پڑھے جو آنحضرتؐ سے ہر نماز میں ماثور ہیں۔" (انوار اللغۃ پارہ ۵ صہ ۹۵) اسی قسم کی اور عبارتیں بھی ممدوح نے اس کتاب میں کئی جگہ لکھی ہیں ۱۲ منہ

وذوالحاجۃ والمسافر۔ اے معاذ تم لوگوں میں خرابی ڈالنے والے نہ ہو۔ کیونکہ تمہارے پیچھے بوڑھے کمزور۔ ضرورت مند اور مسافر (ہر قسم کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں۔ یامعاذ افتان انت فلولا صلیت بسبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحاھا واللیل اذا یغشیٰ فانہ یصلی وراءک الکبیر والضعیف وذوالحاجۃ۔ اے معاذ نماز میں خرابی ڈالنے والے نہ ہو۔ پس اگر نماز میں سورۂ سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سورہ والشمس وضحاھا وغیرہ نہ پڑھتے تو کیا ہوتا[1] پس جب حضرت رسول خدا صلعم سورہ سبح اسم ربک اور سورۂ والشمس تک کا نماز جماعت میں پڑھنا باعث اعتراض سمجھیں اور اس کی وجہ سے معاذ صحابی پر خفا ہوں تو کسی شخص کو اس سے بھی بڑی سورۃ کا پڑھنا اور وہ بھی نماز صبح میں جس کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے کس درجہ نامناسب ہے۔ پس اگر اس روایت کو مانیں تو حضرت عمر پر بڑے اعتراضات ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے عقل کہتی ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔

رسول ڈھول سنتے مگر حضرت عمر کیلئے بند کر دیا جاتا اگر صرف ایسی حدیثیں وضع کی جاتیں جن سے محض حضرت ممدوح کے فضائل ثابت ہوتے تو ایک ہی مصیبت تھی۔ مگر کس قدر صدمہ ہوتا ہے اس وقت جب اس قسم کی حدیثیں بھی نہایت کثرت سے ملتی ہیں جن سے ایک طرف حضرت عمر کی مدح پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف حضرت رسول خدا صلعم کی انتہا درجہ کی توہین ہوتی ہے مثلاً عن بریدۃ ان النبیؐ قدم من بعض مغازیہ فاتتہ جاریۃ سوداء۔ فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردک اللہ سالما ان اضرب بین یدیک بالدف۔ قال ان کنت نذرت فاضربی والا فلا۔ فجعلت تضرب والنبیؐ جالس۔ فدخل ابوبکر وھی تضرب۔ ثم دخل عمر فالقت الدف تحتھا وقعدت

---

[1] مولوی وحید الزمان خانصاحب لکھتے ہیں "افتان انت یامعاذ۔ تم لوگوں کو خرابی میں ڈالنا چاہتے ہو۔ مصیبت اور بلا میں پھنسانا یعنی لمبی لمبی سورتیں نماز میں پڑھ کر یہ چاہتے ہو کہ لوگ نماز سے نفرت کرنے لگیں۔ جماعت میں شریک ہونا چھوڑ دیں۔ گنہگار ہوں"۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ صفحہ ۱۲) جس سے واضح ہوا کہ نماز جماعت میں لمبی لمبی سورتوں کے پڑھنے کو حضرت رسول خدا صلعم نے فتنہ اور خرابی سے تعبیر کیا ہے اور لوگوں پر اسکی وجہ سے غضبناک ہوئے ہیں ۱۲ منہ

علیہ فقال رسول اللہ ان الشیطان لیخاف - و فی لفظ لیفرق منک یا عمر - انی کنت جالسا و ھی تضرب - ثم دخل ابوبکر و ھی تضرب - فلما دخلت القت الدف تحتھا و قعدت علیہ - بریدہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم اپنے ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت کے پاس ایک حبشن لونڈی نے آ کر کہا اے رسول خدا میں نے نذر کی تھی کہ اگر اللہ آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو میں حضور کے سامنے ڈھول بجاؤں گی - حضرت نے فرمایا اگر تو نے ایسی نذر کی تھی تو ڈھول بجا ورنہ نہیں - غرض وہ لونڈی ڈھول بجانے لگی اور حضرت رسول خدا صلعم بیٹھے سنتے رہے اتنے میں حضرت ابوبکر وہاں پہونچے اب بھی وہ لونڈی اسی طرح بجاتی رہی - پھر حضرت عمر پہونچے - آپ کو دیکھتے ہی اس لونڈی نے ڈھول اپنے نیچے چھپا لیا - اور اُس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئی - یہ دیکھ کر حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر تم سے شیطان ڈرتا ہے - میں بیٹھا رہا اور یہ بجاتی رہی - پھر ابوبکر آئے جب بھی یہ بجاتی رہی مگر جب تم داخل ہوئے تو اس نے ڈھول کو اپنے نیچے رکھ لیا اور اسکے اوپر بیٹھ رہی - (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۳۴) - یہ روایت اس لئے وضع کی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کا ورع و تقویٰ اس درجہ مشہور تھا کہ دوسروں کو بھی آپ کے سامنے کوئی برا کام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی - مگر تصویر کے دوسرے رخ سے بالکل چشم پوشی کر لی گئی کہ جس گناہ سے حضرت عمر کو بچانا چاہا اس میں حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابوبکر کو مبتلا کر دیا - دو ہی صورت ہوسکتی ہے - یا ڈھول کا بجانا جائز تھا یا ناجائز - اگر جائز تھا تو لونڈی نے اسے چھپایا کیوں اور حضرت رسول خدا صلعم نے اس سے کیوں نہ فرمایا کہ یہ جائز ہے تو کیوں چھپاتی ہے - اور اگر ناجائز تھا تو حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابوبکر کیوں اسکو سنتے رہے -

حبشیوں کا ناچ

اسی مضمون کے قریب یہ روایت بھی ہے عن ابی ھریرۃ قال بینا الحبشۃ یلعبون عند النبی بحرابھم دخل عمر فاھوی الی الحصی فحصبھم بھا فقال دعھم یا عمر و زاد علی ثنا عبد الرزاق انا معمر فی المسجد - جناب ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس حبشی لوگ اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ناچ رہے تھے - اتنے میں وہاں حضرت عمر پہونچے تو وہ بہت سے سنگریزے اٹھا کر ان ناچنے والوں کو مارنے لگے - اس پر آنحضرت نے فرمایا اے عمر چھوڑ دو انہیں ناچنے دو (صحیح بخاری پارہ ۱۱ صفحہ ۹۸) - اس روایت کا مقصود بھی یہی ہے کہ عفت و ورع و تقویٰ و پابندی احکام خدا میں حضرت عمر کا درجہ حضرت رسول خدا صلعم سے برتر دکھایا جائے - معاذ اللہ جو رسول دنیا میں اس غرض سے بھیجا جائے کہ لوگوں

کو اخلاق حسنہ کی تعلیم کرے وہ مسجد میں حبشیوں کا ناچ کرے۔ اور خود دیکھے!!! کوئی عقل اس کو قبول کرسکتی ہے! [1] اس قسم کی روایتیں نہایت کثرت سے موجود ہیں جو سب وضعی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ اسلام میں کسی شخص کا کوئی فعل آنحضرت صلعم سے زیادہ باعثِ خوشنودئی خدا نہیں ہوسکتا۔

عورتوں کے مجمع میں رسول اور حضرت عمر یہ روایتیں بھی موجود ہیں استاذن عمر بن الخطاب علی رسول اللہؐ وعندہ نسوۃ من قریش یکلمنہ ویستکثرنہ عالیۃ اصواتھن علی صوتہ فلما استاذن عمر بن الخطاب قمن

---

[1] حضرت ابوبکر کا درجہ بھی آنحضرت صلعم سے بڑھانے کی ایسی ہی کوشش ہوتی رہی۔ روایت ذیل قابل عبرت ہے عن عائشۃ قالت دخل علی النبیؐ وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجھہ۔ فدخل ابوبکر فانتھرنی فقال مزمارۃ الشیطان عند رسول اللہؐ فاقبل علیہ رسول اللہ فقال دعھما۔ فلما غفل غمزتھما فخرجتا۔ قالت وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب۔ فاما سالت رسول اللہؐ واما قال لی اتشتھین ان تنظری۔ فقلت نعم فاقامنی وراءہ خدی علی خدہ ویقول دونکم بنی ارفدۃ حتی اذا مللت قال حسبک قلت نعم قال فاذھبی۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس دو لونڈیاں بعاث کی غزلیں گارہی تھیں استنے میں دفعۃً حضرت رسول خدا صلعم پہونچ گئے۔ (مگر وہ لونڈیاں حضرت کو دیکھ کر بھی چپ نہیں ہوئیں) تو حضرت اپنے فرش پر جاکر لیٹ رہے اور اپنا منہ پھیر لیا۔ استنے میں حضرت ابوبکر آگئے تو انھوں نے مجھے جھڑکا اور کہا رسول خدا کے پاس یہ شیطان کا باجا۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم ادھر متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے ابوبکر ان دونوں کو گانے دو۔ جب انھوں نے اسکی تعمیل کی تو میں نے دونوں لونڈیوں کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں۔ اور عید کے روز حبشی ناچنے والے سپر اور ہتھیار لے کر ناچتے تھے تو یا میں نے پوچھا یا خود آنحضرت صلعم نے مجھ سے فرمایا کیوں عائشہ! ناچ دیکھنے کو جی چاہتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ پس حضرت نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا اسطرح کہ میرا رخسارہ حضرت کے رخسارہ پر تھا اور حضرت ان ناچنے والوں سے فرماتے جاتے تھے ارفدہ کے بیٹو تم لوگ ناچے جاؤ۔ جب میں دیکھتے دیکھتے گھبرا گئی تو حضرت نے پوچھا بس؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا اچھا تو چلو۔ (صحیح بخاری پ ۱۱ ص ۵۳ وغیرہ)

فبادرن الحجاب فاذن له رسول اللہؐ فدخل عمر و رسول اللہؐ یضحک فقال عمر اضحک اللہ سنک یا رسول اللہؐ۔ فقال النبیؐ عجبت من ھؤلاء اللاتی کن عندی فلما سمعن صوتک ابتدرن الحجاب۔ فقال عمر فانت احق ان یھبن یا رسول اللہؐ۔ ثم قال عمر یا عدوات انفسھن اتھبننی ولا تھبن رسول اللہؐ فقلن نعم انت افظ واغلظ من رسول اللہؐ فقال رسول اللہؐ ایہ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ مالقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک۔ ایک دفعہ حضرت عمر حضرت رسول خدا صلعم کے ہاں گئے اور اندر جانے کی اجازت چاہی۔ اُس وقت آنحضرت صلعم کے پاس قریش کی بہت سی عورتیں جمع تھیں۔ باتیں کرتی اور زور زور سے چہچہاتی تھیں یہاں تک کہ ان کے چہچہانے کی آواز حضرت کی آواز سے بھی زیادہ بلند تھی۔ جب حضرت عمر نے اجازت مانگی تو وہ سب کھڑی ہو گئیں اور لپک پردہ کے اندر چلی گئیں۔ اسکے بعد حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت عمر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ تو آپ وہاں تشریف لیگئے۔ دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم ہنس رہے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا اے رسول خدا اللہ آپ کے دانتوں کو ہنستا ہوا ہی رکھے (آپ کیوں ہنستے ہیں) آنحضرت نے فرمایا میں ان عورتوں پر ہنستا ہوں جو میرے پاس جمع تھیں جب انھوں نے تمھاری آواز سنی تو دوڑکر پردہ کے اندر چلی گئیں۔ اس پر حضرت عمر بولے یا حضرت آپ کا درجہ زیادہ اس قابل ہے کہ عورتیں آپ سے ڈریں۔ پھر ان عورتوں کو پکارکر کہا اے اپنی آپ دشمنو! کیا تم سب مجھ سے ڈرتی ہو اور حضرت رسولخدا صلعم سے نہیں ڈرتیں؟ ان سب نے جواب دیا ہاں تم حضرت سے افظ (زیادہ سخت مزاج) اور اغلظ (زیادہ درشت خصلت) ہو۔ اس پر حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر ان سب کو برا نہ کہو۔ بات یہ ہے کہ خدا کی قسم شیطان جس راہ سے تمھیں جاتے دیکھتا ہے وہ ضرور اس راہ کو چھوڑکر دوسری راہ لگ جاتا ہے (صحیح بخاری پ ۱۴ ص ۳۴۳ وغیرہ)۔ روایت بنانے والوں نے اس میں حضرت عمر کا درجہ حضرت رسول خدا صلعم سے صرف بڑھایا ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کی نہایت شرمناک تصویر بھی کھینچی کہ نامحرم عورتیں حضرت کے پاس بیٹھی رہتیں۔ اور جس طرح عیاش لوگوں کے پاس بیہودہ عورتیں شور و غل کرتی رہتی ہیں اسی طرح آنحضرت صلعم کے پاس بھی وہ سب عشرات مچائے رہتی تھیں۔ گر حضرت عمر آئے تو ان کے ڈر سے پردہ میں چلی گئیں۔ اگر وہ عورتیں پہلے ہی سے برقع اوڑھے ہوئے پردہ کے ساتھ آنحضرت سے باتیں کرتی ہوتیں تو حضرت عمر کے پہونچنے پر ان کے خوف سے ان کا خاموش ہو جانا کافی تھا۔

گر یہ جملہ کہ فبادرن الحجاب (دوڑکر پردہ کے اندر چلی گئیں) بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس سب بے پردہ تھیں اور حضرت عمر کو دیکھ کر پردہ میں چھپ گئیں۔ اور یقیناً اُس وقت کوئی بری ہی صورت تھی۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے شیطان کا ذکر کیا کہ تمھارے آنے سے شیطان بھاگ گیا۔ اگر وہ عورتیں اچھی باتیں کرتی تھیں اور آنحضرت صلعم ایسے امور میں مشغول تھے جو عفت اور پرہیزگاری کے خلاف نہیں تھے تو آخری جملہ کیوں فرمایا کہ اے عمر شیطان تمھیں جس راہ سے جاتا دیکھے گا وہ کبھی اس راہ نہیں چل سکیگا۔ اُس وقت کیا ہو رہا تھا جسپر آنحضرتؐ نے یہ فرمایا کہ تمھارے آنے سے شیطان بھاگ گیا۔ اگر وہ عورتیں پارسا تھیں تو حضرتؐ ایسا جملہ نہیں ارشاد فرما سکتے تھے جس سے ان کی پاکدامنی میں شبہہ پیدا ہو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایسی ہی حدیثوں سے دشمنان اسلام آنحضرت پر دن رات اعتراضات کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ہر موقع پر شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

رسولخدا صلعم کا حضرت عمر سے ڈرنا

اسی قسم کی یہ روایت بھی ہے عن عائشۃ قالت اتیت رسول اللہ بخزیرۃ طبختھا لہ فقلت لسودۃ کلی والنبیؐ بینی وبینھا۔ فقلت لتا کلن او لالطخن وجھک۔ فابت فوضعت یدی فی الخزیرۃ فطلیت بھا وجھھا فضحک النبیؐ ووضع فخذہ لھا وقال لسودۃ الطخی وجھھا۔ فلطخت وجھی فضحک النبیؐ ایضا فمر عمر فنادے یا عبداللہ یا عبداللہ۔ فظن النبیؐ انہ سیدخل فقال قوما فاغسلا وجوھکما۔ قالت عائشۃ فما زلت اھاب عمر لھیبۃ رسول اللہؐ ایاہ۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ ایک دفعہ ایک کھانا خزیرہ آنحضرتؐ کے لئے پکاکر میں آپ کے پاس لے گئی۔ وہاں حضرت کی بیوی سودہ بھی تھیں۔ اس وقت میرے اور سودہ کے بیچ میں رسول خدا صلعم بیٹھے تھے۔ میں نے سودہ سے کہا کھاؤ۔ تم کو بھی ضرور کھانا ہوگا ورنہ میں اس سے لیکر تمھارے چہرہ میں لپیٹ دوں گی گر سودہ نے انکار کیا۔ تو میں نے خزیرہ سے نکال کر ان کے پورے چہرے پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت رسولخدا صلعم ہنسنے لگے اور اپنی ران سودہ کے لئے نیچے گرادی اور ان سے فرمایا تم بھی عائشہ کے منہ میں لپیٹ دو۔ سودہ نے بھی میرے تمام منہ میں لپیٹ دیا۔ اس پر بھی آنحضرت ہنسنے لگے ماتنے میں باہر سے حضرت عمر گزرے اور پکار کر کہا اے بندۂ خدا۔ اے بندۂ خدا۔ یہ سنکر حضرت رسول خدا صلعم کو گمان ہوا کہ عمر اب مکان میں آیا ہی چاہتے ہیں۔ یہ خیال کرکے حضرت نے مجھ (عائشہ) اور

ان (سودہ) سے کہا کہ جلدی جاگو اور جا کر اپنے منہ دھو ڈالو۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ اس وقت سے میں برابر حضرت عمر سے ڈرا کرتی ہوں کیونکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم بھی ان سے ڈرتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۲) اس میں دکھایا ہے کہ حضرت عمر ایسے اچھے اخلاق کے تھے کہ ان لغویات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم ان کے آنے پر ڈر گئے۔ مگر اس سے حضرت رسولخدا صلعم کی درون خانہ زندگی کی جیسی شرمناک تصویر نظر آتی ہے وہ محتاج توضیح نہیں۔ اور غالباً دنیا کے کسی مذہبی پیشوا کی یہ سیرت نظر نہیں آسکتی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اس وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ اور محض حضرت ممدوح کے متعلق غلو نے ایسی باتیں بنوائیں ۔

قراقر پیٹ سے گفتگو یہ روایت بھی قابل دید ہے عن انس بن مالک قال تقرقر بطن عمر بن الخطاب وکان یاکل الزیت عام الرمادۃ وکان حرم علیہ السمن فنقر بطنہ باصبعہ وقال تقرقر تقرقرک انہ لیس عندنا غیرہ حتی یحیے الناس۔ انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ قحط والے سال میں حضرت عمر نے اپنے اوپر گھی کا استعمال حرام کر لیا تھا اور صرف روغن زیتون کھاتے تھے اس کی وجہ سے ان کے پیٹ میں قراقر ہونے لگا تو آپ نے اپنی انگلی اپنے پیٹ میں گڑا کر پیٹ سے کہا تجھ سے جس قدر قراقر کرنا ہو قراقر کر لے کیونکہ میرے پاس روغن زیتون کے سوائے کچھ نہیں ہے جب تک لوگ زندہ نہ ہو جائیں (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ روغن زیتون کبھی استعمال نہیں کرتے تھے اور صرف قیمتی گھی ہی کھایا کرتے تھے۔ اتفاقاً قحط کے زمانہ میں زیتون کا تیل استعمال کیا تو آپ کے پیٹ میں قراقر ہونے لگا۔ مگر یہ روایت آپ کے زہد کی کل روایتوں کو باطل کر دیتی ہے۔ کیونکہ عرب میں جو شخص زیتون کا تیل نہ کھائے اور صرف گھی ہی پر بسر کرے وہ انتہا درجہ کا خوشحال اور عیش پرست ہوگا۔ اس سبب سے قوی گمان ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ کیونکہ آپ کا زہد در طعام بھی مشہور ہے مثلاً

آپ کی غذا عن انس ابن مالک قال رایت عمر بن الخطاب وھو یومئذ

امیر المومنین یطرح له صاع من تمر فیا کلها حتی یاکل حشفها۔ انس بن مالک کہتے تھے کہ میں نے دیکھا جب حضرت عمر خلیفہ وقت تھے تو اون کے سامنے ایک صاع کھجور ڈال دیجاتی اور وہ سب کھاجاتے یہاں تک کہ جو سڑی ہوئی ہوتیں ان کو بھی نوش فرماجاتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۲) ایک صاع چار یا ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے (انوار اللغۃ سپارہ ۱۴ صفحہ ۱۱۵)۔ لوگوں نے یہ روایت بنائی تو خیال کیا کہ آپ کا زہد اس سے واضح ہوگا کہ دکھایا جائے آپ سڑا ہوا کھانا بھی کھاجاتے تھے اور اس سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ یہ زہد کی دلیل نہیں ہے بلکہ دوسرے اوصاف کا ثبوت ہے۔ اور جب آپ کی اس بے چینی کے متعلق حدیث بنانے کی ضرورت ہوئی جو آپ کو قحط کے سال اہل اسلام کی پریشانی کی وجہ سے ہونی چاہئے تھی تو اوپر کی حدیث بنائی کہ آپ نے قحط کے سال گھی کھانا چھوڑ دیا۔ اور روغن زیتون استعمال کرنے لگے تو پیٹ میں قراقر ہونے لگا۔ مگر قراقر ہونے پر بھی آپ نے روغن زیتون کو نہیں چھوڑا اور نہ گھی استعمال کیا۔ اب جو شخص ان دونوں کو ایک وقت میں دیکھے گا وہ آسانی سے فیصلہ کرلے گا کہ دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں۔ ان دونوں روایتوں کے ساتھ یہ بھی موجب حیرت ہے عن انس قال کان احب الطعام الی عمر الثفل واحب الشراب الیہ النبیذ۔ انس بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کھانے میں سب سے زیادہ تہ دیگی کو اور پینے میں سب سے زیادہ نبیذ کو پسند کرتے تھے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۲)

جوتیوں سے رومال کا کام

عن عاصم بن عبید اللہ بن عاصم ان عمر کان یمسح بنعلیہ ویقول ان منادیل آل عمر نعالھم۔ فرزند عاصم بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر دھوکر اپنی جوتیوں میں پونچھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ عمر کے گھر کے رومال ان کی جوتیاں ہی ہیں۔ عن السائب بن یزید قال ربما تعشیت عند عمر بن الخطاب فیاکل الخبز واللحم ثم یمسح یدہ علی قدمیہ ثم یقول ھذا مندیل عمر و آل عمر۔ سائب بن یزید بیان کرتے تھے کہ میں نے اکثر رات کا کھانا حضرت عمر کے

ساتھ کھایا ہے۔ وہ روٹی اور گوشت کھاتے تھے پھر اپنے قدموں پر ٹل لیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میرا اور میرے اہل وعیال کا رومال یہی ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۶)۔ معلوم نہیں روایت کرنے والوں نے اس کو کس غرض سے ذکر کیا ہے۔ اگر ممدوح کے پاس رومال نہیں تھا تو بالکل برہنہ بھی نہیں رہتے ہونگے۔ کرتے۔ یا قبا یا ردا یا پاجامہ یا تہبند ضرور ہی پہنتے ہونگے۔ پھر انہیں چیزوں میں کیوں نہیں پونچھ لیتے کہ جوتیوں میں پونچھتے تھا اور اسکی بھی تصریح نہیں ہے کہ کس چیز کو جوتیوں سے پونچھتے تھے کھانے میں تو ہاتھ اور منہ دونوں لگتے ہیں اور کھانے کے بعد دونوں ہی دھوئے اور پونچھے جاتے ہیں۔ تو حضرت ممدوح کس چیز کو اپنی جوتیوں سے پونچھتے تھے۔ اگر ہاتھوں کو جوتیوں سے پونچھتے تھے تو منہ کو کس چیز سے پونچھتے۔ تھے۔ عقل تو اس کو قبول نہیں کرتی کہ آپ جوتی سے ہاتھ کو اور کسی دوسری چیز سے منہ کو پونچھتے ہوں۔ پھر جس چیز سے منہ پونچھتے تھے اسی سے ہاتھوں کو بھی کیوں نہ پونچھتے ہوں گے۔ رہا پاؤں سے پونچھنا تو وہ بھی حیرت خیز ہے۔ اپنے ہاتھوں پر ہاتھ بھی پونچھ سکتے تھے اور ہاتھوں ہی سے منہ پونچھنے کا کام بھی لے سکتے تھے۔ غرض دونوں صورتوں سے تعجب ہی تعجب کا سامنا ہے۔ اگر ممدوح نے جوتیوں اور قدموں کے سوا کسی چیز سے پونچھنے کا خیال کیا تو وہ اور بھی حیرت خیز ہے۔ عن ثابت قال اکل الجارود عند عمر بن الخطاب فلما فرغ قال یا جاریۃ ھلمی الدستار یعنی المندیل یمسح یدہ فقال عمر امسح یدک باستک او ذر۔ ثابت بیان کرتے تھے کہ جارود نے حضرت عمر کے ہاں کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوا تو کہا اے لونڈی دستار یعنی رومال لا تاکہ ہاتھ پونچھوں۔ حضرت نے فرمایا اپنے پاتکا نہ کے مقام پر اپنا ہاتھ پونچھ لو یا چھوڑ دو۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۶)

اپنے مال کی محبت

یہ روایت بھی بے ضرورت بنائی گئی عن عمر انہ قسم یوما مالا فجعلوا یثنون علیہ فقال ما احمقکم لو کان ھذا لی ما اعطیتکم منہ درھما واحدا۔ حضرت عمر ہی سے روایت ہے کہ ایک روز آپ کوئی مال لوگوں میں تقسیم کرتے تھے اور مال پانے والے لوگ آپ کی تعریف کرتے جاتے تھے۔ تو آپ نے کہا تم لوگ کیسے احمق ہو (کیا یہ مال میرا ہے جو مدح کرتے ہو) اگر یہ میرا مال ہوتا تو تم کو اس سے ایک درہم بھی نہیں دیتا۔ (کنز العمال صفحہ ۳۵۵ جلد ۶) اس سے آپ کی فضیلت کے عوض مذمت نکلتی ہے کہ آپ کو اپنے مال کی اتنی محبت تھی کہ خود فرماتے تھے اگر میرا ہوتا تو تم کچھ بھی نہیں پاتے۔ حالانکہ خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے

کہ اپنے مالوں سے بھی خیرات و صدقات و زکوٰۃ نکالا کریں اور اپنے اعزہ۔ ذوی القربیٰ۔ ہمسایہ فقراء و
مساکین کی حاجت روائی کیا کریں۔ پس اگر آپ کی یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ اپنا
مال خرچ کرنے کے متعلق جس قدر احکام خدا و رسول تھے سب سے آپ چشم پوشی کئے رہے
اور اس طرح متعدد قسم کے لوگوں کے حقوق کا انبار اپنے اوپر رکھتے تھے۔ جو غالباً صحیح نہو۔

بیوی کی خیانت یہ روایت بھی مہمل سی معلوم ہوتی ہے قدم علی عمر مسک وعنبر من البحرین فقال عمر واللہ لوددت انی وجدت امرأۃ
حسنۃ الوزن تزن لی ھذا الطیب حتی اقسمہ بین المسلمین۔ فقالت لہ امرأتہ
عاتکۃ بنت زید بن عمرو بن نفیل انا جیدۃ الوزن فھلم ازن لک۔ قال لا۔
قالت لم۔ قال انی اخشی ان تاخذیہ فتجعلیہ ھکذا ادخل اصابعہ فی
صدغیہ وتمسحین بہ عنقک فاصیب فضلاً علی المسلمین۔ حضرت عمر کے
پاس ملک بحرین سے کچھ مشک و عنبر آیا تو آپ نے کہا خدا کی قسم میں اس بات کو پسند کرتا ہوں
عاتکہ دختر زید بن عمرو بن نفیل نے کہا میں بہت اچھا تولنے جانتی ہوں۔ لاؤ تمھارے بھی تول دوں۔
حضرت عمر نے کہا نہیں۔ پوچھا کیوں۔ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ تم اس سے لیکر اس طرح ڈال لوگی۔
پھر آپ نے اپنی انگلیاں اپنی دونوں کنپٹیوں میں ڈال کر بتایا کہ اسی طرح ڈال لوگی اور اس سے اپنی
گردن پر ملنے لگو گی پس دوسرے مسلمانوں سے زیادہ حصہ تم کو مل جائیگا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۵) روایت
بنانے والوں کی یہ غرض تھی کہ دکھائیں آپ کا عدل اتنا تھا کہ اپنی بیوی پر بھی اعتبار نہیں کیا اور ان کا
بھید کھول دیا کہ تم اس ہوشیاری سے عنبر اور مشک اپنے بدن پر مل لوگی۔ گر واضعین نے یہ نہیں
خیال کیا کہ ایسی تدبیر تو ہر شخص کر سکتا تھا۔ پھر آپ نے دوسرے کو تولنے کے لئے سونچا ہی کیوں۔
دوسری بات یہ کہ اسکے تولنے کے لئے آپنے عورت ہی کو کیوں تجویز کیا۔ کیا مرد نہیں تول سکتے
تھے۔ تیسرا امر یہ کہ جب حضرت عمر اپنے سامنے تولنے کو کہتے تو کسی شخص کو بھی اس سے چرانے کا
موقع نہیں ملتا۔ اپنی بیوی ہی کو دے دیتے کہ تولیں۔ اور جب وہ اپنی انگلی بدن کھجلانے وغیرہ
کے حیلے اپنے جسم پر کسی جگہ لے جاتیں تو ان کا ہاتھ پکڑ لیتے کہ یہ کیا کرتی ہو پہلے تول لو تب اپنا
بدن چھونا یا کسی جگہ ہاتھ لے جانا۔

تجارت کے لئے قرض یہ روایت بھی دشوار ہی نظر آتی ہے عن ابراھیم ان عمر بن

ص۔ کہ کوئی عورت ایسی مل جاوے جو اچھا تولنے والی ہو کہ وہ میرے لئے اس خوشبو کو تولدے تاکہ میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کردوں تو آپ کی بیوی

الخطاب کان یتجر وھو خلیفۃ وجھز عیرا الی الشام فبعث الی عبدالرحمن بن عوف یستقرضہ اربعۃ آلاف درھم فقال للرسول قل لہ یاخذھا من بیت المال ثم لیردھا۔ فلما جاءہ الرسول فاخبرہ بما قال۔ فشق علیہ فلقیہ عمر فقال انت القائل لیاخذھا من بیت المال۔ فان مت قبل ان تجیئ قلتم اخذھا امیر المومنین دعوھا لہ واواخذ بھا یوم القیامۃ۔ لا ولکن اردت ان آخذھا من رجل مریض شحیح مثلک فان مت اخذھا من میراثی۔ حضرت عمر جب خلیفہ تھے۔ تب بھی تجارت کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے تجارت کا ایک قافلہ شام کی طرف روانہ کرنا چاہا۔ اس سبب سے عبدالرحمن بن عوف کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے چار ہزار درہم قرض دو۔ عبدالرحمن نے قاصد سے کہا کہ جاکر حضرت عمر سے کہہ دو آپ بیت المال سے یہ رقم لے لیں۔ پھر جب آپ کے پاس قافلہ واپس آجائیگا تو اسی میں واپس کر دیجئے گا۔ جب قاصد یہ جواب لایا تو حضرت عمر کو نہایت ناگوار ہوا۔ آپ خود عبدالرحمن سے ملے اور شکایت کی کہ تم نے میرے قرض مانگنے پر یہ جواب کہلا یا تھا کہ بیت المال سے لے لیں۔ سنو اگر میں نے بیت المال سے قرض لیا اور قافلہ واپس آنے کے پہلے مرگیا تو تم لوگ کہنے لگو گے کہ خلیفہ ہی نے یہ رقم لی تھی۔ اب وہ مرگئے۔ جانے دو اور ان کو بخش دو۔ اس طرح بروز قیامت مجھ سے اس کا مواخذہ کیا جائیگا۔ پس میں بیت المال سے تو قرض لونگا نہیں۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے ایسے بیمار بخیل آدمی سے قرض لوں کہ اگر میں مرجاؤں تو وہ اپنا مال میرے ذمہ چھوڑے نہیں بلکہ میری میراث سے لیکر رہے (کنز العمال جلد ۶ ص۳۵۳) یہ روایت اس خیال سے بنائی گئی کہ اس سے واضح ہوگا آپ بیت المال سے قرض تک نہیں لیتے تھے اور جب اپنی کسی ضرورت کیلئے مجبور ہوتے تھے تو دوسروں کی خوشامد کرتے تھے۔ مگر آپ کا بیت المال سے روپیہ لینا مشہور واقعہ ہے جس کو تمام مورخین و محدثین لکھتے آئے ہیں۔ اور وہ بھی تین چار ہزار نہیں بلکہ قریب ایک لاکھ کے۔ آپ کی وفات کے وقت کی حالت میں لکھا ہے قال لابنہ یا عبداللہ انظر ما علی من الدین فحسبوہ فوجدوہ ستۃ وثمانین الفا ونحوھا۔ آپ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ لوگوں نے حساب کیا تو ۸۶ ہزار اور اسکے مثل نکلا (تاریخ الخلفاء ص۹۵) پس ماننا پڑیگا کہ سابق روایت ضرور موضوع ہے۔

لوگوں کو خوف زدہ رکھنا

یہ روایت بھی ذکر کیجاتی ہے عن الاصمعی قال کلم الناس عبد الرحمان بن عوف ان یکلم عمر بن الخطاب فی ان یلین لھم فانہ اخافھم حتی خاف الابکار فی خدورھن فکلمہ عبد الرحمان فقال عمر انی لا اجد لھم الا ذالک ۔ واللہ لو انھم یعلمون ما لھم عندی من الرافۃ والرحمۃ والشفقۃ لاخذوا ثوبی عن عاتقی۔
اصمعی کی روایت ہے کہ لوگوں نے عبد الرحمان بن عوف سے کہا تم حضرت عمر سے گفتگو کرو کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی برتا کریں کیونکہ انھوں نے لوگوں کو اس درجہ ڈرا رکھا ہے کہ لڑکیاں بھی پردوں کے اندر بیٹھی ہوئی اُن سے ڈرتی رہتی ہیں۔ عبد الرحمان نے ممدوح سے اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر نے کہا میں تو ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرونگا خدا کی قسم اگر ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میرے دل میں ان کی کتنی محبت اور ان پر کتنی شفقت و مہربانی ہے تو لوگ میرے کاندھے پر سے میرا کپڑا تک اوتار لے جائیں۔
(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۲) آپ حضرت رسول خدا صلعم کی جگہ بیٹھے تھے اور انہیں لوگوں کے دینی و دنیوی امور انجام دیتے تھے جن کے سردار حضرت رسول خدا صلعم تھے مگر آنحضرت اپنی امت پر نہایت نرم۔ ظاہر بظاہر شفیق اور خوش مزاج رہتے تھے جبکو خود خدائے رحیم بھی اس طرح بیان فرماتا ہے فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ۔ ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک ۔ اے رسول یہ بھی خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم سا نرم دل سردار ان کو ملا۔ اور اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ خدا جانے کب کے تمھارے گرد سے متفرق ہو گئے ہوتے (پارہ ۴ ع ۸)۔ اور باوجودیکہ حضرت صلعم مسلمانوں پر سب سے زیادہ شفیق و رؤف تھے مگر کسی نے حضرت کے کاندھے سے کوئی کپڑا نہیں لیا۔ حضرت ابوبکر کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ بڑے نرم دل اور نرم مزاج تھے لوگوں سے بڑی بے تکلفی سے ملتے لیکن کسی نے آپ کے کاندھے پر کے کپڑے نہیں اتارے۔ پھر حضرت عمر ایسی بات کیونکر کہہ سکتے تھے؟

حکم رسول میں اصلاح

یہ روایت بھی بڑی اہمیت سے ذکر کی جاتی ہے فقال یا اباھریرۃ واعطانی نعلیہ فقال اذھب بنعلی ھاتین فمن

لقیتک من وراء هذا الحائط یشهد ان لا اله الا اللہ مستیقنا بها قلبه فبشره بالجنة - فکان اول من لقیت عمر - فقال ما هاتان النعلان یا اباهریرة - فقلت هاتان نعلا رسول اللہؐ بعثنی بهما من لقیت یشهد ان لا اله الا اللہ مستیقنا بها قلبه بشرته بالجنة فضرب عمر بین ثدیی فخررت لاستی فقال ارجع یا اباهریرة - فرجعت الی رسول اللہؐ فاجهشت بالبکاء وررکبنی عمر واذا هو علی اثری فقال رسول اللہؐ مالک یا اباهریرة - قلت لقیت عمر فاخبرته بالذی بعثتنی به فضرب بین ثدیی ضربة خررت لاستی فقال ارجع - فقال رسول اللہؐ یا عمر ما حملک علی ما فعلت - قال یا رسول اللہ بابی انت وامی ابعثت اباهریرة بنعلیک من لقی یشهد ان لا اله الا اللہ مستیقنا بها قلبه بشره بالجنة قال نعم - قال فلا تفعل فانی اخشی ان یتکل الناس علیها فخلهم یعملون فقال رسول اللہؐ فخلهم رواه مسلم - حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی دونوں جوتیاں ابوہریرہ کو دیکر ارشاد فرمایا کہ میری ان دونوں جوتیوں کو لیکر جاؤ اور اس باغ کے پیچھے جس شخص کو بھی دیکھو کہ لا اله الا اللہ کی زبانی گواہی دیتا ہے اور اس کا دل بھی اس بات کا یقین رکھتا ہے اسکو بہشت کی خوشخبری دے دو - میں وہ جوتیاں لئے ہوئے وہاں سے نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمر کو دیکھا - انھوں نے خود ہی مجھ سے پوچھا اے ابوہریرہ یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ دونوں حضرت رسول خدا صلعم کی جوتیاں ہیں - حضرت نے مجھے ان دونوں کے ساتھ اس غرض سے بھیجا ہے کہ جس شخص سے ملوں اور دیکھوں کہ لا اله الا اللہ کی گواہی دیتا ہے اسکو بہشت کی خوشخبری دیدوں بشرطیکہ اس کے دل کو بھی اس بات کا یقین ہو - یہ سننا تھا کہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر زور سے مارا اس طرح کہ میں زمین پر آ تا رہا اور کہا اے ابوہریرہ پھر جاؤ - پس میں حضرت رسول خدا صلعم کے پاس واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا - حضرت عمر بھی میرے پیچھے دوڑے ہوئے آئے اور حضرت کی خدمت میں پہونچ گئے - آنحضرتؐ نے مجھ سے پوچھا اے ابوہریرہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی مجھ سے حضرت عمر ملے تو میں نے ان سے کہا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے مجھے اس

غرض سے بھیجا ہے۔ اس پر انھوں نے میری چھاتی پر اس زور سے مارا کہ میں بالکل نیچے گر پڑا اور کہا پلٹ جاؤ۔ یہ سنکر آنحضرت نے فرمایا اے عمرؓ تم نے کیوں ایسا کیا؟۔ انھوں نے جواب دیا اے رسول خداؐ میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوجائیں کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنی جوتیوں کے ساتھ اس غرض سے بھیجا تھا کہ جو شخص ایک خدا کی گواہی دے اور اس کا دل بھی اس گواہی پر یقین رکھے اس کو بہشت کی خوشخبری دیں۔ آنحضرت نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت سے کہا ایسا نہ کیجئے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس بات پر بھروسا کرلیں گے (یعنی مطمئن ہوجائینگے کہ جب صرف ایک خدا کے مان لینے سے بہشت مل جائے" تو اچھا کام کیوں کریں اور برے کاموں سے کیوں بچیں) لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ ایک خدا کو ماننے کے بعد عمل بھی کریں۔ پس حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اچھا ان لوگوں کو چھوڑ دو۔ اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں درج کیا ہے (مشکوۃ جلد ا صفحہ) جو رسولؐ خدا کا یہ پیغام لیکر آئے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن والنس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ دنیا کا ہر کام میرے احکام کے مطابق ہی کریں۔ (پارہ ۲۷ ع ۲) اور جو رسولؐ خدا کی یہ تاکید سب کو سنائے کہ ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات یقیناً سب انسان نقصان میں رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اعمال صالحہ بجا لاتے رہیں (پ ۳۰ سورہ عصر) اور جو رسولؐ خدا کا یہ حکم بتائے من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جو شخص ذرہ برابر اچھا کام کریگا وہ اس کا اچھا بدلہ ضرور پائیگا اور جو شخص ذرہ برابر برا کام کریگا وہ اسکی سزا ضرور جھیلیگا (پ ۳۰ سورہ زلزال) اور جس رسولؐ نے خود خدا کی عبادت اس درجہ کی ہو کہ خدا کو کہنا پڑا طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ طٰہٰ میں مخاطب قرآن مجید اس غرض سے نہیں نازل کیا کہ تم خود ہی احکام خدا و عبادات کی وجہ سے اپنے کو مشقت میں ڈالتے رہو (پ ۱۶ ع ۱۰) اس رسول کی شان یہ دکھائی جائے کہ وہ لوگوں میں منادی کراتا تھا کہ صرف خدا کو ایک کہہ دو اور جو چاہو کرتے رہو بہشت میں ضرور جاؤ گے[1]۔ اور اس کو حضرت عمرؓ روایت کریں

[1] یہاں تک دعوی کیا گیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا من مات لایشرک باللہ شیئا

کرایا حضرت اس اعلان سے لوگ عمل کرنا اور برائیوں سے بچنا ترک کر دینگے۔ آپ یہ اعلان نہ کرائیں تاکہ لوگ عمل بھی کریں۔ کوئی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے؟۔ ماننا پڑتا ہے کہ یہ روایت بھی یقیناً بنائی گئی ہے اور صرف حضرت عمر کو عقل۔ معرفت اور ایمان۔ میں حضرت رسولخدا صلعم سے افضل دکھانے کیلئے ہی وضع کی گئی ہے۔

رسولخدا صلعم کے دو وزیر یہ حدیث بھی بیان کیجاتی ہے قال رسول اللہ ما من نبی الا و لہ وزیران من اہل السماء و وزیران من اہل الارض فاما وزیرای من اہل السماء فجبرئیل و میکائیل و اما وزیرای من اہل الارض فابوبکر و عمر رواہ الترمذی۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ دنیا میں جس قدر نبی گذرے سب کے تھے دو وزیر آسمان والوں سے اور دو وزیر زمین والوں سے ہوتے ہیں۔ اور میرے دو وزیر آسمان والوں سے جبرئیل و میکائیل اور زمین والوں سے ابوبکر و عمر ہیں (مشکوٰۃ جلد ۸ ص۱۱۱) مگر حدیث۔ تاریخ۔ تفسیر کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ کسی نبی کے دو وزیر ہوئے ہوں۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ سب کے ایک ہی

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۸) دخل الجنۃ وان سرق وان زنی وان شرب الخمر۔ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ مشرک ہو یعنی ایک خدا کی گواہی دیکا ہو وہ بہشت میں جائیگا اگرچہ وہ چوری زنا کرتا یا شراب پیتا رہا ہو (صحیح بخاری پ۲۴ ص۵۰) لطف یہ کہ صحابہ کے ٹوکنے پر بھی حضرت ایسا ہی فرماتے رہے چنانچہ عن ابی الدرداء انہ سمع النبیؐ یقص علی المنبر و ھو یقول ولمن خاف مقام ربہ جنتان قلت وان زنی وان سرق یا رسول اللہ۔ فقال الثانیۃ و لمن خاف مقام ربہ جنتان فقلت الثانیۃ وان زنی وان سرق یا رسول اللہ فقال الثالثۃ ولمن خاف مقام ربہ جنتان فقلت الثالثۃ وان زنی وان سرق یا رسول اللہ قال وان رغم انف ابی الدرداء۔ ابودرداء کہتے تھے کہ رسولخدا صلعم منبر پر نصیحت فرماتے تھے اس میں فرمایا جو شخص ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اسکے لئے دو بہشتیں ہیں۔ میں نے تین بار پوچھا کہ یا حضرت اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ حضرت نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ ایسا کرے اور ابودرداء کو گوارا نہ ہو (مشکوٰۃ جلد ۱۰ ص۱۱۴)

ایک وزیر کا پتا چلتا ہے۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے اپنا وزیر بھی ابتدائے اسلام میں ایک ہی شخص کو مقرر کیا تھا۔ چنانچہ آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کے نازل ہونے پر آنحضرت نے لوگوں کا مجمع کر کے پوچھا کہ کون شخص اس کام میں میری مدد کرتا ہے تاکہ وہی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہو تو حضرت علیؑ کے سوائے سب خاموش رہے۔ تین بار آنحضرت صلعم نے پوچھا اور ہر دفعہ صرف حضرت علی ہی آمادہ ہوئے۔ تب آنحضرت نے پورے مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ ان ھذا اخی ووزیری وخلیفتی فیکم فاسمعوا واطیعوا۔ دیکھو یہ میرا بھائی اور میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے تم لوگوں میں۔ پس تم لوگ اس کی ہر بات سننا اور اس کی اطاعت کیا کرو۔ (تاریخ طبری و کامل و کنز العمال وغیرہ) پس جب حضرت رسولخدا صلعم پہلے یہ بات ارشاد فرما چکے تھے تو اب دوسری روایت اس کے مقابلہ ہی کے لئے ہے اور یقیناً موضوع ہے۔

کہول اہل جنت کی سرداری

یہ روایت بھی بیان کیجاتی ہے عن انس قال قال رسول اللہ ابوبکر و عمر سید اکہول اہل الجنۃ من الاولین والاخرین الا النبیین والمرسلین۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ بہشت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ خواہ وہ ادھیڑ لوگ پہلے والوں سے ہوں یا پچھلے والوں سے سوائے مرسلین و انبیاء کے۔ (مشکوۃ جلد ۸ صـ۱۲۱) حالانکہ آنحضرت صلعم نے متعدد حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ بہشت میں سب جوان ہوں گے یعنی جو بوڑھے ہو کر مرے ہیں وہ بھی وہاں جوان ہی رہیں گے۔ پس جب بہشت میں ادھیڑ و بوڑھے نہیں ہوں گے تو حضرت ابوبکر و عمر سردار کن لوگوں کے مقرر کئے جائینگے؟ اس سبب سے ماننا پڑتا ہے کہ یہ حدیث بھی موضوع ہے اور آنحضرتؐ کی مشہور حدیث الحسن والحسین سید شباب اہل الجنۃ۔ حسن اور حسین جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں (مشکوۃ جلد ۸ صـ۱۴۵) کے مقابلہ میں بیان کی گئی ہے۔ غرض آپ کے فضائل میں جو حدیثیں ملتی ہیں ان میں اکثر ایسی ہیں جو یا حضرت رسول خدا صلعم پر آپ کی ترجیح کے متعلق ہیں یا حضرات اہلبیت سے آپ کی افضلیت ثابت کرتی ہیں۔

اور نہ اُس کے آگے طبل بجائے جاتے ہیں اور نہ اُس کے سر پر علم کھولا جاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو خدا بادشاہ
سے بھی کم ہے (کتاب مذکور جلد ا صفحہ ۱۶۶) حکی عن مقاتل بن سلیمان و داؤد الجواربی و نعیم
بن حماد المصری انه فی صورة انسان وله اعضاء من ید و رجل ولسان و راس و عینین
یعنی مقاتل بن سلیمان، داؤد جواربی اور نعیم بن حماد مصری نے بیان کیا کہ خدا انسان کی صورت
کا ہے اور اس کے اعضاء و جوارح ہاتھ پاؤں زبان سر اور آنکھیں ہیں۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۶۹) وانه
یضحک حتی یبدو نواجذه۔ خدا اتنا ہنسیگا کہ اسکے کنارے کے دانت نظر آنے لگیں گے (؍؍)
و رووا انه امرد وله جعد قطط فی رجلیه نعلان من ذهب وانه فی روضة خضراء علی
کرسی تحمله الملائکة۔ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ خدا بے ڈاڑھی موچھ کا ہے۔ اس کے بال
گھونگھر والے ہیں۔ اسکے پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہیں۔ وہ گھنے ہوئے باغ میں ایک
کرسی پر بیٹھا ہے جسے فرشتے اٹھائے ہیں۔ وانه یضع رجله علی رجل ویستلقی فانها
جلسة الرب۔ اللہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے ہے اور چت پڑا ہے کہ خدا کی
نشست یوں ہی ہوتی ہے (؍؍) وانه خلق الملائکة من زغب ذراعیه۔ اللہ نے فرشتوں کو
اپنے بازو کے روئیں سے پیدا کیا ہے (؍؍) و تیصور بصورة آدم ویحاسب الناس یوم
القیامة۔ قیامت کے دن خدا حضرت آدم کی صورت میں نظر آئے گا اور لوگوں کا حساب کریگا (؍؍)
وقد سمعت انا ساقال منهم انه مستو علی عرشه کما انا مستو علی هذه الدکة و رجلاه
علی الکرسی الذی وسع السماوات والارض۔ لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ خدا اپنے عرش پر اس طرح
بیٹھا ہے جس طرح ہم اس تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کی ٹانگیں کرسی پر پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ
کرسی جو آسمانوں اور زمینوں سے وسیع ہے (؍؍) وقالت الکرامیه والحنابلة والاشعریة
تصح رویته ویری فی الآخرة ثم اختلفوا فقالت الکرامیة والحنابلة یری فی جهة فوق
وحکی عن مضر و کهمش واحمد انهم اجازوا رویته فی الدنیا وملامسته ومصافحته
وزعموا ان المخلصین یعانقونه متی شاء۔ کرامیہ حنابلہ اور اشاعرہ کا اعتقاد یہ ہے کہ
خدا دیکھا جا سکتا ہے اور قیامت میں خدا دکھائی دے گا۔ اتنے میں تو سب کا اتفاق ہے۔ اسکے
بعد اختلاف پیدا ہوا کرامیہ اور حنابلہ نے کہا وہ اوپر کی سمت میں دکھائی دیگا۔ اور مضر کہمش اور احمد کے
متعلق ہے کہ وہ لوگ خدا کی رویت کے دنیا میں قائل ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خدا دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے

اور اس کو چھو سکتے ہیں، اس سے مصافحہ کر سکتے ہیں بلکہ اس سے بعض مخلصین گلے مل سکتے ہیں (ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۱۶۹) و اما الاشعری فاجاز و اعلیہ ان یشم و یلذ و ق۔ گروہ اشاعرہ کا اعتقاد ہے کہ خدا سونگھتا اور چکھتا ہے (ر)

مولوی صاحب ۔ مگر علامہ ابن الحدید تو معتزلی تھا۔ اسکے بیان کو میں نہیں مانونگا۔ وہ جانے اور تم سمجھو۔

ہدایت خاتون ۔ مگر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے تمھاری ہی کتابوں سے تو لکھا ہے۔ اور میں تو اوپر صحیح بخاری۔ کنز العمال۔ ملل و نحل وغیرہ سے بھی بکثرت مضامین ذکر کر چکی ہوں۔ ان سب کو کیا کرو گے۔

مولوی صاحب ۔ ہاں بخاری شریف۔ یا مشکوۃ شریف وغیرہ میں جو ہے اس کے متعلق تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔

ہدایت خاتون ۔ دیکھو مشکوۃ شریف میں یہ بھی ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ لما خلق اللہ آدم و نفخ فیہ الروح عطس فقال الحمد للہ فحمد اللہ باذنہ فقال لہ ربہ یرحمک اللہ یا آدم اذھب الی اولئک الملئکۃ الی ملاء منھم جلوس فقل السلام علیکم فقال السلام علیکم۔ قالوا علیک السلام ثم رجع الی ربہ فقال ان ھذہ تحیتک و تحیۃ بنیک بینھم فقال لہ اللہ و یداہ مقبوضتان اختر ایھما شئت قال اخترت یمین ربی و کلتا یدی ربی یمین مبارکۃ ثم بسطھا فاذا فیھا آدم و ذریتہ ۔ جناب ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو آدم کو چھینک آئی ۔ اس پر آپ نے کہا۔ الحمد للہ۔ یہ آپ کی حمد خدا کے حکم سے تھی ۔ اس پر خدا نے حضرت آدم کو دعا رحمت دی اور کہا اے آدم ان ملئکہ کو جو سامنے بیٹھے ہوئے ہیں جا کو سلام کرو۔ حضرت آدم گئے اور کہا السلام علیکم۔ ملئکہ نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر جناب آدم خدا کے پاس واپس آئے تو خدا نے کہا تمھاری اور تمھاری اولاد کا سلام اسی طرح مقرر کیا گیا ہے۔ پھر خدا نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کر کے کہا اے آدم میری کس مٹھی کو لیتے ہو؟ جناب آدم نے کہا میں تیری داہنی مٹھی لیتا ہوں اگرچہ تیری دونوں مٹھیاں

باعث میمنت و برکت ہیں۔ غرض خدا نے اپنی داہنی مٹھی کھولی تو اس میں حضرت آدم بھی تھے اور ان کی کل ذریت بھی (مشکوۃ ص ۳۳) دوسری معتبر کتاب کا جملہ سنو علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا لا تسبوا الابل فانہ من نفس اللہ۔ اونٹ کو گالی نہ دو کیونکہ وہ خدا کے نفس سے ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص ۲۱) لا تسبوا الریح فانھا من نفس الرحمن۔ ہوا کو گالیاں نہ دو کہ یہ بھی خدا کے نفس سے ہے (ء م) فیقول یا رب لا تجعلنی اشقی خلقک فیضحک عز و جل منہ ثم یاذن لہ فی دخول الجنۃ۔ بندہ خدا سے بروز قیامت کہیگا اے خدا مجھے شقی ترین خلق نہ قرار دے تو خدا خوب ہنسیگا اور اس کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت دے دیگا (صحیح بخاری ص ۹)

مولوی صاحب۔ تعجب ہے کہ بخاری شریف میں بھی اس مضمون کی حدیث موجود ہے۔ میں تو کہنے والا تھا کہ وہ میرے مذہب کی سب سے زیادہ معتبر اور صحیح کتاب ہے۔ اس میں تم اس قسم کی چیزیں نہیں دکھا سکتیں۔

ہدایت خاتون۔ اس میں بھی یہ مضامین بھرے ہوئے ہیں۔ دیکھو سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ۔ سات آدمی ایسے ہیں جن پر خدا آروز سایہ کرے گا جس روز خدا کے سوائے کسی کا سایہ نہیں ہوگا (صحیح بخاری پ ۳ ص ۳۶۶) یہ معلوم ہے کہ سایہ اسی چیز کا ہوگا جس کے جسم ہوگا۔ پس اگر خدا جسم والا نہیں ہے تو اس کا سایہ کیسے ہوگا؟ ان رسول اللہ قال یضحک اللہ الی رجلین۔ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ خدا دو شخصوں کی طرف ہنسیگا (صحیح بخاری پارہ ۱۱ ص ۶۲) عن انس عن النبی قال یلقی فی النار و تقول ھل من مزید حتی یضع قدمہ فتقول قط قط۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جہنم میں لوگ برابر ڈالے جائیں گے اور اس سے آواز یہی آتی رہے گی کہ اور کچھ ہے۔ اور کچھ ہے یہاں تک کہ خدا اس میں اپنی ٹانگ ڈال دیگا۔ تب جہنم سے آواز آئے گی کہ بس بس۔ (صحیح بخاری پارہ ۲۰ ص ۳۳) عن ابی سعید قال سمعت النبی یقول یکشف ربنا عن ساقہ فیسجد لہ کل مومن و مومنۃ۔ ابو سعید بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ خدا اپنی پنڈلی کھول دیگا تو اس کو ہر مومن مرد اور عورت سجدہ کرنے لگیگی (پارہ ۲۰ ص ۲۷۵)

مولوی صاحب۔ اب بس کرو۔ میں نے مان لیا کہ بخاری شریف میں بھی ایسی حدیثیں بھری ہیں

رویت خدا کی بحث

ہدایت خاتون۔ جب تم لوگ خدا کے منہ ہاتھ پاؤں بلکہ پورے بدن کے قائل ہو تب ہی تو یہ اعتقاد بھی رکھتے ہو گے کہ دیکھ سکو گے۔

مولوی صاحب۔ ہاں اللہ تعالےٰ کو تو ہم لوگ قیامت کے روز ضرور دیکھیں گے۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔

ہدایت خاتون۔ انکار کو تو نہ کہو۔ سب سے بڑی چیز جو انکار کرتی ہے اور کرتی رہیگی وہ عقل ہے۔ کیا دنیا میں کسی شخص کی عقل اس بات کو مان سکتی ہے کہ خدا دکھائی دے سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ یہاں تو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ البتہ قیامت کے روز خدا کے دیکھنے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور عقل بھی اس سے کیسے انکار کرسکتی ہے۔

ہدایت خاتون۔ پھر خدا دنیا میں کیوں دکھائی نہیں دیتا۔ کیا وجہ ہے کہ قیامت میں تو دکھائی دے اور دنیا میں نظر نہ آئے۔

مولوی صاحب۔ یہ اس کی مصلحت۔ اس میں کسی کو بولنے کا کیا حق ہے۔

ہدایت خاتون۔ مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ خدا کی مصلحت یہ ہے کہ قیامت کے روز دکھائی دے اور دنیا میں چھپا رہے۔

مولوی صاحب۔ خود قرآن شریف میں ہے۔

ہدایت خاتون۔ وہ کہاں۔

مولوی صاحب۔ خدا نے فرمایا ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ اُس روز بہت سے چہرے تر و تازہ بشاش ہونگے۔ اور اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہونگے۔ (پارہ ۲۹ رکوع ۱۷ سورہ قیامۃ رکوع ۱)

ہدایت خاتون۔ "دیکھ رہے ہوں گے" تم نے کس لفظ کا ترجمہ کیا۔

مولوی صاحب۔ کیوں بھولی بنی جاتی ہو۔ کیا ناظرۃ نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ کیا ہوا؟۔

ہدایت خاتون۔ نظر کر رہی ہونگی۔

مولوی صاحب۔ تو پھر۔

ہدایت خاتون۔ پھر یہی کہ نظر کر رہی ہوں گی۔ دیکھ نہیں رہی ہونگی۔

مولوی صاحب۔ ارے۔ تو پھر دونوں میں کیا فرق ہوا؟

ہدایت خاتون ۔ آسمان زمین کا فرق ہے ۔
مولوی صاحب ۔ دیکھو اب تمھارے ہارنے کا وقت آیا تو تم لگیں باتیں بنانے ۔
ہدایت خاتون ۔ میں تو شروع سے سمجھ رہی ہوں کہ تمھارے مقابلہ میں ہار جاؤں گی۔ تم اتنے بڑے علامہ دہر ہو۔ تمھارا مقابلہ میں عورت ذات ہو کر کیسے کر سکونگی ۔ یہ صرف خدا کی تائید اور میرے مذہب کی حقیت کا زور ہے کہ تم سے باتیں کر سکی ہوں ۔
مولوی صاحب ۔ خیر ان باتوں کی ضرورت نہیں ۔ جب خدا خود فرماتا ہے کہ اس دن لوگ خدا کی طرف نظر کر رہے ہونگے تو اسی سے خدا کی رویت ثابت ہوگی ۔
ہدایت خاتون ۔ ہاں اگر کسی چیز کی طرف نظر کرنا اور اس کا دیکھنا برابر ہو تو میں مان لونگی ۔
مولوی صاحب ۔ برابر تو ہی ہے ۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ۔
ہدایت خاتون ۔ یہ بتاؤ کہ ۲۹ ماہ رمضان کو ہر شہر ہر دیہات میں ہزارہا مسلمان آسمان میں چاند کی طرف نظر کرتے ہیں یا نہیں ؟ ۔
مولوی صاحب ۔ ہاں برابر ہوتا ہے ۔
ہدایت خاتون ۔ اور یہ بھی صحیح ہے یا نہیں کہ بعض دفعہ ۲۹ کو چاند ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ نہیں ہوتا ۔
مولوی صاحب ۔ ہاں یہ بھی صحیح ہے ۔ مگر تمھارا مطلب کیا ہے ۔
ہدایت خاتون ۔ جب چاند نہیں ہوتا تو سب لوگ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں نے دیر تک چاند کی طرف نظر کی مگر وہ دکھائی نہیں دیا ۔
مولوی صاحب ۔ اس وجہ سے کہ چاند دکھائی نہیں دیتا ہے ۔
ہدایت خاتون ۔ یہ کیا کہ چاند کی طرف نظر کی بھی اور پھر وہ دکھائی نہیں دیا ۔ اگر کسی چیز کی طرف نظر کرنا اور اس کا دیکھنا دونوں ایک ہی ہوتا تو جو لوگ ۲۹ کو آسمان کی طرف نظر کرتے ہیں چاہیئے تھا کہ وہ سب چاند ضرور دیکھ لیا کرتے ۔
مولوی صاحب ۔ یہ تو تم عجیب بات کہتی ہو ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ۔ پھر سے سمجھاؤ ۔
ہدایت خاتون ۔ خیر جانے دو ۔ یہ بتاؤ کہ جب کوئی شخص ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو چاند دیکھتا ہے اور دوسروں سے کہتا ہے کہ وہ چاند ہو گیا تو وہ لوگ جو اس وقت تک دیکھے نہیں ہوتے

کہتے ہیں یا نہیں کہ کہاں ہے۔
مولوی صاحب ۔ ہاں لوگ چیخنے لگتے ہیں کہ کہاں ہے۔ کہاں ہے۔ کس طرف ہے کس جگہ ہے۔
ہدایت خاتون ۔ اللہ تمھارا بھلا کرے۔ اب بات جلد طے ہو جائے گی۔ تو ان لوگوں کے جواب میں وہ شخص کہتا ہے یا نہیں کہ اس طرف دیکھئے۔ وہ سامنے نظر کیجئے۔ ٹھیک درخت کے اوپر نظر کیجئے۔ میری انگلی کی طرف دیکھئے۔ خوب غور سے دیکھئے وہ ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ دیکھتے ہیں۔ اور کتنوں کو دکھائی نہیں دیتا۔
مولوی صاحب ۔ ہاں یہ تو دن رات ہوتا رہتا ہے مگر تم اس سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟۔ اپنا اصل مقصود کیوں ظاہر نہیں کرتیں۔
ہدایت خاتون ۔ کیا میرا مقصود اب بھی چھپا ہوا ہے؟۔ یہ معلوم ہوا یا نہیں کہ کسی چیز کی طرف نظر کرنے یا دیکھنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ چیز دکھائی بھی دے۔ لاکھوں مسلمان ۲۹ کو کہتے ہیں کہ بھائی دیر تک چاند دیکھتے رہے مگر افسوس دکھائی نہیں دیا۔ ورنہ کل کس مزے کی عید ہوتی۔ اگر کسی چیز کی طرف دیکھنے یا نظر کرنے یا غور کرنے سے وہ چیز ضرور دکھائی ہی دیتی تو ہر شخص ۲۹ کو چاند ضرور دیکھ لیا کرتا۔ اور ہمیشہ تم لوگ ایک روزہ سے بچ جایا کرتے۔
مولوی صاحب ۔ یہ تو تم نے بڑے فلسفہ کی بات پیدا کی۔
ہدایت خاتون ۔ یہ تو بتاؤ دیکھنا اور دیکھ لینا میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔
مولوی صاحب ۔ ہاں فرق تو ضرور ہے مگر میں بیان نہیں کر سکتا کہ کیا ہے۔
ہدایت خاتون ۔ اگر کوئی شخص دیر تک آسمان کی طرف چاند کو دیکھتا رہے اور وہ دکھائی نہ دے تو یہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ میں نے دیر تک دیکھا مگر چاند تھا ہی نہیں تو دیکھتا کیونکر۔
مولوی صاحب ۔ ضرور کہہ سکتا ہے اور سب کہتے ہی ہیں۔
ہدایت خاتون ۔ اچھا اسی جگہ یہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ دیکھ لیا مگر چاند تھا ہی نہیں۔ تو دیکھتا کیونکر۔
مولوی صاحب ۔ نہیں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ دیکھ لیا تو اسی وقت بولیں گے جب کوئی چیز دکھائی دیدے۔ جب تک وہ چیز دکھائی دے نہیں دے اسوقت تک دیکھ لیا نہیں کہا جا سکتا۔

ہدایت خاتون۔ اب تو واضح ہو گیا کہ دیکھا اور دیکھ لیا۔ اور دکھنا اور دیکھ لینا میں کتنا فرق ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں ہے تو ضرور۔

ہدایت خاتون۔ بس اسی طرح قرآن مجید کی یہ آیت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے چہرے اس روز اوپر خدا کی رحمت کی امید میں تک رہے ہونگے۔ نہ یہ کہ خدا کو دیکھتے ہونگے۔ جس طرح ۲۹ کو جب چاند نہیں بھی ہوتا اس کی امید میں اس کی طرف نظر کرتے۔ یا تکتے یا دیکھتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے روز بندے رحمت خدا کے لئے اوپر نظر کرتے ہونگے۔

مولوی صاحب۔ مگر رحمت خدا کی طرف کیوں کہتی ہو۔ خدا ہی کی طرف کیوں نہ نظر کرتے ہونگے۔

ہدایت خاتون۔ اس سبب سے کہ کسی چیز کے دکھائی دینے کے لئے چند شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ چیز جسم ہو۔ بہت دور نہ ہو۔ بہت نزدیک نہ ہو۔ جسم بھی کثیف ہو۔ سامنے ہو۔ بہت چھوٹا نہ ہو۔ کوئی چیز اسکے دیکھنے والوں کے درمیان حائل نہ ہو۔ اور ان میں سے کوئی شرط بھی خدا میں پائی نہیں جاتی اس وجہ سے اس کا دکھائی دینا بھی ممکن نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ شرطیں تو خدا میں پائی نہیں جاتیں مگر یہ کیا ضرور ہے کہ خدا بھی اپنے دکھائی دینے میں ان شرطوں کا محتاج ہو۔

ہدایت خاتون۔ توبہ۔ تم کیا کہنے لگے۔ جب خدا میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ اس کے مدرک ہو۔ وہ دکھائی دے تو کوئی شخص اسکو دیکھ کیسے سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر جب وہ موجود ہے تو کیوں نہیں دیکھا جا سکتا؟

ہدایت خاتون۔ یہ سوال تو اور بھی مضحکہ خیز ہے۔ گلاب کے پھول میں گلابی رنگ ہے وہ دکھائی دیتا ہے یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں سب ہی دیکھتے ہیں۔ یہ تم کیا پوچھنے لگیں۔ بے ضرورت باتیں نہ کیا کرو۔ اس میں وقت ضائع ہوتا ہے۔

ہدایت خاتون۔ اور گلاب کے پھول میں خوشبو بھی ہے یا نہیں۔ تو کیا خوشبو آنکھ سے دکھائی دیتی ہے؟ شکر کی سفیدی تو آنکھ سے دیکھتے ہو مگر کیا اسکی شیرینی بھی آنکھ سے دکھائی دیتی ہے؟۔

مولوی صاحب۔ یہ کہئے اسی لئے تم نے وہ تمہید قائم کی تھی۔ بے شک میں نے غلط کہا تھا

دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جو دکھائی نہیں دیتیں۔ ایک ہوا ہی ہے کہ ہر شخص کے بدن میں لگتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ نے تحفہ میں لکھا ہے کہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی طرف دیکھتے ہونگے اور انھوں نے صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ عقیدہ کا لبست و دوم آنکہ حق تعالےٰ را تواں دید و مومنین در آخرت بدیدار او مشرف شوند و کافران و منافقان ازیں نعمت محروم مانند۔ وہمین است مذہب اہلسنت۔

ہدایت خاتون۔ اس کا مطلب یہی نہ ہوا کہ سنی بھائیوں کا بائیسواں عقیدہ یہ ہے کہ خدا کو دیکھ سکتے ہیں اور مومنین قیامت کے روز اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور کافر و منافق اس نعمت سے محروم رہیں گے اور یہی مذہب اہلسنت ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہی مطلب ہے۔ میرے اور تمھارے مذہب کا بڑا جھگڑا اس مسئلہ کے متعلق بھی ہے۔ ہم سب لوگ اس کا اعتقاد رکھتے ہیں اور تم لوگ انکار کرتی ہو۔

ہدایت خاتون۔ خیر یہ بتاؤ کہ جب خدا دیکھا جاسکتا ہے تو صرف مومنین ہی کو اسکی زیارت کیوں حاصل ہوگی۔ اور کافران و منافقان اس سے کیوں محروم رہیں گے۔ کیا یہ لوگ اندھے محشور ہونگے؟ یا نابینا کرکے قیامت میں لائے جائینگے؟ یا پہلے ان کی آنکھیں پھوڑ دی جائینگی اسکے بعد خدا کے سامنے کھڑے کئے جائینگے؟ یا ان کی آنکھوں میں تمھارے اللہ میاں سلائیاں پھیروا دینگے؟ یا کافران و منافقان اس روز خدا کے نامحرم اور مومنین محرم ہو جائیں گے؟ اس وجہ سے خدا مومنین کو تو اپنا مکھڑا دکھائیگا اور کافروں منافقوں کیلئے اپنے رخ زیبا پر برقع ڈال لیگا یا منہ چھپا لیگا یا وہاں خدا کا کوئی خیمہ رہیگا جس میں بیٹھے گا اور مومنین کے لئے اس میں سے اپنا منہ نکال دیا کریگا اور جب کافر و منافق سامنے آئینگے تو منہ خیمہ میں کر لیگا۔ کوئی بات تو بتاؤ کہ کس طرح خدا مومنین کو دکھائی دیگا اور کافروں منافقوں سے پردہ کرلے گا۔ دیکھنا تو کام آنکھ کا ہے جس کی آنکھ ہوتی ہے وہ ضرور دیکھتا ہے اور کافر و مومن میں اسکے متعلق کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اور جو چیز دیکھے جانے کے قابل ہے وہ بھی ہر شخص کو دکھائی دیتی ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم دیکھے جانے کے قابل تھے تو مومنین بھی دیکھتے تھے اور کفار و منافقین بھی۔ پھر قیامت کے روز خدا دونوں بھائیوں میں کس طرح فرق کر دیگا۔

مولوی صاحب۔ یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ مگر یہ جانتا ہوں کہ مومنین کو ان کے نیک اعمال کے عوض خوب خوش کرنے کیلئے خدا اپنی زیارت بھی کرا دے گا۔

ہدایت خاتون۔ پھر تو خدا بڑا بخیل ہے۔ خالی خولی زیارت کرانے سے کیا فائدہ؟ کیوں نہ یہ بھی کہہ دو کہ خدا اس روز اپنے ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں کڑے پہنکر ناچیگا اور نیکو کار مومنین کو اپنا ناچ دکھا کر بھی خوش کریگا۔ خوبصورت تو ہئی ہے۔ گھونگر والے بال بھی ہیں۔ آنکھ کان ناک بھی ہے۔ پھر جلسۂ نشاط قائم کر دینے میں کیا عذر ہوگا؟ وہ چھما چھم ناچے گا اور مومنین تماشہ دیکھ کر خوش ہونگے۔ مزہ اٹھائیں گے۔ پھڑک پھڑک جائیں گے۔ معاذ اللہ۔ کیا اسلام ایسے خدا کی تعلیم دے سکتا ہے؟

مولوی صاحب۔ تم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی تحفہ اثنا عشریہ بلکہ اس کے اردو ترجمہ ہی کو اچھی طرح پڑھ جاؤ۔ اس سے تم کو خود یقین ہو جائیگا کہ خدا کا دیدار قیامت کے روز مومنین کو ضرور حاصل ہوگا۔

ہدایت خاتون۔ تم کیا بار بار تحفہ کا ذکر کرتے ہو۔ میں تو کئی مرتبہ اس کی رد کر چکی اور تم میرے کسی جواب پر کچھ بھی نہیں بول سکے۔ خدا کے دیکھنے کا مسئلہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی اس درجہ بودا تھا کہ اور باتوں کو انھوں نے پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ صفحے میں لکھا ہے تو اس کیلئے ان کو ڈیڑھ صفحے کا مضمون بھی نہیں مل سکا۔ بس بہت ہاتھ پاؤں مارا۔ بہت کچھ زور لگایا۔ اپنی پوری طاقت ختم کر دی تو ڈیڑھ صفحے سے کم ہی لکھ سکے۔ بس لے دے کر چند آیتوں کی آڑ پکڑی ہے۔ ایک وہی وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ جس کو تم نے پیش کیا اور جس کی حقیقت میں بتا چکی۔ دوسری یہ آیت لکھی ہے کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ اسکے بارے میں لکھتے ہیں "قسم ہے کہ بیشک وہ اس دن میں پروردگار اپنے سے حجاب کئے گئے ہیں۔ بس معلوم ہوا کہ مومن کے واسطے حجاب نہ ہوگا۔" مطلب یہ کہ مومنین کیلئے خدا اس روز بے حجاب ہو جائیگا۔

مولوی صاحب۔ واہ واہ واہ۔ شاہ صاحب نے یہ آیت بھی بہت زبردست پیش کی۔ بیشک اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کے واسطے حجاب نہ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کو ضرور دیکھینگے۔

ہدایت خاتون۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایسی بات تو کوئی بچہ بھی منہ سے نہیں نکال سکتا۔

یہ آیت پارہ ۳۰ سورہ تطفیف کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بُرا کام کرنے والے بروز قیامت رحمت خدا سے روک دیئے جائیں گے۔ نعمت خدا سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

مولوی صاحب ۔ نہیں رحمتِ خدا کیوں ترجمہ کرتی ہو۔ یہ کہو کہ خدا کی زیارت سے روک دیئے جائیں گے۔

ہدایت خاتون ۔ بہت خوب! اچھا یہ بتاؤ کہ اس آیت میں خدا نے یومئذٍ (اس دن) کی قید کیوں کی؟ کیا بُرا کام کرنے والے آج (اس دنیا میں) خدا کی زیارت کرتے ہیں اور کل (قیامت میں) اس سے روک دیئے جائیں گے؟ دیکھوں اس کا کیا جواب دیتے ہو۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو تم نے پہاڑ ایسا اعتراض کر دیا۔ اس دنیا میں تو کوئی بھی خدا کی زیارت نہیں کرتا۔

ہدایت خاتون ۔ پھر خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ اس روز (قیامت میں) یہ لوگ خدا کی زیارت سے روک دیئے جائیں گے؟ بات بالکل صاف ہے کہ دنیا میں خدا کی نعمتیں مومنین اور کفار سب پاتے ہیں مگر آخرت میں کفار اس کی نعمتوں سے محروم رہیں گے اسی کو خدا فرماتا ہے جسکو تم لوگ "بلی کے خواب میں چھیچھڑا" خدا کی زیارت کہنے لگے۔

مولوی صاحب ۔ شاہ صاحب نے یہ آیت بھی لکھی ہے" ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمنا قلیلا اولٰئک لا خلاق لهم فی الاخرة ولا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم۔ بیشک وہ لوگ جو خریداری کرتے ہیں اللہ کے قول اور قسموں کی تھوڑی قیمت سے وہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں اور نہ کلام کرے گا اُن سے اللہ۔ اور نہ دیکھیگا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کریگا ان کو۔ اور اُن کے لئے ہے عذاب دکھ دینے والا۔ بس معلوم ہوا کہ صالحوں کو نظر اور کلام بھی خدائے تعالےٰ کے ساتھ ہوگا۔"

ہدایت خاتون ۔ چشم بد دور۔ بحث تو اس کی ہے کہ ہم لوگ خدا کو بروز قیامت دیکھیں گے۔ اور شاہ صاحب جن کی تحقیقات پر تم اسقدر شیخی کرتے ہو دلیل میں لاتے ہیں خدا کی اس آیت کو جس میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کریگا۔ اسی کو کہتے ہیں" مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ"۔ اس سے کس کو انکار ہے کہ خدا لوگوں کی طرف نظر رحمت کرتا ہے اور کسی کی طرف

سے ان سے باتیں بھی کرتا ہے۔ البتہ اس کی دلیل پیش کرو کہ اس کو دیکھیں گے۔ اگر لا ینظر الیھم (اللہ ان کی طرف نظر نہیں کریگا) کے عوض لایرون (وہ لوگ اسکو نہیں دیکھیں گے) ہوتا تو خیر ایک بات بھی تھی مگر اس آیہ سے خدا کے دیدار پر استدلال کرنا اور کیا کہوں بس اپنے علم و فہم کا ڈھنڈھورا پیٹنا ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ لاینظر الیھم سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ہم لوگ خدا کو دیکھ سکتے ہیں۔

ہدایت خاتون۔ ایک اور لطیفہ سنو۔ تمھارے شاہ صاحب نے تو انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "بے شک وہ اس دن میں پروردگار اپنے سے حجاب کئے گئے ہیں"۔ مگر یہ عقیدہ اس درجہ عقل و فہم کے خلاف اور امکان کے برعکس ہے کہ زمانۂ حال میں تمھارے عالم اجل و فاضل اکمل شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے بھی اس مفہوم کو چھوڑ کر دوسرا ترجمہ کیا۔ لکھتے ہیں "یہی لوگ ہیں جو اس دن اپنے پروردگار کے سامنے نہیں آنے پائیں گے"۔ اس سے واضح ہوا کہ آیت کو خدا کے دیکھنے سے دور کا بھی لگاؤ نہیں۔ کیونکہ خدا کے سامنے تو اس کے نیک بندے دنیا میں بھی جاتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں تو خدا کے سامنے جاتے ہیں۔ سجدے میں جاتے ہیں تو خدا کے سامنے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو خدا کے سامنے آتے ہیں۔ اور جو لوگ ان چیزوں کی طرف رخ نہیں کرتے وہ نہ خدا کے سامنے جاتے ہیں نہ آتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے روز خدا کے نیک بندے خدا کے سامنے آئیں گے یعنی اس کی بخشش و رحمت و انعام کی امید میں اطمینان سے کھڑے ہونگے۔ اور اسکے نافرمان بندے ان چیزوں کی امید نہیں رکھیں گے لہذا عذاب خدا کے خوف و دہشت سے حیران و پریشان رہیں گے۔

مولوی صاحب۔ کیا کہوں۔ تمھاری باتیں ٹالے نہیں ٹلتیں۔ عقل سے کوئی شخص کہاں تک لڑ سکتا ہے۔

ہدایت خاتون۔ اچھا اور بھی کوئی دلیل اسکی ہے کہ خدا کو ہم لوگ دیکھ سکیں گے۔

مولوی صاحب۔ قرآن شریف کی تو اور کوئی آیت معلوم نہیں ہوتی۔

ہدایت خاتون۔ اب میں چند آیتیں پیش کرتی ہوں۔ ہر آیت سے تم لوگوں کے عقیدے

کی پوری رد ہو جاتی ہے اور شاہ صاحب کے کلام کی تو دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ سنو ارشاد باری ہے وترا ھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ یہ آیت سورۂ اعراف رکوع ۲۴ کی ۱۹۸ آیت ہے۔ میں اس کا ترجمہ نہیں کروں گی۔ تم ہی بتاؤ اس کا کیا مطلب ہے۔

مولوی صاحب۔ اس کے ترجمہ میں کیا رکھا ہوا ہے۔ خدا فرماتا ہے تم دیکھتے ہو کہ وہ تمھیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔

ہدایت خاتون۔ یہ کیا کہ وہ لوگ دیکھ رہے ہیں اور پھر دیکھ نہیں رہے ہیں؟

مولوی صاحب۔ مطلب یہ کہ وہ تمھاری طرف نظر کر رہے ہیں مگر تم ان کو دکھائی نہیں دیتے ہو۔

ہدایت خاتون۔ اب تو تمھارے ترجمہ ہی سے ثابت ہو گیا کہ کسی کے کسی چیز یا کسی شخص کی طرف نظر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز یا وہ شخص اس کو دکھائی دے بھی دے۔ دیکھو ذرہ سنبھل کر گفتگو کرنا۔ ہٹ دھرمی مناسب نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ (ہنس کر) ہٹ دھرمی کیوں کرنے لگا۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں کبھی ہٹ دھرمی کیا کرتا ہوں۔

ہدایت خاتون۔ خدا کرے تم میں یہ عیب نہ پیدا ہو۔ خیر یہ بتاؤ کہ اس آیت سے شاہ صاحب کے تحفہ کی زبردست دلیل خاک میں مل گئی یا نہیں۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ الی ربھا ناظرۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خدا کو دیکھتے ہوں گے یعنی لفظ ناظرۃ کا مقصود ہی یہ ہے کہ خدا ضرور دکھائی دیتا ہوگا کیونکہ جس چیز کی طرف نظر جائے گی وہ چیز ضرور دکھائی دے گی لیکن خدا دوسرے موقع پر فرماتا ہے کہ وہ لوگ تمھاری طرف نظر کرتے ہونگے مگر تم ان کو دکھائی نہیں دوگے۔ جس سے واضح ہوا کہ کسی چیز یا کسی شخص کی طرف نظر کرنے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ چیز یا وہ شخص دکھائی بھی دیدے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم آدمی تھے اور برابر سب لوگ حضرت کو دیکھتے تھے مگر حضرت کی طرف نظر کرنے پر بھی وہ لوگ آپ کو دیکھتے نہیں ہوں گے۔ اس کے برخلاف خدا جو نہ جسم ہے نہ جسمانی اور جو کبھی دیکھا نہیں گیا اس کے بارے میں تم لوگوں نے یقین کر لیا کہ جب اسکی طرف نظر کرو گے تو اسے ضرور دیکھ ہی لوگے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اسی آیت الی ربھا ناظرۃ پر تم لوگوں کا پورا زور ہے۔ مگر سورۂ اعراف کی آیت نے اس آیت کی حقیقت ایسی نمایاں کر دی کہ خدا کے دیکھنے کا پورا قلعہ ہی زمین پر آ رہا۔

مولوی صاحب۔ واقعاً اعراف والی آیت تو بالکل اسکے خلاف نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارے علمار نے اس آیت کو کیوں نظر انداز کر دیا۔

ہدایت خاتون۔ تم اپنے علمار کی کس کس کارروائی پر حیرت ظاہر کرو گے۔ اب دوسری آیت سنو جس سے مثل آفتاب روشن ہو جاتا ہے کہ خدا کو نہ کسی نے کبھی دیکھا نہ قیامت تک کوئی دیکھ سکتا ہے۔ فرماتا ہے واذ قلتم یاموسیٰ لن نؤمن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب (اے بنی اسرائیل) تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تم پر اُس وقت تک ایمان نہیں لائینگے جب تک خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں۔ اس پر تمھیں بجلی نے لے ڈالا اور تم تکتے ہی رہ گئے (پ رکوع ۶)

مولوی صاحب۔ اس سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ مجھے تو تمھارے موافق کوئی بات نہیں ملتی ہے۔

ہدایت خاتون۔ یہ کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم سے کہتے تھے کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ اور وہ جواب دیتی تھی کہ تم ہمیں خدا کی زیارت کرا دو تو ایمان لائیں۔ یہ بات اس درجہ خدا کے غضب کا باعث ہوئی کہ اُن لوگوں پر بجلی گر گئی۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ پر ایمان لائیں اور اُس نے حضرت موسیٰ کو ان لوگوں پر اس غرض سے مبعوث ہی کیا تھا۔ اور اُن لوگوں نے بھی اپنے کسی ذاتی نفع کی شرط نہیں کی بلکہ خدا کے دیکھنے کی تمنا کی اب اگر خدا کا دکھائی دینا ممکن ہوتا تو خدا پر فرض تھا کہ وہ اُن لوگوں کو دکھائی دے دیتا تاکہ وہ سب ایمان لاتے مگر یہ امر محال تھا۔ خدا کے اختیار میں بھی نہ تھا کہ اپنے کو کسی طرح دکھا دیتا اس وجہ سے وہ ان لوگوں پر غضبناک ہوا کہ جو امر ناممکن ہے اور جسکے محال ہونے کو خود ان کی عقل بتاتی ہے اسی بات کی یہ لوگ درخواست کر رہے ہیں۔ اس سبب سے ان پر بجلی گر گئی۔ اگر خدا کا دکھائی دینا ممکن ہوتا تو ان لوگوں کی درخواست پر بجلی گرانا خدا کا ظلم عظیم ہوتا مگر اس کا دیکھنا محال تھا اور ہمیشہ محال ہی رہیگا اس سبب سے ان کے سوال پر غضب الٰہی کو جوش آگیا۔

مولوی صاحب۔ خیر یہ ایک آیت ہے یا اور کسی سے بھی تم اپنا دعوےٰ ثابت کر سکتی ہو۔

ہدایت خاتون۔ نہیں اور سنتے جاؤ۔ یسئلک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتابا من السماء فقد سالوا موسیٰ اکبر من ذالک فقالوا ارنا اللہ جھرۃ فاخذتھم الصاعقۃ بظلمھم۔ اے رسول یہودی جو تم سے درخواست کرتے ہیں کہ ان پر ایک کتاب

آسمان سے اتروا دو تو تم اس کا خیال نہ کرو کیونکہ یہ لوگ موسیٰ سے اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں چنانچہ (ایک دفعہ) کہنے لگے کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دو۔ اس پر ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے ان کو لے ڈالا۔ (پارہ ۶ رکوع ۲)۔ اس آیت کا مضمون بھی وہی ہے جو پہلی آیت میں ہے۔ اس کے ساتھ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ بنی اسرائیل نے جو حضرت موسیٰ سے خدا کے دکھا دینے کی درخواست کی اس کو خدا نے ان لوگوں کا ظلم قرار دیا۔ پس اگر خدا کا دکھائی دینا ممکن ہوتا تو خدا کی اس درخواست کو ظلم نہ فرماتا۔ بلکہ آسانی سے ان لوگوں کو اپنی زیارت کرا کے ان کو ایمان لانے پر آمادہ کر دیتا جس سے وہ سب با ایمان ہو جاتے۔

مولوی صاحب۔ خیر ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کو خدا نے اس قابل نہ سمجھا ہو کہ انھیں اپنی زیارت کرا دیتا۔ اور ہم لوگوں کو اس شرف سے مخصوص فرما دیا ہو۔

ہدایت خاتون۔ سبحان اللہ۔ تم سے زیادہ اُن لوگوں کو دکھا دینے کی ضرورت تھی کیونکہ تم لوگ تو بے دیکھے خدا کو مان چکے اور حضرت رسولخدا صلعم پر ایمان لا چکے ہو۔ اگر تم کو اپنی زیارت نہ کرائے تو کوئی نقصان نہیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے تو اپنا ایمان ہی خدا کے دیکھنے پر موقوف کر دیا تھا اور ان کو زیارت نہ کرانے کی وجہ سے وہ لوگ ایمان سے محروم رہے جو کتنا بڑا نقصان ہوا۔ پس اگر خدا کا دکھائی دینا ممکن ہوتا تو یقیناً خدا ان لوگوں کو اپنی زیارت کرا دیتا۔ کبھی بنی اسرائیل کے گمراہ رہنے کو گوارا نہیں کرتا۔ وہ تو لوگوں کی ہدایت کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ اسکے خلاف کیسے کرتا۔

مولوی صاحب۔ اچھا اور کوئی آیت بھی ہے؟۔

ہدایت خاتون۔ ہاں سنو۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔ اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ دوسروں کی نظروں کو خوب دیکھتا ہے اور وہ بڑا باریک بین خبردار ہے (پ ۷ ع ۱۸)۔ اگر غور کرو اور انصاف سے کام لو تو معلوم ہو کہ تم لوگ جو کہتے ہو کہ قیامت میں خدا کو دیکھو گے اس سے درحقیقت خدا کے کلام کی تکذیب کرتے اور اسکو جھٹلاتے ہو۔ وہ تو فرماتا ہے کہ اس کو کسی کی آنکھ کبھی دیکھ سکتی ہی نہیں۔ اور تم لوگ کہتے ہو کہ خدا کہتا ہے تو اسے بکنے دو۔ ہم لوگ اسے ضرور دیکھیں گے۔ معاذ اللہ۔ اس ایک عقیدے سے کتنی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ کہ خدا کو جسم والا ماننا پڑتا ہے۔ اس کو بدن کا محتاج تسلیم کرنا ہوتا ہے اسکی وجہ سے وہ دوسری ذات کا مخلوق ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اسکے کلام کی تکذیب بھی ہوتی ہے

مولوی صاحب ۔ کیا کہوں۔ کچھ بولا نہیں جاتا۔ معلوم نہیں ہمارے بزرگان دین نے کس عقل سے اس عقیدہ کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ لطف یہ ہے کہ ایسی حدیثوں سے ہمارے مذہب کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور اس قدر صاف ہیں کہ ان میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی تاویل بنتی ہے۔ خیر قرآن شریف کی اور کوئی آیت بھی ہے؟۔

ہدایت خاتون ۔ ہے کیوں نہیں۔ خدا تو جانتا تھا کہ بہت سے مسلمان اسکے دیکھنے کا اعتقاد پیدا کر لیں گے اس سبب سے اس نے بار بار ایسی آیتیں نازل کر دیں جن سے لوگ ہدایت حاصل کرنا چاہیں تو آسانی سے یقین کر لیں کہ ان کا یہ عقیدہ غلط ہے۔ سنو فرماتا ہے

ولما جاء موسی لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسے صعقا۔ فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین۔

اور جب موسیٰ (پیغمبر) ہمارا وعدہ پورا کرنے کوہ طور پر آئے اور اُن کا پروردگار اُن سے ہمکلام ہوا تو موسیٰ نے عرض کی خدایا تو مجھے اپنے کو دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز ہرگز اور کبھی بھی نہیں دیکھ سکتے مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ اگر (بالفرض محال) وہ اپنی جگہ قائم رہے تو سمجھنا کہ مجھے بھی دیکھ لوگے ورنہ نہیں۔ پھر ان کے پروردگار نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو اس کو چور چور کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے خداوندا تو دکھائی دینے سے بالکل پاک و پاکیزہ ہے۔ میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور میں سب سے پہلے تیری عدم رویت کا یقین کرتا ہوں۔ (پ ۹ ع ۷)

مولوی صاحب ۔ اگر خدا اس قابل نہیں تھا کہ کوئی اس کو دیکھ سکے تو حضرت موسیٰ اتنے بڑے پیغمبر نے کیوں خدا سے ایسی مہمل اور ناممکن بات کی درخواست کی؟۔

ہدایت خاتون ۔ اس وجہ سے کہ انکی قوم نے اس کے لئے اصرار کیا تھا۔ چنانچہ میں شروع ہی میں وہ آیت بیان کر چکی ہوں کہ بنی اسرائیل کہتے تھے جب تک ہم لوگ خدا کو دیکھ نہیں لینگے ایمان نہیں لائینگے۔ اسوجہ سے صرف اُن لوگوں کا الزام رفع کرنے اور انھیں تشفی دینے کے لئے حضرت موسیٰ نے خدا سے سوال کیا کہ ان لوگوں کو خدا کا جواب معلوم ہو جائے۔

مولوی صاحب ۔ اور بھی کوئی آیت ہے یا ختم ہو گئی ۔

ہدایت خاتون ۔ نہیں اور سنو وقال الذین لا یرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملئکۃ او نری ربنا۔ لقد استکبروا فی انفسھم وعتوا عتوا کبیرا۔

اور جو لوگ قیامت میں ہمارے حضوری کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے گئے۔ یا ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے۔ ان لوگوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور بڑی سرکشی کی ہے (پ ۱۹ ع ۱)

مولوی صاحب ۔ مگر اس آیت سے تو نہ خدا کی رویت کا امکان ثابت ہوتا ہے اور نہ عدم امکان۔

ہدایت خاتون ۔ نہیں۔ عدم رویت تو اچھی طرح ثابت ہے۔ تم لوگ کہتے ہو کہ قیامت میں خدا کو دیکھ لوگے۔ اسی قیامت کے متعلق خدا کا ارشاد ہے کہ جو لوگ ہمارے دربار میں حاضر ہونے کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کو دیکھتے کیوں نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ خدا کے دربار میں حاضر ہونے کی امید رکھتے ہیں وہ خدا کے دیکھنے کی فرمائش نہیں کرتے کیونکہ جانتے ہیں کہ اس کا دکھائی دینا محال ہے۔ اور ان کی اس فرمائش کو خدا ان کے تکبر کی دلیل اور سرکشی کی علامت قرار دیتا ہے۔ پس اگر خدا کا دکھائی دینا ممکن ہوتا تو خدا ان سے فرماتا کہ لو تم لوگ مجھے دیکھ لو۔ یا تم لوگوں کے قول کے مطابق اگر قیامت میں خدا کا دیدار ہو سکتا تو خدا ان لوگوں سے کہہ دیتا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ قیامت میں تم لوگ مجھے دیکھ لینا۔ یہ عجیب بات ہے کہ پورے قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں خدا نے یہ فرمایا ہو کہ لوگ قیامت میں مجھے دیکھینگے۔

مولوی صاحب ۔ اب بس کرو۔ میں تم سے پوچھتا جاؤنگا اور تم اسی طرح ایک ایک آیت پیش کرتی چلی جاؤ گی۔ ماشاءاللہ تم کو قرآن شریف بھی خوب یاد ہے۔

ہدایت خاتون ۔ اب بتاؤ کہ اتنی صریح آیتوں اور فیصلہ عقل و فہم کے ہوتے ہوئے تم لوگ کیسے اس کا اعتقاد رکھتے ہو کہ خدا کو ضرور دیکھو گے؟ اور کیا ایسا ہی خلاف عقل و خلاف خدا و رسول اعتقاد قبول کرنے کیلئے مجھ سے کہتے ہو کہ [illegible] چھوڑ کر یہ اعتقاد دین اختیار کر لوں۔

مولوی صاحب ۔ خیر اس اعتقاد کو بھی نہ ماننا کچھ ضروری تھوڑا ہی ہے۔

ہدایت خاتون ۔ تو گویا بغیر اس کا اعتقاد کئے بھی کوئی شخص سنی ہو سکتا ہے اگر ایسا

کرے تو پھر تمہارے مذہب کی کل کتابوں اور نہ معلوم کتنی حدیثوں کو جھٹلانا بھی تو ضروری ہوگا۔ کیونکہ اس امر کا اعتقاد نہ رکھنے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ان سب احادیث کو موضوع یقین کرلے۔ اور کتابوں کو تو چھوڑ بھی سکتا ہے مگر مشکوٰۃ کو کیا کرے گا۔ اور پھر صحیح بخاری کو کیسے چھوڑیگا جس کے بارے میں حضرات اہلسنت کا تقریباً متفقہ اعتقاد ہے کہ قرآن مجید کے بعد یہ سب کتابوں سے زیادہ صحیح ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیثیں سنو۔ معاذ اللہ۔ حضرت رسولؐ خدا کے متعلق ہے کہ حضرت دعا فرماتے تھے اسألك لذة النظر الی وجهك میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تیرے چہرے کے دیکھنے کی لذت میں بھی پاؤں۔ (مشکوٰۃ جامع الدعا، جلد ۳ ص۱۲۱) قالوا یا رسول الله هل نری ربنا یوم القیامة۔ قال هل تضارون فی رؤیة الشمس فی الظهیرة لیست فی سحابة قالوا لا۔ قال فهل تضارون فی رؤیة القمر لیلة البدر لیس فی سحابة قالوا لا۔ قال فوالذی نفسی بیده لا تضارون فی رؤیة ربكم الا كما تضارون فی رؤیة احدهما۔ صحابہ نے پوچھا اے رسولؐ خدا کیا قیامت کے دن ہم لوگ خدا کو دیکھیں گے؟ حضرت نے فرمایا جب ابر نہیں ہوتا تو دوپہر کے وقت آفتاب کے دیکھنے میں تم لوگ شک وشبہ کرتے ہو؟ سب نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا جب ابر نہیں ہوتا تو چودھویں رات کو چاند کے دیکھنے میں تم کو تردد ہوتا ہے؟ سب نے کہا نہیں۔ تب فرمایا خدا کی قسم تم لوگوں کو خدا کے دیکھنے میں بھی ذرہ برابر شک یا تردد نہیں ہوگا جس طرح تم میں سے ایک شخص دوسرے کو دیکھتا ہے اسی طرح تم لوگ خدا کو بھی[۱] دیکھو گے (مشکوٰۃ باب الحساب جلد ۳، ص۱۴۲)۔ فاذا رأیته

---

[۱] مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں "لا تضارون فی رؤیته۔ تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو اس طرح بے تکلف دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھتے ہو۔ تمکو اس کے دیکھنے میں دوسرے سے مخالفت یا جھگڑا کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یا دوسرے کو دھکیلنے اور ہٹانے اور تکلیف پہونچانے کی۔ یا تم اسکے دیدار میں ایک دوسرے سے ملے اور جڑے نہ ہوگے جیسے ہجوم میں ہوتا ہے بلکہ الگ الگ رہ کر اپنی اپنی جگہ میں بفراغت اس کا دیدار حاصل کرو گے" (انوار اللغۃ پ۱۵ ص۲۳)۔ "کیا تم کو چاند دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ نہیں ہر شخص بفراغت چاند کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح آخرت میں اللہ تعالٰے کا دیدار ہوگا۔" (ش پ۱۵ ص۲۵)

وقعت ساجداً۔ جب میں خدا کو دیکھونگا تو اُس کے سجدہ میں گر جاؤنگا (باب الحوض جلد ۴ صفحہ ۱۱) لا تمارون فی رویتہ ربکم ولا یبقی فی ذلک المجلس رجل الا حاضرہ اللہ محاضرۃ۔ شک نہیں کرنے کے تم اپنے پروردگار کے دیکھنے میں اور نہیں باقی رہیگا اس مجلس میں کوئی شخص مگر یہ کہ کلام کریگا اس سے اللہ تعالےٰ بے واسطہ اور اٹھا دیگا پردہ (مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ جلد ۴ صفحہ ۱۳۲) لو جس طرح میں پردہ استعمال کرتی ہوں اور محرم لوگوں کے سامنے پردہ اٹھا دیتی ہوں اُسی طرح تم لوگوں کا اعتقاد ثابت ہوگیا کہ دنیا میں خدا تم لوگوں سے پردہ کئے ہوئے ہے اور قیامت میں تم لوگوں سے اپنا پردہ اٹھا دے گا۔ غرض دنیا میں تم لوگ خدا کے نامحرم اور آخرت میں اس کے محرم ہو جاؤگے معاذ اللہ تم لوگوں نے بھی خدائے تعالےٰ کی کتنی مجامت بنا ڈالی ہے۔ اور سنو قال رسول اللہ انکم ستلقون ربکم عیاناً۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے خدا کو ننگا دیکھوگے (مشکوۃ باب رویۃ اللہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۶) اُف کس کس طرح خدا کی جسمیت ثابت کی گئی ہے۔

مولوی صاحب ۔ تم اپنی چھیڑ خوانی سے باز نہیں آتی ہو۔ خدا کو ننگا کون کہتا ہے؟ اور کس لفظ کا تم نے یہ ترجمہ کیا کہ ہم لوگ اس کو برہنہ ہی دیکھیں گے؟ انہیں باتوں سے مجھے غصہ پیدا ہوتا ہے۔

ہدایت خاتون ۔ روایت میں صاف لفظ عیاناً موجود ہے۔ اس کا ترجمہ کیا کروگے ننگا کے سوائے کوئی مطلب ہو تو بیان کرو۔ میں مان لوں۔ مگر جو ترجمہ کروگے اُس کا نتیجہ یہی نکلیگا۔

مولوی صاحب ۔ عیاناً کا معنے کھلم کھلا۔ صاف صاف۔ ظاہر بظاہر۔ بے شبہہ۔ بے خلاف نہ کہ ننگا۔ معاذ اللہ ایسا ترجمہ کرنا کفر ہے۔

ہدایت خاتون ۔ خیر۔ کھلم کھلا کا کیا مطلب؟ جب تم لوگ اُسے دیکھوگے تو وہ کپڑے پہنے ہوگا۔ یا لحاف۔ یا برقع۔ یا شال چادر اوڑھے ہوگا؟۔ اور پھر عیاناً کہنے کی ضرورت کیا ہوئی؟

مولوی صاحب ۔ ہوسکتا ہے کہ اُس وقت کرتا پائجامہ پہنے ہو۔ عمامہ باندھے ہو۔ غرض تہذیب ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ نہ کہ ننگا ہوگا۔

ہدایت خاتون ۔ سبحان اللہ۔ اسی آیۃ کا آخری حصہ یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا جس طرح تم آفتاب و ماہتاب کو دیکھتے ہو اسی طرح خدا کو بھی دیکھوگے۔ تو کیا آفتاب کرتا ٹوپی پائجامہ پہنے رہتا ہے اور تم لوگ اس کو اسی لباس میں دیکھتے ہو؟ یا چاند برقع اوڑھے رہتا ہے؟۔

مولوی صاحب ۔ کیا کہوں تم تو مجھے ہر طرح عاجز کر دیتی ہو۔ حدیثوں میں یہ تو ضرور ہے کہ

خدا کو آفتاب و ماہتاب کی طرح ہم لوگ دیکھیں گے۔ مگر اس کا ذکر نہیں ہے کہ اُس وقت وہ ننگا ہوگا یا لباس کے اندر ہوگا۔ اس سے تم کو اتنی چٹکیاں لینے کا موقع ملتا ہے۔ جو چاہو کہہ لو میں بالکل مجبور ہوں۔

ہدایت خاتون ۔ صحیح بخاری میں بھی یہ سب حدیثیں اسی طرح موجود ہیں کہ خدا کو تم لوگ اسی طرح دیکھو گے جس طرح آفتاب و ماہتاب کو دیکھتے ہو۔ اگر کہو تو اس کی عبارت بھی پڑھوں تاکہ تمہاری صحیح ترین کتاب کی تحقیقات بھی تمہارے پیش نظر ہو جائے۔

مولوی صاحب ۔ ضرورت تو اب نہیں ہے مگر خیر تم دو ایک حدیثیں اس کی بھی بیان کر دو اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اس میں بھی ایسی حدیثیں بہت ہیں۔ یہ مسئلہ تو ہم لوگوں کا اجماعی ہے۔

ہدایت خاتون ۔ سنو کنا عند النبیؐ فنظر الی القمر لیلۃ فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر۔ صحابہ آنحضرتؐ کے پاس چاندنی شب میں تھے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عنقریب تم لوگ خدا کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو (پارہ ۳ صہ ۳۱۲)۔
ستروں ربکم عیانا۔ عنقریب تم لوگ خدا کو برہنہ دیکھو گے (پ ۳ صہ ۳۲۱)

مولوی صاحب ۔ بس کرو۔ تم پھر وہی ننگا یا مادرزاد برہنہ ترجمہ کرو گی۔ اور مجھ سے برداشت نہیں ہوگا کہ خدا کو ننگا یا مادرزاد برہنہ سنوں اور تمہاری منطقی باتوں کا جواب بھی نہیں دے سکوں گا۔ میرا دل دکھیگا اور اپنے مذہب ہی کو گالیاں دینے لگوں گا۔

ہدایت خاتون ۔ تم خدا کو ننگا کہنے سے چراغ پا ہو رہے ہو حالانکہ تمہاری کتابوں کی حدیثیں بتاتی ہیں کہ خدا اسی طرح کمرے میں رہتا ہے جس طرح عورتیں رہتی ہیں۔ سنو (معاذ اللہ) حضرت رسولؐ خدا فرماتے ہیں استاذن علی ربی فیؤذن فاذا رایت ربی وقعت ساجدا۔ میں خدا سے اجازت چاہوں گا کہ (اندر) آنے کی اجازت دے۔ وہ اجازت دیگا تو میں جاؤنگا۔ اور جب خدا کو دیکھوں گا تو سجدہ کیلئے گر پڑونگا۔ (صحیح بخاری پ ۱ صہ ۱۱۱) بتاؤ اگر خدا اندر نہیں مانا گیا تو حضرت وہاں جانے کی اجازت کیسے مانگینگے۔ جب آنحضرتؐ اس کو باہر نہیں پائیں گے تب ہی تو اس سے اجازت چاہیں گے اور جب اجازت ملیگی تب خدا اندر ہی تو ہوگا۔ کیونکہ خدا اگر باہر ہوگا تو حضرت کو کہاں آنے کی اجازت دیگا جسکے بعد آنحضرتؐ اسکو دیکھکر سجدہ کرینگے۔

مولوی صاحب ۔ نہیں خدا کے لئے کپڑے اور کمرے کا مضمون پیدا کرنا تمہاری شوخی ہے۔ ہماری حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ خدا کو دیکھیں گے ضرور۔ جس طرح بھی ہو۔

ہدایت خاتون۔ ذکر ہے کیوں نہیں۔ سنو وما بین القوم وبین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبر علی وجھہ فی جنۃ عدن۔ تمام لوگ خدا کو قیامت میں اس سبب سے دیکھنے نہیں پائیں گے کہ خدا بڑائی کی چادر اوڑھے جنۃ عدن میں چھپا بیٹھا ہوگا (صحیح بخاری پ۳۰ صفحہ ۲۴۵) یہ بھی ہے فاستاذن علی ربی فی دارہ فیوذن لی علیہ فاذا رأیتہ وقعت لہ ساجدا فیدعنی ماشاء اللہ ان یدعنی۔ حضرت رسول خدا (معاذ اللہ) فرماتے تھے کہ میں خدا کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کر اندر جانے کی اجازت چاہوں گا۔ تو خدا مجھے اجازت دیگا۔ پس جب میں وہاں جا کر اس کو دیکھونگا تو اسکے سجدہ میں گر جاؤنگا۔ تو خدا جتنی دیر تک چاہیگا مجھے اسی طرح میرے سجدہ میں چھوڑ دے گا (صحیح بخاری پ۳۰ صفحہ ۲۴۵)

مولوی صاحب۔ اب بس بھی کرو گی یا پڑھتی ہی جاؤ گی۔ میں نے تو پہلے ہی کہا ہے کہ ایسی حدیثیں بخاری شریف میں بھی بہت ہیں۔

ہدایت خاتون۔ خیر میں ختم کرتی ہوں۔ یہ بھی تم نے سنا ہے کہ اللہ کو تم لوگوں نے بہروپیا بنا رکھا ہے۔ دیکھوں اب اس مضمون پر تم کتنا اچھلتے کودتے ہو۔

مولوی صاحب۔ دیکھو۔ تم اب بہت بڑھ چڑھ کر بولنے لگیں۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالے کو بہروپیا کون کہتا ہے۔

ہدایت خاتون۔ یہ بتاؤ بہروپیا کی شان کیا ہوتی ہے۔ تب میں بتاؤں کہ تم لوگوں نے کیسے خدا کو کہا ہے۔ اس کے بعد تمہارا ناچنا بھی دیکھوں۔

مولوی صاحب۔ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ بہروپیا کبھی کسی صورت میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی کسی اور صورت میں۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر اپنی صورت بدلتا اور تماشہ دکھاتا رہتا ہے۔

ہدایت خاتون۔ اللہ تم کو جزائے خیر دے۔ اب یہ حدیث دیکھو فیاتیھم اللہ فی غیر الصورۃ التی یعرفون فیقول انا ربکم فیقولون نعوذ باللہ منک ھذا مکاننا حتی یاتینا ربنا فاذا اتانا ربنا عرفناہ فیاتیھم اللہ فی الصورۃ التی یعرفون فیقول انا ربکم فیقولون انت ربنا۔ پس ان لوگوں کے پاس خدا ایک نئی صورت میں آئیگا جس کو پہچانتے نہیں ہوں گے اور کہے گا کہ میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ تو وہ لوگ کہیں گے ہم تجھ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہم اسی جگہ رہینگے یہانتک کہ ہمارا خدا ہمارے پاس آئے۔ جب ہمارا خدا ہمارے

پاس آئے گا تب ہم خود اس کو پہچان لینگے۔ اب خدا ان لوگوں کے پاس اُسی صورت میں آئے گا جس کو وہ لوگ پہچانتے ہوں گے اور کہیگا کہ میں ہی تمھارا پروردگار ہوں۔ تب وہ لوگ کہینگے ہاں تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ (صحیح بخاری پ ۲۷ ص ۱۵۲)۔ دیکھا تم نے کہ پہلے خدا ان لوگوں کے پاس دوسرے بھیس یا صورت میں آئیگا۔ جب وہ لوگ اس سے انکار کرینگے تب دوسرا بھیس یا صورت بدل کر پہونچیگا اور کہے گا لو اب تو تم مانو گے۔ اس پر وہ لوگ بول اٹھینگے ہاں تو ہی میرا رب ہے۔ بتاؤ بہروپیا بھی یہی کرتا ہے یا اور کچھ؟۔ دیکھوں تمھاری عقل کیا فیصلہ کرتی ہے۔

مولوی صاحب۔ کیا کہوں۔ میری تو زبان بند ہوگئی۔ گر میں ایسے عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں۔ نہ خدا جسم والا ہے اور نہ اس کا دیکھنا ممکن ہے۔ مگر یہ کیسے معلوم ہو کہ تم لوگوں کا ایسا اعتقاد نہیں ہے۔

ہدایت خاتون۔ واہ، یہ بھی تو بڑا جھگڑا ہمارے اور تمھارے مذہب میں ہے کہ تم لوگ خدا کے دیدار کے قائل ہو اور ہم لوگ اس سے انکار کرتے بلکہ اس کو محال سمجھتے ہیں۔ خود شاہ صاحب نے لکھا ہے "عقیدہ بست و دوم یہ کہ حق تعالےٰ کو دیکھیں گے اور مومنین اُس کے دیدار سے آخرت میں مشرف ہونگے۔ کافر اور منافق اس نعمت سے محروم رہیں گے اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے لیکن تمام فرقے شیعہ کے متفق ہیں انکار رویت پر اور کہتے ہیں کہ اُس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا" (ہدیۂ مجیدیہ ترجمہ تحفۂ اثنا عشریہ باب ۵ ص ۲۹۳)

مولوی صاحب۔ تو میرا بھی اب یہی اعتقاد ہو گیا کہ خدا کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

ہدایت خاتون۔ تو یہ صاف صاف کہو کہ اس مسئلہ میں تم نے مذہب اہلسنت چھوڑ دیا اور شیعہ ہو گئے۔

مولوی صاحب۔ اب تم جو سمجھو۔ میں ایسا خلاف عقل اعتقاد نہیں رکھ سکتا جس پر بچے بھی ہنس دیں۔

ہدایت خاتون۔ الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ۔ اللھم صل علی محمد وآلہ الطیبین الطاھرین المعصومین۔ اسکے بعد سجدہ میں جاکر دیر تک خدا کا شکر ادا کرتی اور خوشی کا رسے روتی رہی۔

نواں باب

بمبئی میں عیسائیوں اور مسلمانوں کا زبردست مناظرہ

مشہور مدرسہ دیوبند میں ایک قابل طالب العلم مولوی کریم الدین صاحب پڑھتے تھے۔ جب وہ کی دستار بندی ہوچکی تو بیچارے کو ذریعۂ معاش کی فکر ہوئی۔ ادھر اُدھر ملازمت تلاش کرنے لگے لیکن کہیں کامیابی نہیں

ہوئی۔ اسی سلسلہ میں دہلی پہونچے اور کوشش شروع کی کہ کسی اسکول میں مدرسی کی جگہ مل جائے۔ وہاں معلوم ہوا کہ صیغہ تعلیم کے افسر صاحب اور امریکن مشن کے بڑے پادری صاحب میں گہرے مراسم ہیں۔ اگر پادری صاحب سفارش کر دیں تو وہ ان کے لئے کوئی جگہ نکال دیسکتے ہیں۔ یہ پادری صاحب کے پاس پہونچے۔ وہ بڑے خلیق اور ہمدرد انسان تھے۔ ان کی خوشامدیں کیں وہ بیچارے ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور وعدہ کیا کہ افسر مذکور سے ملاقات ہونے پر ان کا ذکر کرینگے اس کے بعد یہ بیچارے برابر وہاں پہونچنے لگے۔ پادری صاحب کے ماتحت جو دیسی پادری صاحبان تھے انھوں نے ان کو اپنے رنگ میں ڈھالنا چاہا برابر مذہبی گفتگو ہونے لگی۔ کچھ دنوں کے بعد ان سب نے آپس میں سازش کر کے ان سے کہا کہ مولوی صاحب اگر آپ کو ملازمت کسی اسکول میں ملی بھی تو بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سے زیادہ کی جگہ ممکن نہیں اور ہم لوگ اسی۔ نوے۔ سو ۱۰۰ پاتے ہیں آپ بھی عیسائی ہو جائیں فوراً پچاس ۵۰ روپیہ ماہوار ملنے لگے گا اور آئندہ بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے۔ مولوی کریم الدین صاحب نے سنا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بہت بگڑے، بہت غیظ وغضب کا اظہار کیا۔ مگر چونکہ بڑے پادری صاحب سے ان کی غرض اٹکی ہوئی تھی اس سبب سے وہاں کا جانا موقوف نہ کر سکے اور دیسی پادری سب روزانہ مذہبی چھیڑ کرتے اور ان کو سبز باغ دکھاتے رہتے تھے بیچارے فقر و فاقہ کی مصیبت سے عاجز آگئے تو دنیا ان کی نظروں میں اندھیری ہونے لگی ان پادریوں نے بڑے پادری صاحب سے کہا کہ اگر حضور اس وقت سو روپیہ سے ان مولوی صاحب کی مدد کر دیں تو قوی امید ہے کہ یہ شکار جال میں پھنس جائے اور ہم لوگ کامیاب ہو جائیں۔ پادری صاحب نے جب مولوی کریم الدین صاحب کی پریشانی سنی تو بے چین ہو گئے اور فوراً سو روپیہ مخفی طور پر ان کو دے کر کہا کہ جب تک کوئی ملازمت نہیں ملتی اسکو صرف کیجئے۔ مولوی صاحب نے شکریہ ادا کر کے لے لیا اور کچھ آسودہ ہوئے اس کے بعد ان دیسی پادریوں نے اور زیادہ ان کو تبدیل مذہب کیلئے چھیڑنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ چار پانچ مہینہ کے بعد مولوی کریم الدین صاحب عیسائی ہو گئے اسکے بعد انھوں نے بڑے پادری صاحب سے اس طرح باتیں کیں۔

پادری کریم الدین صاحب۔ حضور اب میرے متعلق کیا کام ہوتا ہے تاکہ بے کاری میں وقت ضایع نہ ہو۔

بڑے پادری صاحب۔ بہتر ہے آپ مصر چلا جائے اور وہاں مذہب اسلام کی تحقیقات کو خوب پورا کرے۔ وہاں سے واپس آکر مسلمانوں کو عیسائی بنا دے۔

پادری کریم الدین صاحب۔ حضور وہاں تین چار سال سے کم نہیں رہنا ہوگا۔ اور خرچ زیادہ ہوگا۔ ان تمام باتوں پر خوب غور فرمائیں۔

بڑے پادری صاحب۔ کچھ پرواہ کی بات نہیں۔ مشن آپ کو پورا خرچ دیگا۔ آپ جی لگا کر وہاں کام کرے۔ وہ بڑا اچھا جگہ ہے۔

پادری کریم الدین صاحب۔ جب میرے مصارف کا انتظام ہو جائیگا تو مجھے بھی جانے میں کوئی عذر نہیں۔ وہاں عیسائی اور مسلم علماء کا مجمع ہے لطف ہی لطف ہوگا۔

بڑے پادری صاحب۔ وہاں بالکل چپ لگا کر کام کرنا ہوگا۔ کسی کو خبر نہیں ہونے سے اچھا ہوگا۔ نہیں تو گڑبڑ کا ڈر ہے۔

پادری کریم الدین صاحب۔ نہیں میں اپنے کام کو بہت پوشیدہ رکھونگا۔ آپ لوگ میری خدمات سے بہت خوش ہوں گے۔

بڑے پادری صاحب۔ ہاں ہم کو بھی ایسی موافق امید ہے۔ آپ بڑا قابل آدمی ہے۔ آپ اسلام کا جواب شروع کریگا تو ہمارا مذہب خوب ترقی کریگا۔

پادری کریم الدین صاحب۔ اچھا تو اب میں کب تک روانہ ہو جاؤں۔ سامان سفر میں بھی تو کچھ زر نا صرف ہوگا۔

بڑے پادری صاحب۔ بس ایک مہینہ میں آپ روانہ ہو جاتے تو اچھا بات ہے۔ یہ روپیہ ہے۔ اور روپیہ جاتے وقت مل جائیگا۔

غرض پادری کریم الدین صاحب مصر روانہ ہو گئے۔ آدمی بڑے اچھے دماغ کے تھے۔ ذہن وحافظہ دونوں خداداد ملے تھے۔ اسکے ساتھ محنت میں بھی بھوت تھے۔ بہت سی کتابیں اپنے ساتھ رکھ لیں ان سب کو بھی رستہ میں دیکھتے گئے۔ پھر مصر پہونچنے کے بعد بڑے کتب خانوں میں کافی وقت صرف کرنے لگے۔ طالب العلم کی صورت میں مختلف علماء سے مذاکرہ مباحثہ کرتے اور اپنے خیال میں اپنے مطلب کے مواد جمع کرتے رہے۔ جب آدمی کسی کام پر آمادہ ہو جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔ وہاں عرب والے عیسائی علماء سے بھی پادری صاحب ملتے اور اسلام کے خلاف زہریلے مضامین و مسائل کے ذخیرے حاصل کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ تین سال کی مدت میں پادری کریم الدین صاحب نے اسلام

ے خلاف بہت کچھ چیزیں جمع کر لیں اور چونکہ خود بھی اسلامی علوم کے اچھے فاضل تھے۔
س وجہ سے معمولی بات سے بڑے بڑے نتیجے پیدا کرنے کا بھی کافی ملکہ پیدا ہو گیا تھا۔
ین سال کے بعد مصر سے واپس آئے۔ جب بمبئی پہونچے تو ایک بڑا اشتہار اس مضمون کا چھپوایا
کل مسلمان بھائیوں کو معلوم ہو کہ میں پہلے خاندانی مسلمان تھا۔ اور دیوبند کے مشہور مدرسہ
یں فلاں تاریخ تک تحصیل علوم کی مگر تکمیل و دستار بندی کے بعد اپنی جگہ مذہبی تحقیقات شروع
ں تو مجھے دین اسلام غلط اور مذہب عیسائی صحیح نظر آیا۔ اس وجہ سے میں نے اس دین کو قبول
ر لیا۔ اس کے بعد مصر میں بھی بہت دنوں تک تحقیقات کرنے کے بعد اور زیادہ یقین کر لیا کہ
ذہب اسلام کسی طرح اختیار کرنے کے قابل نہیں ہے۔ پس اگر علماء اسلام میرے اعتراضات
ا جواب دے کر میری تشفی کر دیں تو میں پھر حلقۂ اسلام میں واپس آ سکتا ہوں"۔ یہ اشتہار
بمبئی کے نمایاں مقامات پر چسپاں کرا دیا اور اس کے بہت سے پرچے دہلی۔ دیوبند۔ سہارنپور
ا ہور۔ امرتسر وغیرہ مقامات کے علماء کے پاس بھی بھیجدیئے۔ اس اشتہار نے اہل اسلام
یں بڑی ہلچل پیدا کر دی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ آریہ اخبارات نے بھی اس اشتہار کو جلی حرفوں
سے نقل کر کے اور مسلمانوں کو چھیڑ چھیڑ کر پورا جوش پیدا کر دیا۔ غرض مسلمانان بمبئی آمادہ
ہو گئے کہ پادری کریم الدین صاحب سے ضرور مناظرہ کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے چندہ جمع کر کے
یک بڑی رقم مہیا کر لی اور مختلف مقامات کے علماء کو جو فن مناظرہ میں تجربہ کار تھے بلا لیا۔
حیدرآباد کے مولوی رکن الدین صاحب کو بھی تار دیا۔ چند دنوں میں علماء اسلام کافی تعداد
یں بمبئی پہونچ گئے مگر ہمارے دوست مولوی رکن الدین صاحب نے معذرت کا خط بھیجدیا کہ والدہ صاحبہ
ی علالت کی وجہ سے مجبور ہیں۔ غرض جو علماء جمع ہو گئے تھے انہیں سے پادری صاحب نے مناظرہ
شروع کیا۔ انھوں نے ایک بڑی کارروائی یہ کی تھی کہ مصر میں رہ کر کافی مدت میں قرآن کی ایسی
آیتوں بلکہ الفاظ تک کی فہرست بنائی تھی جن پر ان کے خیال میں علم نحو یا صرف یا لغت۔ یا معانی و
بیان کے اعتبار سے اعتراضات ہو سکتے تھے۔ اسکے ساتھ انھوں نے مستند اہل عرب کا کلام
جمع کر لیا تھا جس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ اگر قرآن مجید کی عبارت صحیح مانی جائے تو اہل عرب کا کلام
غلط ہوتا ہے۔ ورنہ قرآن میں غلطیاں تسلیم کرنی پڑینگی۔ مناظرہ بڑے دھوم سے شروع
ہوا۔ مسلمانوں۔ عیسائیوں کے علاوہ آریوں کا بھی بڑا مجمع ہوتا تھا۔ پادری صاحب نے

فرار اڈیٹر النجم | مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر اخبار النجم و اخبار آفتاب لکھنؤ کا جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح سے مناظرہ کیلئے آنا اور پھر مناظرہ کے شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے۔ قیمت ۲ر

فتح مبین | اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم مذکور کے مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہو جانے کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ قیمت ۲ر

فتح الرحمان | اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانا ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا۔ قیمت ۲ر

فتح القدیر | اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جا کر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے۔ قیمت ۲ر

قول کریم | ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے جسمیں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور انکی کتابوں سے قرآن کی تحریف اسطرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آجتک اڈیٹر النجم سے بھی اسکا جواب نہیں ہو سکا۔ قیمت عہ ر

معراج شہادت | شہادۃ امام حسینؑ کے متعلق جناب مولوی سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا مصنف کتاب "نور ایمان" کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے۔ قیمت ۲ر

مشعل ہدایت | جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی اے مجسٹریٹ پنشنر گیا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جسمیں دکھلایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولؐ اور انکے آل و اصحاب کیلئے کیا فرماتا ہے اور قرآن مجید سے آل اطہارؑ کا کیا پایہ ثابت ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت پر کسکی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت مجسٹریٹ آپ نے سنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے حجم ۲۱۲ صفحہ قیمت صرف عہر

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا | فرقہ اہل القرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اسکے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہل قرآن و قول فیصل شائع کر کے ثابت کر دیا گیا کہ قرآن مجید وضو میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہل القرآن کو بھی ماننا پڑا۔ قیمت عہر

اسلامی خدا | توحید خدا کا آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کر کے واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۴ر

آل و اصحاب | اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرین کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ کے ساتھ کس درجہ بے رحمی کا برتاؤ کیا کہ وقت کے [illegible] اسلامی تاریخی حیثیات کا خلاصہ ہے۔ قیمت ۱۲ر

جواب شرر مسٹر عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا بہت مخش اور گندہ ناول لکھکر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگادی تھی۔ اسکا مفصل جواب اور تاریخی تحقیقات کا بےمثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت ۱۲

صاحب العصر والزمان حضرت حجتؑ کے وجود اور غیبت کی بہت زبردست دلیلیں اور قادیانی فرقہ نے حضرتؑ کے بارے میں جو اعتراضات کئے ہیں اُن کا مفصل اور تشفی بخش جواب۔ قیمت ۱۲

عقل و تہذیب اہلحدیث فرقہ اہلحدیث کی عقل تہذیب انسانیت۔ مذہب اور خصوصاً انکے علماء و پیشوایان دین کے قابل مضحکہ حالات کا مکمل مجموعہ۔ قیمت ۱۲

فتنہ شبلی شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں لکھا تھا کہ معاذ اللہ جناب امیرؑ نے بھی ایک دفعہ شراب پی تھی۔ اس کی مفصل اور محققانہ رد کرکے اس روایت کی دھجیاں اُڑا دی گئی ہیں۔ قیمت ۸

تحریف قرآن کے بارے میں اہلسنت اعتراض کرتے ہیں۔ رسالہ حد السارق میں پوری تحقیق اور جامعیت سے ثابت کردیا گیا ہے کہ تحریف قرآن کے قائل اہلسنت ہیں اور انکی کتابوں سے یہ اسطرح واضح ہے کہ کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

مسئلہ فدک سنی شیعہ کے درمیان بہت زبردست بحث ہے۔ نواب محسن الملک بہادر نے شیعوں کے خلاف آیات بینات میں بہت زور لگایا ہے اسکا مفصل جواب کمال تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب شیعوں کیلئے نعمت عظمیٰ ہے جلد اول ۸ دوم ۸ سوم ۸ چہارم ۸

مقدمہ نہج البلاغہ بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔ اس کتاب میں نہایت تحقیق و جامعیت سے اسکو حضرت کا کلام ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲

مذہبی کہانی اس رسالہ میں ناول کے طرز پر اصول دین کی باتیں بہت واضح اور دلچسپ عنوان سے بچوں کیلئے لکھی گئی ہیں قیمت ۱۔ المشتہر:- منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

ڈاکخانہ کھجوا انگریزی میں ڈاکخانہ کھجوا اسطرح لکھا جائے:- P.O. KUJHWA (BIHAR CIRCLE)

اکسیر پائیریا یہ موذی مرض جس طرح عامۃ البلویٰ ہو رہا ہے ظاہر ہے۔ ہم بہت سے مخصوصین اور احباب کے امرار سے اپنے اس کامیاب منجن کو بصورت اشتہار پیش کرتے ہیں۔ قیمت ایک ڈبیہ ۸ منگا کر ضرور امتحان کیجئے۔ یہ پائیریا کا تیر بہدف علاج ہے جسکی ہر طرف دھوم ہو رہی ہے۔

المشتہر:- منیجر مطب جناب حکیم سید باقر رضا صاحب چھپرا (بہار)

برقی نمک معدہ کیلئے بہت مفید ہے۔ غذا کو صحیح ہضم کرتا ہے۔ دست اور قے کو روکتا اور درد کو دور کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ اکسیر ہے۔ ہر گھر میں اس کا رہنا ضروری ہے۔ قیمت ایک شیشی ۲

المشتہر:- سید مرتضیٰ حسین رضوی موضع گوپالپور ڈاکخانہ باقر گنج ضلع سارن

(سید غازی الدین حیدر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھاپ کر شایع کیا)

صلاح

سنہ ۱۳۵۷ھ
ماہ جمادی الاولیٰ و جمادی الثانیہ
جلد ۲

مدیر
مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

دار الاشاعت
کھجوا (صوبہ بہار)
سالانہ ... خریداروں سے تین روپیہ
... سے پانچ روپیہ

مکرر پرچہ نہیں جا سکتا

بعض ہمدردان اصلاح اپنے پرچوں کی پوری حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر دفتر اصلاح میں شکایت کرتے ہیں کہ اتنے نمبر نہیں ملے مکرر فوراً بھیج دیجئے۔ ان کل حضرات سے التماس ہے کہ جس وقت رسالہ پہونچا کرے پڑھ کر اگر صندوق یا الماری میں مقفل کرکے بند کر دیا کریں تو کوئی نمبر ضائع نہ ہو۔ ہاں ایک نمبر پہونچنے پر اگر ہمیں معلوم ہو گا کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو وہ مکرر روانہ کر دیا جائے گا۔ مگر دو تین نمبروں کے بعد قبل کا نمبر طلب کیا جائیگا تو نہیں جا سکتا۔ مثلاً نمبر ۵ پہونچنے پر اگر لکھا کہ نمبر ۴ نہیں ملا تھا تو مکرر بھیج دیا جائیگا لیکن اگر نمبر ۹ پر طلب کیجئے گا تو وہ نہیں جا سکتا۔ بلکہ اس کے لئے فی نمبر ۸ر قیمت آپ کو بھیجنی پڑے گی۔

جو لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل جاتے ہیں

وہ فوراً دفتر اصلاح میں بھی اپنے جدید پتے کی اطلاع دے دیا کریں ورنہ ان کا رسالہ اصلاح سابق پتے پر جاتا رہے گا اور پھر دفتر سے مکرر نہیں بھیجا جائیگا اکثر حضرات اسکی پابندی نہیں کرتے جس سے دفتر کو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔

۱۳۵۷ھ ہجری کا چندہ اصلاح

۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۷ھ ہجری کا چندہ اصلاح جن حضرات نے اب تک نہیں بھیجا وہ فوراً بذریعہ منی آرڈر روانہ کرکے شکر گزار کریں ورنہ آئندہ نمبر ضرور وی پی روانہ کیا جائے گا جس میں آپ کا ۳ر پیسہ فضول خرچ ہو جائیگا۔ بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیج دیا خط لکھ کر چندہ کیوں نہیں طلب کیا۔ ان سب کی خدمت میں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط اور نہ اتنا مال ہے کہ ہر شخص کو ۹ر کا پوسٹ کارڈ بھیجا جایا کرے۔ بس اس اطلاع کو آر کارڈ خیال کرکے فوراً اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرما دیں کہ وی پی بھیجنا ہمارے لئے مصیبت ہے۔

ناول جوہر قرآن و سوانح عمری حضرت عمر

دفتر اصلاح کے مشہور دلچسپ ناول تصویر عزا کی برابر فرمائشیں آرہی ہیں مگر ہم بھیجنے سے مجبور حضرات اسکے دیکھنے کے لئے بے چین ہیں۔ اسی طرح جو حضرات اسی وقت سے رسالۂ اصلاح کے ہونگے اور ناول جوہر قرآن و سوانح عمری خلیفۂ دوم ختم ہونے پر طلب کرینگے تو بہت افسوس کرینگے

ڈاکخانہ کھجوا

انگریزی میں ڈاکخانہ کھجوا اس طرح لکھا جائے۔ ...NWA(BIHAR CIRCLE)

فہرست مضامین اصلاح ۵ و ۶ جلد ۴۲

انصار اصلاح

حسب ذیل ہمدردان دین و ملت نے اس سال رسالہ اصلاح کے جدید خریدار عنایت فرما کر کمال درجہ شکرگزار کیا۔ خدا سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (۲۸) جناب مولوی سید زین العابد صاحب حیدرآباد دکن ۱ (۲۹) جناب غلام نبی اظہر صاحب شہر سلطان ضلع مظفر گڈھ ۱ (۳۰) جناب سید احمد علی صاحب اسٹیشن ماسٹر بلاسپور ۱ (۳۱) جناب منشی محمد حسین صاحب پی ٹی انسٹرکٹر ڈکھیم پور ۲ (۳۲) جناب مولوی حاجی اطہر حسین صاحب موتیہاری ۱ (۳۳) جناب سید محمد رضی صاحب پوسٹماسٹر بلاسپور ۴ (۳۴) جناب سید محمد امیر صاحب ایڈوکیٹ مظفرنگر ۱ (۳۵) جناب مولوی میر یوسف علی صاحب مہتمم بنگلہ جات سرکاری حیدرآباد دکن ۲ (۳۶) جناب حکیم سید ضمیر انور شاہ صاحب جرگ پٹیالہ ۱ (۳۷) جناب مولوی الطاف حسین شاہ صاحب بخاری چکڑالا ۱ (۳۸) جناب مولوی سید اسرار الحسنین صاحب مدرس فارسی ہاپوڑ ۲ (۳۹) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی مڈیکل افیسر انچارج شفاخانہ بلاسپور ۱ (۴۰) جناب مولوی مرزا علی بہادر صاحب ناظر ہائیکورٹ حیدرآباد دکن ۱ (۴۱) جناب سید احمد علی شاہ صاحب سب انسپکٹر ضلع مظفر گڈھ ۱ (۴۲) جناب منشی سید یعقوب حیدر صاحب ہڈ تھانہ بانگر مئو ۱۔ (باقی آئندہ)

خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے رسالہ اصلاح کو زندہ رکھا اور یہ نمبر بھی شایع کرا دیا۔ آئندہ کی مشکلات بھی وہ آسان کرتا رہے۔

اس سال کا تباہ کن سیلاب رسالہ اصلاح کی اشاعت میں اس طرف پہلے سے بھی زیادہ تاخیر ہوئی جس پر اسکے ہمدردوں کے شکایتی خطوط بہت کثرت سے موصول ہوئے

ان حضرات کو کیا خبر کہ ہم لوگ کس عالمِ بیکسی و بے بسی و غرق و فنا میں مبتلا ہو گئے تھے اور جس رسالہ کا انہیں اشتیاق ہے وہ زندہ بھی تھا یا گویا بند ہی ہو گیا تھا۔ اس کے کارکنوں کی زندگی ہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام فخر الحکماء والالہیین ظہیر الملۃ والدین سید العلماء المحققین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ کا سایہ ہم لوگوں کے لئے وہ نعمت عظمیٰ تھا کہ ہم لوگ گویا ہر مصیبت سے محفوظ تھے۔ مگر ۱۲ شعبان ۵۲ھ کو وہ سایہ اُٹھ گیا تو چند ہی دنوں کے بعد صوبہ بہار میں ایسا شدید زلزلہ آیا جس نے بے حد و حساب جان و مال کا نقصان کر دیا۔ اس کے بعد ہر سال اطراف کھجوا میں شدید سیلاب آ رہا ہے جس سے جائداد۔ زراعت۔ مکانات بھی ضایع و برباد ہو رہے ہیں۔ گرم خبر تھی کہ اس سال گورنمنٹ نے سیلاب کی پوری روک تھام کر لی ہے مگر افسوس ۸ / اگست سے ایسا شدید سیلاب آگیا جس نے سابق سیلابوں کو بھی بے حقیقت کر دیا۔ سیلاب کیا تھا قہر خدا تھا جس نے سب کچھ تباہ کر کے چھوڑ دیا۔ ساتھ ساتھ اوپر کی شدید بارش اور بھی تباہ کن تھی۔ لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو گیا۔ ہزاروں مکانات گر گئے۔ کتنی مخلوق خدا دنیا سے فنا ہو گئی۔ زراعت۔ تجارت۔ صنعت و حرفت زمینداری۔ غرض کل ذرائع معاش برباد اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ صوبہ متحدہ کا ظالم دریائے گھاگھرا یہاں سے دو میل پر ہے۔ بس اسی کی طغیانی ہر سال یہ عذاب لاتی ہے۔ دوسری طرف یہاں سے ۲ میل پر ریلوے اسٹیشن ہے اور کل ضروریات کے اسباب بیل گاڑیوں پر یہاں آتے ہیں۔ سیلاب کی اتنی طغیانی ہوئی کہ کھجوا کے چاروں طرف گویا سمندر نظر آتا تھا۔ کشتیوں پر لوگ یہاں سے کہیں جاتے اور باہر سے آتے تھے۔ گورنمنٹ اور خوشحال لوگوں نے کافی رقم خرچ کر کے سیلاب زدہ لوگوں کو مدد پہنچانے کی کوشش کی۔ مگر انسانی دسترخوان کتنے لوگوں کا پیٹ بھر سکتا ہے؟ ۲۳ ستمبر سے پانی کم ہونے لگا مگر اتنی ہی مدت میں سب کو تہ و بالا کر دیا کہ مکان کے اندر پانی بھرا ہوا۔ راستوں گلیوں میں بھرا ہوا۔ مکان کی دیواریں پانی کے اندر۔ اوپر کے

بارش کی مصیبت اور نیچے کے سیلاب کی تباہ کاریاں۔ نہ ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع۔ نہ گھر سے چیزوں کے نکالنے کی جگہ۔ صرف پڑے ہوئے موت کا انتظار کرنے میں بھی تو عافیت نہیں تھی غرض دوسروں کو اندازہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان سیلاب زدہ لوگوں پر کیا گزری۔

دفتر اصلاح کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو گئی۔ رہنے کے مکانات کثرت سے گر گئے اور جو باقی ہیں وہ بھی ایسے مخدوش ہو گئے کہ ان میں رہنا خطرہ سے خالی نہیں کتبخانہ کی کتابیں بہت ضائع و برباد ہوئیں۔ کاتب جو دوسرے شہر کے تھے اپنے وطن چلے گئے۔ مصلح سنگ کلکتہ روانہ ہو گیا۔ ایک اور کاریگر نے کھوا چھوڑ دیا۔ مشین مین بھی اپنا مکان گرنے سے پریشان حال رہا۔ کاغذ جو لکھنؤ سے منگایا گیا تھا ریوے اسٹیشن پر پڑا رہا۔ دفتر بند۔ پریس مقفل۔ کاریگر بدحواس۔ غرض کس کے حواس درست تھے کہ رسالہ چھاپنے کی طرف توجہ کرتا اور کون شایع کر سکتا۔ انہیں وجوہ سے ہم نے اخبار سرفراز و الواعظ لکھنؤ میں شایع کرا دیا تھا کہ اس وقت دفتر اصلاح کھوا سیلاب کے مصائب میں گرفتار ہے آپ حضرات دعا کریں کہ جلد ان آفات سے نجات ملے

بعض مومنین کی اعانت ان حالات کو معلوم کر کے حسب ذیل ہمدردان اصلاح نے اسکی مالی اعانت کی جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جناب سید محمد عباس صاحب دام مجدہ ملت ملایا ۱۰ے۔ مومنین نگینہ ضلع بجنور بسعی جمیل جناب حافظ سید امیر کاظم صاحب رئیس ۱۵ے (ممدوح ۵ر۔ جناب سید محمد احسن صاحب منصف ۵ر۔ جناب سید نبی عمران صاحب ۵ر۔ جناب سید نذر عباس صاحب عہ۔ مسماۃ سارہ بیگم صاحبہ عہ۔ جناب سید محمد سبطین صاحب عہ۔ جناب زاہد علی خانصاحب عہ۔ جناب سید ناصر حسین صاحب ۸ر۔ اور جناب سید خادم حسین شاہ صاحب گرداور قانونگو ضلع گرداسپور نے ۳ے روپیہ بھیجا کہ کسی غریب شیعہ کے نام رسالہ جاری کر دیا جائے۔ اس اعانت سے اصلاح ۴ کے شایع کرنے میں کافی مدد ملی۔ خدا سب کو جزائے خیر دے۔

آئندہ اصلاح کیونکر زندہ رہے؟ بہت تاخیر ہو جانے کی وجہ سے اصلاح ۵و۶ دونوں ایک ساتھ (بجائے ۱۱۲ صفحوں کے) صرف ۸۰ صفحوں پر شایع کر دیئے جاتے ہیں۔ باقی ۳۲ صفحے انشاء سال کے آخر میں زیادہ کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اس وقت بڑا سوال یہ ہے کہ رسالہ اصلاح اب کیونکر زندہ رہے۔ دفتر میں اسکی صلاحیت نظر نہیں آتی کہ بقیہ نمبروں کا انتظام کر سکے۔ اس کے لئے صرف کاغذ تقریباً سو روپیہ ماہوار کا چاہیئے۔ رسالہ

اصلاح کے بڑے معین جناب مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی صدر محاسب وظیفہ یاب ریاست حیدرآباد دکن دام مجدہم نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کی اعانت میں تین سو روپیہ جلد عنایت فرمائینگے۔ اگر وہ رقم آجاتی تو ماہ رجب وشعبان و رمضان المبارک کا اصلاح آسانی سے شائع ہوجاتا۔ مگر ابھی تک وہ موصول نہ ہوئی اور نہ اس سے کاغذ آسکا۔ اب ہمدردان اصلاح بتائیں کہ اسکی اشاعت کیونکر جاری رکھی جائے۔ جن حضرات نے سال گزشتہ وسال رواں کا چندہ اصلاح اب تک نہیں بھیجا اگر وہ فوراً بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں اور کل ہمدردان اصلاح صرف دو دو جدید خریدار اصلاح بھی ایسے عنایت فرمادیں جو اس سال اصلاح بھی لیں اور کتاب عظیم الشان تاریخ ائمہ بھی خریدیں اور ان سے چندہ اور قیمت کتاب خود وصول کرکے بذریعہ منی آرڈر جلد جلد بھیجتے جائیں تو آسانی سے سب مشکلیں حل ہوسکتی ہیں۔ اگر ایسے دو جدید خریدار اصلاح نہ ملیں تو صرف اصلاح یا کتاب تاریخ ائمہ ہی کے تین خریدار عنایت فرماکر شکرگزار کریں۔ بس مستعد ہوجانے کی ضرورت ہے خدا مدد کریگا۔

جوہر قرآن وسوانح دوم کی اہمیت

جناب مولوی سید ظہیر الدین حیدر صاحب ظہیر شادانی دام مجدہٗ جگراؤں سے لکھتے ہیں "جناب مولانا دامت مفاخرکم السامیہ: زادت ماثرکم السامیہ تسلیم۔ آپنے جو اصلاح میں سوانح نگاری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے بحد کامیاب ہوا ہے۔ واقعی آپ کی یہ مساعی جمیلہ لائق صد ستائش ہیں۔ سوانح عمری خلیفۂ اول ہی کیا کم تھی۔ سوانح عمری خلیفہ ثانی نے تو جہانِ اغیار میں ہل چل ڈالدی۔ اغیار اب ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ دونوں آپ کے بہترین شاہکار ہیں"۔ جناب حاجی سید جلال الدین حیدر صاحب ایم۔ اے دام مجدہ نے لکھنؤ سے لکھا "شیعہ بی بی اور سنی شوہر کا فسانہ جو میں نے محرم نمبر میں پڑھا تو پھر بقیہ دو پرچوں میں بھی سب سے پہلے اسی افسانہ کو پڑھا۔ ماشاءاللہ خوب لکھ رہے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خدا آپ کی صحت کو قائم رکھے اور آپ کو افکار سے نجات دے"۔

تبلیغ حق

دام ظلکم۔ اصلاح ۴ میں آپ کا یہ جملہ پڑھ کر "ہماری قوم میں اتنی دولت کہاں کہ جوہر قرآن وسوانح دوم کو اپنے پاس سے چندہ ادا کرکے دوسرے مسلمانوں میں مفت تقسیم کریں" مجھے تعجب ہوا میری قوم ابھی ایسی بے حس نہیں ہوئی۔ دونوں کتابوں کی اشاعت برادران اہلسنت میں بہت ضروری ہے۔ آپ میری طرف سے چار سنی بھائیوں کے نام رسالہ اصلاح اس سال جاری فرمادیں۔ میں طالب العلم ہوں میرا وظیفہ بہت کم ہے مگر میں اسی سے پانچ ماہ تک دو روپیہ ماہوار آپ کی خدمت میں بھیجکر سب کا چندہ ادا کردونگا۔ اور اس کا ثواب اپنی والدہ مرحومہ کی روح کو بخشوں گا۔ اگر دوسرے حضرات بھی اپنے مرحوم بزرگوں وعزیزوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کیلئے ایسا کریں تو ثواب بھی ملے اور دین حق کی تبلیغ بھی ہوتی رہے۔ فقط

ازسرگذشت فاطمہ رسی زفاطمہ

(از جناب مولانا عینی شاہ صاحب حنفی نظامی مد ظلہ حیدرآباد دکن)

خدا گواہ ہے فاطمہؑ اللہ والی تھیں۔ قرآن شاہد ہے فاطمہؑ طاہرہ مطہرہ تھیں۔ رسولؐ کا ارشاد ہے فاطمہؑ حور بہشت تھیں۔ مریم جیسی صدیقہ تھیں اور آسیہ جیسی زکیہ تھیں۔ عرش کا اشارہ ہے فاطمہؑ عرش مکان تھیں۔ آسمان کا کہنا ہے فاطمہؑ فلک منزلت تھیں۔ جبرئیل ناقل فاطمہؑ روح قدس تھیں۔ فرشتے قائل فاطمہؑ فرشتہ تھیں۔ حوروں کا بیان ہے فاطمہؑ حور تھیں۔ جنت نازاں فاطمہؑ خاتون جنت تھیں۔ وحی کا اشارہ ہے فاطمہؑ خدا کی آواز تھیں اور الہام کہتا ہے فاطمہؑ ملہم من اللہ تھیں۔ ایمان کہتا ہے فاطمہؑ سب کچھ تھیں۔

محمدؐ کی قسم فاطمہؑ روح محمدؐ تھیں۔ فاطمہؑ نفس محمدؐ تھیں اور شبیہ محمدؐ تھیں۔ نور کی قسم۔ فاطمہؑ نور کا ٹکڑا تھیں نور مجرد تھیں اور نور علی نور تھیں۔ حور کی قسم۔ فاطمہؑ پاک تھیں۔ طاہرہ تھیں اور انسانی حور تھیں۔ جنت کی قسم فاطمہؑ ثمر جنت تھیں۔ عطر جنت تھیں اور سیدۂ جنت تھیں۔ عرب کی قسم۔ فاطمہؑ سیدۂ عرب تھیں۔ سید العرب کی بی بی تھیں۔ کعبہ کی قسم۔ فاطمہؑ حقیقت کعبہ تھیں۔ اور مولود کعبہ کی زوجہ تھیں۔ مدینہ کی قسم۔ فاطمہؑ مدینہ کا چاند تھیں۔ محمدؐ کا چاند تھیں اور نور اسلام تھیں۔ امت کی قسم فاطمہؑ سیدۂ امت تھیں شہنشاہ امم کی نور نظر تھیں اور مولائے امت کی دولھن تھیں۔

رسالت فاطمہؑ پر نازاں۔ نبوت فاطمہؑ پر قربان۔ امامت فاطمہؑ کے شایاں۔ شرافت فاطمہؑ کی بلہار۔ سیادت فاطمہؑ کی نثار۔ طہارت فاطمہؑ کی زر خرید۔ عصمت فاطمہؑ کی مرید۔ عفت فاطمہؑ کی لونڈی۔ صداقت فاطمہؑ کی خادمہ۔ جنت فاطمہؑ کی گرویدہ اور امت فاطمہؑ کی زر خریدہ۔ نبیؐ فاطمہؑ کے نبوت فاطمہؑ کی۔ رسولؐ فاطمہؑ کے رسالت فاطمہؑ کی۔ امام فاطمہؑ کے امامت فاطمہؑ کی۔ وصی فاطمہؑ کے وصایت فاطمہؑ کی۔ ولی فاطمہؑ کے ولایت فاطمہؑ کی۔ شہید فاطمہؑ کے شہادت فاطمہؑ کی بلکہ خدا فاطمہؑ کا اور خدائی فاطمہؑ کی۔

قرآن فاطمہؑ کے گھر۔ اہل قرآن فاطمہؑ کے گھر۔ ایمان فاطمہؑ کے گھر۔ اور اہل ایمان فاطمہؑ کے گھر۔ جبرئیل فاطمہؑ کے گھر۔ تنزیل فاطمہؑ کے گھر۔ تکبیر فاطمہؑ کے گھر۔ تفسیر فاطمہؑ کے گھر۔ طٰہٰ فاطمہؑ کے گھر۔ یٰسین فاطمہؑ کے گھر۔ تطہیر فاطمہؑ کے گھر۔ تنویر فاطمہؑ کے گھر۔ رضوان فاطمہؑ کے گھر۔

جنان فاطمہؑ کے گھر۔ کوثر فاطمہؑ کے گھر۔ ساقیٔ کوثر فاطمہؑ کے گھر۔ جنت فاطمہؑ کے گھر۔ شہنشاہ جنت فاطمہؑ کے گھر۔ قسیم جنت فاطمہؑ کے گھر۔ سرداران جنت فاطمہؑ کے گھر۔ نثار جنت فاطمہؑ کے گھر۔ اور خود فاطمہؑ خاتون جنت۔ فرشتے ان کے چاکر۔ ثقلین ان کے نوکر۔ رضوان ان کا درزی۔ قدسی ان کا دھوبی۔ حور ان کی لونڈی باندی اور فاطمہؑ عالم کی شاہزادی۔

سال ولادت بروایت ابن جوزی پنج سال قبل بعثت اور بقول زہری پنج سال بعد بعثت۔ روایت موخر قرین قیاس اور ہر لوظ بر شہادت امام محمد باقرؑ ہے۔ رہی تاریخ ولادت وہ ۲۰ جمادی الثانی صبح یوم جمعہ فریقین سے مرزی ہے۔ فاطمہؑ کیا تولد ہوئیں مکان سرد چراغاں ہوگیا۔ فاطمہؑ حور تھیں نور تھیں اور بروایت بخاری چودھواں چاند اور بدر الدجیٰ تھیں۔ اور چاند بھی آسمان نبوت کا اور فلک رسالت کا چاند بھی ختم نبوت کا اور محمد رسول اللہ کا۔ کہ سارا روشن ہوگیا۔ کعبہ سارا جگ مگ جگ مگ کرنے لگا زمین و آسمان منور ہوگیا۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ بی بی فاطمہؑ محدثین کی روایات سے بھی ایک روشن ستارہ اور بدر کامل تھیں۔ اندھیرے میں نکلیں تو گلیاں روشن ہو جاتیں لوگ جان جاتے کہ فاطمہؑ کی سواری جارہی ہے۔ راستے سے گزر ہوتا تو خوشبو کی مہک جاتی اور مشام معطر ہو جاتے۔ کسی بی بی سے مصافحہ فرما لیا تو ہفتوں تک خوشبو باقی رہتی۔ ماں اور باپ دونوں کے دونوں آپ کی خوشبوئی سونگھا کرتے بلکہ باپ فرمایا کرتے بیٹی! تم ثمر بہشتی کا عطر ہو۔

فاطمہؑ تو لاڈلے باپ تھیں۔ صورت میں تصویر محمدؐ۔ سیرت میں سراپا محمدؐ۔ رفتار میں شبیہ محمدؐ گفتار میں نظیر محمدؐ تھیں۔ اخلاق میں ہو بہو باپ تھیں۔ لب و لہجہ میں باپ ہی باپ تھیں۔ ملکۂ عرب کی نور نظر شہنشاہ کونین کی لخت جگر۔ آرزوؤں تمناؤں کی جنی۔ ثمر جنت سے پھلی پھولی۔ جبرئیل امین کی لاڈلی خدا کی پیاری۔ رسولؐ کی دولاری۔ اور خدیجہؓ کی جائی۔ ہزاروں میں ایک تھیں۔ باپ بلہار تو ماں قربان۔ ماں واری واری جاتیں تو باپ نثار ہوتے تھے باپ کی نور نظر اور ماں کا کلیجا تھیں۔ نازک بدن۔ نازک مزاج۔ نازک طبع۔ نازک دماغ۔ نازک دل تھیں۔ آٹھ سال ماں اور باپ دونوں نے نازبرداریاں کیں۔ آٹھویں برس ماں کی گود سے جدا ہوئیں اور باپ ہی باپ نے کلیجے سے لگا کر پالا۔ آنکھوں پر رکھ کر پرورش کی۔ دوگنا لاڈ پیار کیا۔ دن میں گود سے نہ اتارا اور رات میں چھاتی سے لگا کر سلایا۔ کبھی آزردہ ہونے نہ دیا۔ کبھی ڈرایا نہ دھمکایا۔ پھر بھی آپ کو یہ خیال آتا تھا کہ فاطمہؑ کو ماں کی یاد ستاتی ہوگی۔ اس ننھی سی جان کو ماں کی ضرورت ہے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈواتے حضرت

سودہؓ کو گھر لایا اور تاکید کی۔ فاطمہؓ کی ماں بنی رہنا۔ اس کی دلجوئی میری خوشنودی اور اس کی خدمت میری خدمت ہے۔ فاطمہؓ باپ کے اس چاہ و پیار میں ماں کو بھول گئیں۔ باپ کی محبت سے بہل گئیں۔ باپ بیٹی کو دیکھ کر جیتے تھے اور بیٹی باپ کو دیکھ کر زندہ تھیں۔ باپ کو بیٹی کی جدائی شاق تھی اور بیٹی کو باپ کی جدائی ناگوار تھی۔

فاطمہؓ نے باپ کی گود میں ماں کی ممتا کا لطف اٹھایا۔ باپ کی آغوش میں پھلیں پھولیں اور باپ کے زیر سایہ پل کر جوان ہوئیں۔ باپ کے پہلو میں چین سے گزاریں اور باپ کے سایہ میں ہوش سنبھالیں۔ تھیں تو شہزادی۔ مگر دنیا نزدیک تھی۔ دولت ماں کے قدموں کو چومتی تھی۔ مگر ماں نے سب کا سب فاطمہؓ کے باپ پر سے نثار کر دیا تھا۔ دولتمند ماں کی بیٹی تھیں۔ مگر ٹکا پاس نہ تھا۔ شہنشاہ عرب کی دختر تھیں مگر کوڑی گھر میں نہ تھی۔ پھر بھی خوش و خرم، شاد و خنداں تھیں کیونکہ لاکھ دولت کی دولت چاہنے والے باپ تھے۔ فاقے کرتی رہیں مگر تیوریوں پر کبھی بل نہ آیا۔ بھوکی رہتی تھیں مگر اُف نہ کیا۔ پھٹے پرانے پر گزارے مگر کبھی فرمائش نہ کی۔ باپ سر پر تھے۔ آنند تھا۔ چین تھا۔ آرام تھا۔ سکھ تھا۔ اور اطمینان تھا۔ ادھر باپ کو دیکھا بھوک پیاس بند ہو گئی۔ باپ نے چھاتی سے لگایا اور فاطمہؓ نہال ہو گئیں۔ باپ نے پیار کیا۔ اور بیٹی باغ باغ ہو گئیں۔ فاطمہؓ کو نہ بے زری کا خیال تھا نہ فاقوں کا ملال تھا۔ خیال تھا تو باپ کا اور فکر تھی تو باپ کی۔ باپ کا ملال بیٹی کا ملال اور بیٹی کی آزردگی باپ کو رنجیدہ تھی۔ باپ کو اُداس دیکھا تو بیٹی رو پڑتیں۔ اور بیٹی کو ملول دیکھا تو باپ اشکبار ہو جاتے۔ یہ تھے باپ بیٹی کے حالات۔ باپ بھی وہ جو لاکھوں میں ایک کروڑوں میں ایک بلکہ دنیا میں ایک۔ باپ بھی وہ جو تاجدار اقلیم ریاست۔ باپ بھی وہ جو سر پر آراستے ملک نبوت۔ باپ بھی وہ جس کے ہاتھوں میں کلید جنت۔ باپ بھی وہ جو خدا کی رحمت۔ ایسے باپ کے فاطمہؓ ہزار جان سے فدا تھیں تو تعجب کون سا۔ ایسے باپ پر بیٹی ناز نہ کرے تو کیا کرے۔ یہی وہ روحانی مسرت تھی جو فاطمہؓ کے رُواں رُواں میں جاری و ساری تھی۔ اور جو مادی دنیا کی کج ادائیوں کے باوجود فاطمہؓ کو مسرور و شاداں رکھتی تھی۔

رہی بیٹی! بیٹی نہ تھی خدا کا معجزہ اور خدا کی خاص عطا تھی۔ بیٹی وہ جو کسی نبیؑ کو کسی رسول کو نہ ملی۔ بیٹی کیا تھی۔ آسمانی فرشتہ۔ جنت کی حور اور مجسم نور اور نورٌ علیٰ نور۔ عاصمہ ایسی

جس کی ولادت پر مریمؑ نے بلائیں لیں۔ عفیفہ ایسی جس کی شان عفت پر آسیہ حیران رہیں۔ طاہرہ ایسی جس کی طہارت کی خدا نے گواہی دی۔ صدیقہ ایسی جس کی تصدیق کے لئے رضوان زمین پر آیا۔ زاہدہ ایسی جس کے دامن کو دنیا کی ہوا نہ لگی۔ عابدہ ایسی کہ عبادت جس پر نازاں رہی۔ صائمہ ایسی جس کی شہادت قرآن نے دی۔ صابرہ ایسی جس کی تصدیق سے

صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

کے لفظ لفظ سے ہویدا ہے۔ وجاہت کا یہ عالم کہ پیغمبرؐ بیٹی کو آتے دیکھ کر استادہ ہو جاتے تھے۔ وقار کا یہ انداز کہ آنحضرت بڑھ کر استقبال فرماتے تھے۔ اور رتبہ کا یہ ارتفاع کہ پیغمبرؐ اپنی نشست پر بٹھایا کرتے تھے۔ اور علوے شان یہ کہ خود آنحضرت نے بیٹیؑ کو یا ام محمدؐ پکارا۔

اُحد کی جنگ میں دشمنوں نے بے پر کی اڑائی کہ آنحضرت شہید ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر مدینہ پہونچی۔ فاطمہؑ سنتے ہی ماہی بے آب ہو گئیں۔ زمین تلووں سے نکل گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ روتی بلبلاتی۔ سر پیٹتی۔ فریاد کرتی۔ کھلے سر۔ ننگے پاؤں دوڑتی دوڑاتی میدانِ اُحد آئیں۔ بیہوش باپ کے قدموں میں لوٹ گئیں۔ اشکوں سے زخم دھوئے اور سر کے بالوں سے باپ کا پسینہ پوچھا۔ خوشبوئے فاطمہ سے حضور نے آنکھیں کھول دیں۔ فرمایا۔ فاطمہ! تم کہاں! عرض کیا حضور کے قدموں میں! باپ بیٹی کو لپٹ کر اتنا روئے کہ صحابہ تک رونے لگے۔ بیٹی نے زخموں کو دھویا۔ دوپٹہ پھاڑ کر پٹیاں چڑھائیں اور سرِ اقدس زانوئے اطہر پر رکھیں۔ اور اپنے بالوں سے ہوا دینے لگیں ادھر باپ کو آرام ملا اور اُدھر بیٹی کو چین آیا۔

سفر سے آنحضرت جب بھی واپس ہوتے سب سے پہلے بیٹی کے گھر پر قدم رنجہ فرماتے اور السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ والرسالۃ کے لفظوں میں سلام کرتے۔ بیٹی باپ کی آواز سُن کر دوڑی دوڑی آتیں۔ باپ سے لپٹ جاتیں۔ سر کے بالوں سے گرد پائے اقدس جھاڑتیں اور باپ کو گھر لا کر اپنی مسند پر بٹھاتیں اور جو ما حضر ہوتا پیش کرتیں۔ اور کھڑی ہو کر پنکھا جھلتیں۔ یہ تھا باپ بیٹی کی محبت کا حال۔ باپ بیٹی کے دیوانہ اور بیٹی باپ کے رُوئے اقدس کی پروانہ۔ فاطمہؑ کو نہ زر چاہیئے تھا نہ مال۔ نہ دنیا چاہیئے تھی، نہ دولت۔ نہ محل چاہیئے تھے نہ قصور۔ صرف محمدؐ چاہیئے تھے اور بس۔ باپ تھے اور بیٹی۔ بیٹی تھیں اور باپ۔ اسی پر فرمایا بھی فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی فاطمہؑ میری لخت جگر ہے جس نے اس کو

ستایا مجھے ستایا۔ اور فرمایا احب اھلی فاطمۃ بنتی میری بیٹی فاطمہؓ مجھے سب سے عزیز ترین ہے۔

فاطمہؓ اب ہوش سنبھال چکیں اور سیانی ہوتی گئیں۔ بیٹی کو دیکھتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ فرماتے بن ماں کی بچی ہے۔ اس کی بھی ماں ہوتیں تو جہیز جوڑتیں۔ اس کے لئے کچھ سیتی سلاتیں۔ اور اس کی شادی بیاہ کا کوئی انتظام کرتیں اور بیٹی کو بلا کر پیار کرتے اور چھاتی سے لگاتے۔ فرماتے بیٹی خدا تیرا کفیل ہے۔ خدا سے آپ کا یہ رنج دیکھا نہ گیا۔ ۲ھ ہجری میں رمضان المبارک کے وسط میں وحی نازل ہوئی کہ ہم نے علیؓ اور فاطمہؓ کا عقد آسمان پر کر دیا ہے آپ بھی زمین پر اس فرض کو انجام دیدیجئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا۔ اور زرہ رہن کرا کر چار سو اسی دینار منگوائے۔ انہی دینار حضرت ام سلمہؓ کے حوالہ فرما کر ارشاد کیا کہ اس بن ماں کی لڑکی کا کچھ سامان جہیز تیار کر دو۔ حضرت ام سلمہؓ نے اپنے جوڑے بھی اس میں شریک کر کے جہیز تیار کر دیا۔ اور حضرت علیؓ سے آنحضرتؐ نے اپنی چہیتی بیٹی کا عقد کر دیا۔ مگر چونکہ فاطمہؓ دسویں سال میں تھیں رخصتی کی رسم ماہ ذی حجہ میں فرمائی۔ اور باپ بیٹی کو اپنے ساتھ لئے حضرت علیؓ کے گھر پر پہونچا آئے۔ اور آتے ہوئے اسماء بنت عمیسؓ کو حکم دیا کہ وہ رات فاطمہؓ کے ساتھ گزاریں۔ پھر صبح کی نماز کے بعد بیٹی کو دیکھنے روانہ ہوئے اور بیٹی کو چھاتی سے لگایا اور نصیحتیں فرمائیں۔ جب آنحضرتؐ نے اپنے ازواج مطہرات کے مکان بنائے تو بیٹی کے لئے حضرت عائشہؓ کے متصل کا مکان دے دیا۔ اس پر بھی روز میں ایک مرتبہ اور بعض وقت دو مرتبہ بیٹی کو دیکھ آیا کرتے تھے۔

سیدۂ عالم کی اٹھارہ اونیس سالہ دنیاوی زندگی میں یہ آخرین ۹ سالہ دور گویا زمانہ مسرت تھا جس میں نہ عیش تھا نہ آرام نہ فارغ البالی تھی نہ خوش حالی۔ فاقہ کشیوں کا نا تمناہی سلسلہ عسرت اور بھوک پیاس کا دور دورہ تھا پھر بھی فاطمہؓ کے لئے باپ کا سایہ ہزاروں عیش کا ایک عیش اور لاکھوں آرام کا ایک آرام تھا۔ مگر کب تک آخر یہ سایہ بھی اب اٹھنے والا اور فاطمہؓ سے جدا ہونے والا تھا۔ فاطمہؓ کے لئے بھی یہ نامبارک گھڑی مقدر تھی اور فاطمہؓ کی ساری کائنات اب لٹنے کو تھی۔ سید الاولین والآخرین بستر پر فرش ہیں۔ بخار تیز ہے۔ کمزوری اور نقاہت بڑھ گئی ہے۔ غشی کا دورہ ہو رہا ہے۔ فاطمہؓ زار زار روتی ہوئی سرہانے بیٹھی ہیں۔ آنسو رخسار انور پر گرتے ہیں۔ آنکھیں کھول کر بیٹی کو روتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بیٹی کا سر

لے کر چھاتی سے لگاتے ہیں۔ پیار کرتے ہیں۔ فاطمہؑ کی زلف سونگھتے ہیں اور فرماتے ہیں میری فاطمہؑ رو کو دھوؤ نہیں۔ تمھارا رونا مجھے بے چین کئے دیتا ہے۔ حاملانِ عرش کو رُلائے دیتا ہے۔ میں تم کو روتے دیکھ نہیں سکتا۔ بیٹی تم پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔ تم صبر کرنا۔ تم مجھ سے جلد ملو گی۔ صبر کئے بغیر چارہ نہیں۔ بابا خدا حافظ۔ سرورِ عالم تشریف فرمائے عالم بالا ہو جاتے ہیں۔ اور فاطمہؑ پر حقیقی معنوں میں ایک آسمان ٹوٹ پڑتا ہے۔ فاطمہؑ کی ساری آسودہ حالی بس ختم ہو چکی بلکہ دنیا اور دنیا کی زندگی تمام ہو چکی بقیہ دو ڈھائی مہینے خود فاطمہؑ کے الفاظ صبت علی مصائب لوانہا :: صبت علی الایام صرن لیالیا سے ظاہر ہیں کہ کیسے تھے۔

فاطمہؑ آسودہ حال تھیں دکھیا ہو گئیں۔ ہنس مکھ تھیں رونہار ہو گئیں۔ غم و الم کی تصویر ہو گئیں رنج و محن کی سراپا بن گئیں۔ فاطمہؑ کا سایہ اُٹھ گیا۔ فاطمہؑ کا سرپرست نہ رہا۔ فاطمہؑ کا سہارا نہ رہا۔ فاطمہؑ کی دنیا سیاہ ہو گئی۔ فاطمہؑ کی کائنات لٹ گئی۔ فاطمہؑ یتیم ہو گئیں۔ فاطمہؑ اسیر ہو گئیں۔ دن کاٹ کھانے لگے۔ راتیں بھیانک ہو گئیں۔ دیس بدیس ہو گیا۔ وطن وطن نہ رہا۔ مدینہ پردیس دکھائی دینے لگا۔ اپنے پرائے نظر آنے لگے۔ یگانے بیگانے معلوم ہونے لگے۔ فاطمہؑ دیس میں بدیسی ہو گئیں۔ آسمان تیوریاں بدلنے لگا۔ زمین تنگ ہونے لگی۔ فاطمہؑ تھیں اور رونا تھا۔ فاطمہؑ تھیں اور نالۂ و زاری تھیں۔ فاطمہؑ تھیں اور آہ آہ تھی۔ فاطمہؑ تھیں اور آنسوؤں کی جھڑیاں تھیں۔ حجرہ تھا اور فاطمہؑ تھیں۔ باپ کا مزار تھا اور فاطمہؑ تھیں۔ کھڑی پچھاڑیاں کھا رہی ہیں مزار سے لپٹ جا رہی ہیں۔ ڈاڑھیں مار کر رو رہی ہیں اور حالِ دل سنا رہی ہیں۔ چکر پر چکر آ رہے ہیں۔ مزار انور کے صدقے جا رہی ہیں۔ پریشان حال شوہر اور سوگوار بچے سمجھاتے ہیں بجھاتے ہیں بہزار دقت گھر لے آتے ہیں۔ اس رات دن کے رونے نے مریمؑ امت کو ناتوان اور لاغر کر دیا۔ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ صورت کی بے صورت ہو گئی حال کا بے حال ہو گیا۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو گیا۔ سوکھ کر کانٹا ہو گئیں۔ بخار رات دن چڑھے کا چڑھا رہا۔ نہ کھاتی تھیں۔ نہ پیتی تھیں۔ نہ بولتی تھیں نہ چالتی تھیں۔ بولتی تھیں تو یہی کہ مجھ پر جو مصیبت پڑی ہے دنوں پر پڑتی تو وہ راتوں کے مانند سیاہ ہو جاتے اور پھر زار زار روتی تھیں۔ روتے روتے کلیجہ پانی ہو گیا آخر بھری جوانی میں اٹھارہ اونیس کے اندر باہر باپ کے دو ڈھائی مہینے بعد بروایت حضرت عائشہؓ و حضرت جابرؓ باپ کی بیٹی باپ کے پاس چلی گئیں۔

رخصتی کا دن۔ تھا تو دن۔ مگر رات سے بڑھ کر سیاہ اور بے نور تھا۔ مدینہ پر اُداسی سی چھا گئی تھی۔ شہر ویران دکھائی دیتا تھا۔ مگر اُس دن فاطمہؑ نہ روتی تھیں۔ نہ دھوتی تھیں۔ صبح صبح اٹھیں۔ نماز سے فارغ ہوئیں اپنے معصوموں کو نہلایا دھلایا۔ کپڑے پہنائے۔ سرمہ لگایا اور ایک ایک کو چھاتی سے لگایا۔ پیار کیا۔ خود غسل فرمایا کپڑے بدلے۔ اپنا تابوت اسمار کی مدد سے تیار کیا۔ شوہر کو بلوایا اور کہا آج ہماری روانگی ہے۔ تم کو اور بچوں کو سپرد خدا کیا۔ تمھارا خدا کے سوائے ہے بھی کون؟ میری وصیت ہے کہ مجھے نہ غسل چاہیئے۔ نہ کفن۔ میں نے نہایا دھویا اور کفن پہنا ہے۔ میرا جنازہ یہاں سے باہر نہ نکلے۔ غیر کی پرچھائیں تک اس پر نہ پڑے۔ غیر کا ہاتھ نہ لگے۔ بلکہ جنازہ سورج بھی نہ دیکھے۔ رات میں ہی اسی جگہ مجھے دفنا دو۔ سب کام تم اپنے ہاتھوں سے انجام دو۔ اگر ممکن ہو تو عباسؓ اور ان کے بچے اور پھر اسماء بنت عمیس ہیں۔ اتنا فرمایا اور بستر پر لیٹ رہیں اور آنکھیں ہمیشہ کیلئے بند فرمالیں۔ یہ شمع عصمت ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی غالباً ۱۵ جمادی الاول یوم جمعہ تھا۔

آقازادی تم پر خدا کا درود وسلام۔ تمھارے باپ کا درود وسلام۔ رسول نبیوں کا درود وسلام۔ فرشتوں کا درود وسلام۔ تمھارے شوہر علیؑ کا درود وسلام۔ تمھارے لخت جگر حسن مجتبیٰ کا درود وسلام۔ تمھارے پیارے حسینؑ کے تن بے سر کا درود وسلام تمھاری دکھیا صاحبزادیوں کا درود وسلام۔ ہم لونڈی غلاموں کا مودبانہ درود وسلام۔

ناظرین سرفراز متحیر ہوں گے کہ جشن میں مرثیہ کیسا؟ مگر وہ برائے خدا بتا دیں کہ اس دکھیا شاہزادی کی اٹھارہ انیس سالہ دور زندگی میں خوشی کی کون سی ایسی گھڑی گزری۔ مکہ کی زندگی قریش کی ایذا رسانیوں پر کڑھتے گزری۔ مدینہ کا دور دورہ فاقہ کشیوں اور چکی پیسنے میں تمام ہوا۔ مگر پھر بھی باپ سر پر تھے اور باپ کے بعد دو ڈھائی مہینے تو فاطمہ کے حق میں قیامت تھے۔ ایں سرگزشت فاطمہؑ حاشا زمن مپرس۔ (منقول از اخبار سرفراز لکھنؤ)

اہلحدیث کی افترا بازیاں

میرے پیارے دوست حاجی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر نے قسم کھائی ہے کہ شیعوں کے متعلق جب لکھیں گے افترا و بہتان ہی کریں گے۔ پہلے آپ لکھ چکے ہیں کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح خلیفہ دوم سے ہونا شیعوں کی مشہور کتاب اصول کلینی میں موجود ہے۔ اس کو میں بار بار دریافت کر چکا کہ

بتائیے اصول کلینی کا وہ نسخہ کہاں ہے جس میں یہ واقعہ مرقوم ہے۔ اگر آپ دکھا دیجئے تو میں تین سو روپیہ انعام بھی دوں اور سنی بھی ہو جاؤں۔ لیکن اگر آپ نہ دکھا سکیں تو مذہب حق شیعہ قبول کریں مگر حاجی صاحب نہ مجھے بہشت سے نکالنا چاہتے ہیں اور نہ خود جنت میں آنا پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ نے لکھا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے کو رافضی کہا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت نے کہاں کہا ہے۔ حضرت کی عبارت دکھائیے۔ مگر اب بھی آپ نے خاموشی ہی اختیار کرلی۔ شیعوں کے متعلق آپ کچھ لکھا کریں تو میری یہ فرمائش نہ بھولا کریں ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں   کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اب آپ کے تازہ افترارات ملاحظہ ہوں۔ لکھتے ہیں "خود حضرت علی خلیفہ رابع نے خلفاء ثلاثہ کی تعریف فرماکر ان کی خلافت برحق ثابت کی ہے اور ساتھ ہی خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ بھی اس پر راضی وخوش ہے۔ فرمایا انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علے ما بایعوهم علیه .... وانما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علے رجل وسموه اماما کان ذالك لله رضاً (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۸)" (اہلحدیث ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۸ھ)۔ پیارے حاجی صاحب! کہاں تک مرزا قادیانی کی شاگردی میں تحریف و افترار کا بازار گرم رکھئے گا؟ فرمائیے تو حضرت علیؑ کو خلیفہ رابع کس نے کہا ہے؟ خدا نے؟ یا رسولؐ خدا نے؟ خدا اور رسولؐ نے تو حضرت کو آنحضرتؐ کا خلیفہ اول ارشاد فرمایا ہے۔ اسلام کی ابتدا ہی میں فرما دیا کہ ان هذا اخی ووصیّی وخلیفتی فیکم۔ یہی علیؑ میرے بھائی میرے جانشین اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷) بعد کو آنحضرتؐ نے تصریح بھی فرما دی ہے کہ علیؑ میرے پہلے خلیفہ ہیں۔ ارشاد فرمایا خلفائی من بعدی اولهم علی ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی المعروف بالباقر ثم الصادق جعفر بن محمد ثم موسی بن جعفر ثم علی بن موسے ثم محمد بن علی ثم علی بن محمد ثم الحسن ابن علی ثم حجة الله فی ارضه وبقیته فی عباده محمد بن الحسن ۔ میرے خلفاء میرے بعد اس طرح ہوں گے کہ خلیفہ اول علیؑ پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی بن الحسینؑ پھر محمدؑ باقر پھر جعفر صادقؑ پھر موسیٰؑ بن جعفر پھر علی رضاؑ پھر محمد تقیؑ پھر علی نقیؑ پھر حسن عسکری پھر محمد مہدی ہوں گے (روضۃ الاحباب جلد ۳ صفحہ ۲۷)

یہی مضمون ینابیع المودۃ صفحہ ۳۶۹ وغیرہ میں بھی ہے۔ اس کے بعد آپ کا یہ لکھنا بھی کہ "خلفائے ثلاثہ کی تعریف فرما کر ان کی خلافت ثابت کی ہے"! بالکل غلط ہے۔ حضرت نے کہیں اور کبھی بھی خلفائے ثلثہ کی تعریف نہیں کی بلکہ برابر ان کی شکایت ہی فرماتے رہے کہ ان لوگوں نے خلافت کو مجھ سے چھین لیا۔ نہج البلاغہ میں یہ شکوے بھرے ہوئے ہیں۔ حضرت نے ان کی خلافت کو بھی برحق نہیں ثابت کیا اور نہ یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ بھی اس پہ راضی و خوش ہے۔ نہج البلاغہ کی جو عبارت آپ نے نقل کی اس میں سخت تحریف کی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے و من کتاب له علیه السلام الی معویه۔ انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوهم علیه فلم یکن للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یرد و انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموه اماما کان ذلك رضاً۔ یعنی حضرت نے معویہ کو لکھا کہ میری بیعت بھی انہیں سینوں نے کی جنھوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی اور انہیں شرائط پر کی جن شرائط پہ ان لوگوں کی کی تھی۔ تو حاضر کو اختیار کرنے اور غائب کو رد کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اور شوریٰ کرنا تو مہاجرین و انصار کا فعل تھا اگر وہ لوگ کسی شخص پر اجماع کر لیتے اور اس کو امام مان لیتے تو یہ ان کی خوشی تھی (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۸) اس سے واضح ہوا کہ حضرت نے معویہ کے خط کا جواب لکھا تو مطلع فرمایا کہ میری اطاعت سے اختلاف کرنا اصول اہلسنت کے مطابق بھی درست نہیں کیونکہ جس طرح لوگوں نے خلفائے ثلثہ کی بیعت کر کے ان کی اطاعت سے روگردانی نہیں کی اسی طرح میری بیعت بھی کی ہے تو مجھ سے بھی روگردانی نہیں چاہیئے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ آئیے خلافت کو پھر شوریٰ سے طے کریں تو تمھیں اس تجویز کے پیش کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ خلیفہ ثالث کے انتقال پہ مہاجرین و انصار کو اس کا حق تھا کہ بجائے میرے وہ کسی اور شخص کو شوریٰ سے اپنا امام بناتے تو وہ ان کی خوشی کا امام ہوتا۔ مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ شوریٰ سے کسی کو اپنا امام بنائیں اپنی متفقہ رائے سے مجھے امام بنا لیا۔ تو اب تم کو میری خلافت سے انکار کرنے اور میری خلافت کیلئے بھی تیسری خلافت کی طرح شوریٰ کرنے کی تجویز کرنا صرف تمھاری ذاتی رائے ہے جو قابل عمل نہیں ہو سکتی"۔ اس میں کہیں بھی حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ ذلك لله رضاً یعنی اللہ تعالےٰ بھی اس پر راضی و خوش ہے۔ بلکہ اسکے

برعکس صرف "ذٰلِکَ رِضٰے" ہے یعنی مہاجرین و انصار کی خوشی ہے۔ اگر حاجی صاحب نہج البلاغہ میں کان ذٰلِکَ رضاً کے عوض کان ذٰلِکَ للہ رضاً دکھا دیں تو اس پر بھی میں ان کو انعام دوں۔ افسوس سے کوئی بھی کام جیسا ترا پورا نہ ہوا۔ نامرادی میں ہوا ہے ترا بکنا لکھنا۔

حاجی صاحب! کچھ دم بوتا ہے تو دکھایئے کہ حضرت علی نے مہاجرین و انصار کے فعل کو خدا کی رضا کب اور کس طرح کہا ہے ؎ ابھی دلربائی کے انداز سیکھو۔ کہ آساں نہیں دل لبھانا کسی کا

آگے بڑھ کر آپ فرماتے ہیں "تفسیر قمی شیعہ ص۶۸۵ سورۂ تحریم میں ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنی بی بی حفصہ کو فرمایا کہ میرے بعد خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق بنیگا اور اس کے بعد تیرا باپ حضرت عمر خلیفہ بنیگا۔ جس پر بی بی صاحبہ نے پوچھا کہ تم کو کیسے خبر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے یہی خبر دی ہے۔" افسوس حاجی صاحب یہاں بھی گرفتار ہوگئے۔ تفسیر قمی ص۶۸۵ میں یہ عبارت مجھے نہیں ملی۔ ذرہ بتایئں تو تفسیر قمی مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۶۸۵ میں ہے یا نسخہ قلمیہ کے۔ اگر مطبوعہ نسخہ میں ہے تو وہ تفسیر قمی کس شہر کس مطبع اور کس سال میں چھپی ہے۔ اور اگر قلمی نسخہ میں ہے تو کس آیت کی تفسیر میں ہے۔ حاجی صاحب! ؎ ہم بھی ہیں سینہ سپر قاتل لگا جو ہو سو ہو + آج دیکھیں کاٹ تیرے ابروئے خمدار کا۔ پیارے دوست! اب بھی ہوش میں آیئے۔ میں آپ کے کسی افترا کو چلنے نہیں دوں گا اور میری گرفت سے آپ ہمیشہ اپنا سر پکڑ کر روتے ہی رہیں گے۔ ع بازآ بازآ ہرآنچہ ہستی بازآ۔ پھر آپ لکھتے ہیں "اسی تفسیر قمی ص۲۶۶ سورۂ براءۃ میں زیر آیت اذ ھما فی الغار مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ابوبکر کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور فرمایا انت الصدیق یعنی تو بڑا صادق ہے۔" حاجی صاحب! پھر میں وہی سوال کرتا ہوں کہ یہ تفسیر قمی مطبوعہ نسخہ ہے یا قلمی۔ اسی تفصیل سے بتایئے تاکہ آپ کے افترا کا پردہ چاک ہو ؎ جو تمہاری طرح کوئی بھی جھوٹے دعوےٰ کرتا + ہمیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا؟ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں "آیئے اب تم کو ایک شیعہ کی چوٹی کی معتبر کتاب کافی کلینی جس کے اول اور آخر میں امام مہدی علیہ السلام کے دستخط ہیں سے ایک صاف حدیث پیش کرکے ختم کرتے ہیں۔ سنئے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ینادی منادٍ من السماء اٰخر النہار الا ان عثمان و شیعتہ ھم الفائزون فروع کافی کلینی جلد ۳ ص۱۴۶ کتاب روضۃ۔ یعنی ہر پچھلے پہر دن کے آسمان سے ایک فرشتہ منادی اور آواز دیتا

رہتا ہے کہ خبردار ہو جاؤ اے شیعہ تحقیق حضرت عثمان خلیفہ ثالث اور اس کے ماننے والے اہلسنت والجماعۃ سب کے سب فائز اور کامیاب اور بہشتی اور ناجی ہیں'' (اہلحدیث ۱۲ جمادی الاخریٰ) حاجی ثناء اللہ صاحب! شاباش۔ آپ کی عمر دراز ہو۔ بڑی دور کی کوڑی لائے ہم بھی قائل تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے + اور نہ مانے کی طرح رنگ بدلنے والے۔ ہاں بھائی ذرہ بتانا تو وہ فروع کافی جس میں یہ عبارت ہے کہاں ہے۔ مطبع نولکشور لکھنؤ کا مطبوعہ نسخہ میرے پاس ہے۔ اس میں تو یہ عبارت نہیں ہے۔ ذرہ یہ بھی بتانا کہ عثمان سے کون عثمان مراد ہیں۔ عثمان بن عفان یا عثمان بن علی۔ کیونکہ آپ کی نقل کردہ عبارت میں عثمان کی ولدیت مرقوم نہیں ہے۔ اگر خلیفۂ ثالث مراد ہیں تو یہ بتائیے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا نام کیوں نہیں ذکر کیا۔ خاصکر خلیفۂ ثالث صاحب کے متعلق یہ منادی کیوں ہوئی۔ کیا حضرت ابوبکر و عمر کے ماننے والے دوسرے ہیں اور حضرت عثمان کے ماننے والے دوسرے؟ یا حضرت ابوبکر و عمر کے ماننے والے اہلسنت والجماعۃ نہیں ہیں؟ یا حضرت ابوبکر و عمر کے ماننے والے فائز اور کامیاب اور بہشتی اور ناجی نہیں ہیں بلکہ صرف حضرت عثمان کے ماننے والے ایسے ہیں شیخین کو یہ عزت حاصل نہیں ہے۔ یہ سب سوالات آپ کی نقل کردہ عبارت کے متعلق ہیں۔ ورنہ فروع کافی میں تو یہ عبارت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے قال ینادی من السماء اول النھار الا ان علیا علیہ السلام وشیعتہ ھم الفائزون۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر روز صبح کے وقت آسمان سے ہاتف غیبی یہ ندا دیتا ہے یا ندا دیگا کہ تم سب لوگ سن رکھو حضرت علیؑ اور اُن کے شیعہ ہی بہشتی اور ناجی ہیں (فروع کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ سطر ۱۷) اور یہی مضمون آپ کی تمام کتب حدیث و تفسیر میں بھی بھرا ہوا ہے مثلاً علامہ سیوطی لکھتے ہیں فاقبل علی فقال النبیؐ والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حضرت علی آئے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا خدا کی قسم یہ اور ان کے شیعہ ہی قیامت میں نجات پانے والے ہیں۔ دوسری روایت یہ لکھی ہے۔ نزلت ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولٰئک ھم خیر البریۃ قال رسول اللہ لعلی ھو انت وشیعتک یوم القیامۃ راضیین مرضیین۔ جب آیت ان الذین آمنوا الآیۃ نازل ہوئی تو حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا وہ بہترین خلائق تم اور تمہارے شیعہ ہیں کہ بروز قیامت تم لوگ خوش رہو گے اور خدا تم لوگوں کی خوشنودی چاہے گا (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۷۹)

اور علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے واخرج الدیلمی یا علی ان اللہ قد غفر لک و لذریتک و لولدک ولاھلک ولشیعتک۔ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ خدا نے تم کو۔ تمھاری ذریت تمھاری نسل۔ تمھارے اہل و عیال اور تمھارے شیعوں کو بخشدیا ہے۔ پھر فرمایا یا اباالحسن انت و شیعتک فی الجنۃ اے علی تم اور تمھارے شیعہ سب کے سب بہشت میں جائینگے (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶) حاجی صاحب! اب بھی اپنی خیر منائیے اور افترا بازی سے توبہ کیجئے ورنہ اس سے زیادہ آپ علمی دنیا میں رسوا اور فضیحت ہوتے رہینگے ۔ ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے۔

راقم وہی آپکا شیدا ظہیر حیدر مولوی عالم

مجالس فیض آباد مومنین فیض آباد ہر سال دسہرا کی تعطیل میں ۵ روز تک نہایت عظیم الشان مجلسیں کرتے ہیں جن میں ہندوستان کے شہرۂ آفاق واعظین و ذاکرین اپنے بیانات سے سامعین کو محظوظ و مثاب کرتے ہیں۔ خدائے کریم ان حضرات کو جزائے خیر دے کہ تقویۃ دین و نشر معارف کا یہ نہایت دلچسپ عنوان ہے۔ افسوس صوبہ بہار میں ایسی مجالس کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

التماس دعاء معین اصلاح جناب آغا سید علی شاہ صاحب دام مجدہ پشاوری کی صاحبزادی علیل ہیں۔ مومنین دعاء فرمائیں کہ خدا ان کو جلد صحت دے۔

ایک غلطی کی اصلاح محرم ۵۸ھ کے اصلاح ۱ جلد ۴۲ صفحہ ۱۲ پر اصابہ جلد ۲ کا صفحہ ۲۶۶ کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے اسکو صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ مطبعہ سعادۃ مصر بنا دیجئے۔

اخبار غم گزشتہ مہینوں میں بعض ہمدردان اصلاح بڑے حوادث میں مبتلا ہوئے۔ جناب نواب سید احمد مرزا صاحب موسوی دہلی کے جوان صاحبزادے نے جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے تھے دفعۃً حال میں انتقال کیا۔ جناب مرزا واجد علی بیگ صاحب ماسٹر فرخ آباد کی اکلوتی صاحبزادی نے ۲۰ ربیع الثانی کو ہیضہ سے انتقال کیا۔ جناب سید شرف حسین صاحب ساکن نانپارہ نے ۲۰ ربیع الاول کو کربلائے معلی میں انتقال کیا۔ جناب سید ابوالقاسم صاحب محاسب خزانہ صدر رام نگر نے ۱۷ جمادی الاخری کو انتقال کیا۔ جناب حکیم سید نظیر احمد صاحب بجے پوری ساکن اکولا (برار) نے ۲۴ جمادی الاخری کو انتقال کیا۔ خدائے غفور و رحیم سب کی مغفرت کرکے ان کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مومنین سورۂ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کرکے مثاب ہوں۔

زیارت کربلا! جناب منشی جمعیت علی صاحب سہارنپور کے دو بچے سخت علیل ہو گئے تھے آپنے نذر کی کہ اگر خدا انہیں صحت دے تو زیارت کے لئے کربلائے معلی جاؤنگا۔ فوراً دونوں اچھے ہو گئے۔

عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا صحیح | لعبہ تم لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑو گے[۱]

بخاری پارہ ۵ صفحہ ۱۹۳ کتاب الجنائز)

پس جب تک علم خدا میں یہ بات نہ تھی کہ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اہل اسلام کا غالب حصہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو جائیگا اُس وقت تک خدا آنحضرت صلعم کو ان باتوں سے مطلع کیونکر کرتا۔ بس اسی دنیا پرستی نے اتنی ترقی کی کہ خدا و رسول کا خوف دل سے بالکل اٹھا کر اپنے مطلب کے موافق حدیثیں بنا ڈالی گئیں اور موضوع روایات کا انبار لگا دیا گیا تاکہ جن لوگوں سے دنیوی مقاصد حاصل ہونے والے تھے وہ زیادہ خوش ہوں اور اس خدمت کا پورا حق ادا کریں۔ اور جب معمولی امور کے لئے ہزاروں غلط حدیثیں گڑھ دی گئیں تو سلاطین وقت کی تعظیم و تفضیل میں کیوں نہ خاص کوشش کی جاتی۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے متعلق بھی مذکورہ بالا اقسام کی حدیثوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور یہاں تک کوشش کی گئی ہے کہ آپ کا درجہ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی زیادہ اونچا نظر آئے۔ حضرت کے اُن فضائل کا کیا ذکر ہے جو حضرات اہلبیت کے مقابلہ میں بنائے گئے اور ان سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ تو ہر وقت کا شغل اور نہایت آسان امر تھا۔ اس میں کامیابی زیادہ قابل فخر بھی نہ تھی۔

حضرت عمر کے متعلق موضوع روایتوں کے نمونے

ان حضرات کے ہاں تو یہ ایک مسلم ہے کہ اختلاف کے موقع پر خدا حضرت عمر کی رائے کو پسند کرتا اور حضرت رسول خدا صلعم کے مقابلہ میں انہیں کو ترجیح دیتا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب ایسے

---

[۱] مولوی وحید الزمان خانصاحب لکھتے ہیں "اخشیٰ ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا۔ میں ڈرتا ہوں دنیا تم پر ایسی کشادہ ہو جیسی اگلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی۔ مال و دولت تم کو ملے جیسے اگلے لوگوں کو ملا تھا پھر تم اُس میں ایسی رغبت کرنے لگو جیسے اگلے لوگوں نے کی تھی اور اس رغبت کی وجہ سے غافل ہو جاؤ۔ اللہ کا ڈر چھوڑ دو۔ ایک دوسرے سے مال و دولت حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑائی جھگڑا شروع کردو" (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ صفحہ ۱۰۶)

روشن خیال۔ آزاد اور تحقیق پسند مصنف تک اس امر کو ثابت کرنے کی جدّ و جہد کرتے رہے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں" نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت صلعم نے اس کا انتظام کرنا چاہا یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کیلئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام سے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت صلعم کی تجویز تھی۔ بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر آ نکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اُسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا (صحیح بخاری کتاب الاذان) یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہوسکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم اُنہی کی رائے کے موافق قائم ہوا"۔ (الفاروق ص۳) دیکھنے میں عبارت بالکل سیدھی ہے مگر اس سے حضرت عمر کا درجہ جس قدر بلند کر دیا گیا وہ حقیقت بین حضرات سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ عبادات میں سب سے افضل نماز ہے اور اُس کا دیباچہ اذان ہے جس کی تجویز حضرت عمر نے کی۔ اور وہی رائے قائم ہوئی۔ حضرت عمر کے مقابلہ میں خود حضرت رسول خدا صلعم نے بوق اور ناقوس کو اسلام میں بھی رواج دینا چاہا۔ معاذ اللہ کسی مسلمان کا یہ اعتقاد ہوسکتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم جو دنیا میں اسلام لائے۔ جنھوں نے توحید کی آواز بلند کی۔ جن کو خدا نے اپنی رسالت سے مشرف کیا۔ جن کی زبان کو خدا نے وحی خدا کا راوی مقرر کیا وہ خود نماز کا اعلان کرنے کے لئے بوق اور ناقوس کی تجویز پیش کریں؟ (اس پر مفصل بحث انشاء اللہ آئندہ ہوگی)۔ جب اس زمانہ میں مولوی شبلی صاحب حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کی یہ کوشش کریں تو سابق زمانہ کے علماء نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے

قال رسول اللہ اتانی جبریل فقلت یا جبریل حدثنی بفضائل عمر بن الخطاب فقال لو حدثتک بفضائل عمر منذ ما لبث نوح فی قومہ ما نفدت فضائل عمر۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تو میں نے کہا اے جبریل مجھ سے عمر بن الخطاب کے فضائل بیان کرو۔ انھوں نے کہا' جس مدت

تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے اگر اتنے زمانہ تک بھی میں عمرؓ کے فضائل بیان کرتا رہوں تو ان کے فضائل ختم نہیں ہو سکتے (تاریخ الخلفاء صـ۳۵) معلوم ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم میں نو سو سال سے زیادہ رہے۔ پس اتنے دنوں تک جبرئیل کے بیان کرنے سے بھی حضرت کے فضائل بیان نہیں ہو سکتے تھے۔ حدیث ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔ یعنی حضرت عمر سے بہتر کوئی شخص نہیں ہوا جس پر آفتاب طالع ہوا ہو (تاریخ الخلفاء صـ۷۱) اس سے حضرت عمر کا کل انبیاء و مرسلین یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی افضل ہونا ثابت ہوا کیونکہ آفتاب تو حضرت آدم کے قبل سے طلوع کر رہا ہے اور قیامت تک طلوع کرتا رہیگا۔ پھر جب وہ حضرت عمر سے بہتر کسی شخص پر طالع نہیں ہوا تو آپ کا دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہونا واضح ہے۔ حدیث لو لم ابعث فیکم لبعث عمر۔ اگر میں تم لوگوں میں رسول بنا کر نہ بھیجا جاتا تو یقیناً عمر تمھارے رسول مقرر کئے جاتے (ء صـ۷۹)۔ اس سے آپ کا حضرت رسول خدا صلعم کے برابر ہونا ثابت ہو گیا۔ کہ بعثت کے وقت صرف حضرت رسولخدا صلعم نہیں بلکہ آپ کی طرح حضرت عمر بھی نبی مقرر ہونے کے قابل تھے۔ اتفاق کی بات کہ حضرت رسول خدا صلعم نبی مقرر ہو گئے۔

حضرت عمر سے شیطان کا بھاگنا

اس مضمون کی حدیثیں بھی کثرت سے ہیں کہ شیطان آپ سے بھاگتا تھا۔ مثلاً قال رسول اللہ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ مالقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے فرزند خطاب خدا کی قسم جس راہ سے تم کو جاتے ہوئے شیطان دیکھتا ہے اسکو چھوڑ کر وہ دوسرے راستے سے چلنے لگتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء صـ۸) جس سے معلوم ہوا کہ شیطان آپ سے علحدہ رہتا۔ آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکنے پاتا بلکہ جس راہ سے آپ چلتے اس تک سے وہ دور ہوتا۔ صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳ وغیرہ میں بھی یہ حدیث مرقوم ہے اور اسکی شرح میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے فیہ فضیلۃ عظیمۃ لعمر تقتضی ان الشیطان لا سبیل لہ علیہ۔ اس حدیث سے حضرت عمر کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ شیطان کو ان کے پاس پہونچنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تھی۔

(فتح الباری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳)۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم کے لئے یہ حدیث ہے قالت یا رسول اللہ او معی شیطان قال نعم۔ قلت ومع کل انسان قال نعم۔ قلت ومعک یا رسول اللہ قال نعم۔ حضرت عائشہ نے پوچھا اے رسولخدا کیا میرے اوپر کوئی شیطان ہے؟ فرمایا ہاں۔ پوچھا کیا ہر شخص پر شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے پوچھا آپ پر بھی شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۵) اور امام بخاری صاحب نے تحریر فرمایا ہے عن النبیؐ انہ صلّی صلوٰۃ فقال ان الشیطان عرض لی فشد علیّ لیقطع الصلوٰۃ علیّ۔ حضرت رسول خدا نے ایک دفعہ نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا اور اس نے میری نماز قطع کر دینے کیلئے مجھ پر حملہ کیا (صحیح بخاری پارہ ۵ صفحہ ۱۳۳) حضرت عمر کے لئے تو وہ روایت ہے کہ شیطان ان کے پاس نہ دنیوی امر کے متعلق آنے پاتا ہے نہ دینی امر کے متعلق لیکن حضرت رسولخدا صلعم پر عبادت میں بھی وہ حملہ کرتا ہے!!! فاعتبروا یا اولی الابصار۔ بلکہ حضرت کی وحی میں بھی شیطان شریک ہو جاتا اور احکام رسالت میں بھی حضرت پر غلبہ پا جاتا تھا قال ابن عباس فی امنیتہ اذا حدث القی الشیطان فی حدیثہ فیبطل اللہ ما یلقی الشیطان ویحکم آیاتہ۔ جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم کوئی حکم خدا بیان فرماتے تو شیطان اس میں اپنی بات بھی ڈال دیتا اور حضرت کی حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتا تھا۔ تب خدا یہ کرتا کہ شیطان کی ملائی ہوئی باتوں کو باطل کر دیتا اور اپنی آیتوں کو محکم فرما دیتا (صحیح بخاری پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵۶) اس کی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قرأ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بمکۃ والنجم فلما بلغ افرأیتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ القی الشیطان علی لسانہ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ فقال المشرکون ما ذکر الھتنا بخیر قبل الیوم فسجد وسجدوا فنزلت ھذہ الآیۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ معظمہ میں سورہ والنجم کی تلاوت کی۔ جب آیۃ افرأیتم اللات والعزیٰ تک پہونچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیا کہ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ (یہ اونچے اونچے بت ہیں

ور اونکی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) اس پر مشرکین کو خوش ہو کر کہنے لگے کہ آج
ے قبل انھوں نے ہمارے بتوں کی ایسی مدح نہیں کی تھی۔ غرض حضرت سجدہ میں گئے
و کفار نے بھی حضرت کے ساتھ سجدہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (فتح الباری
پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵۵) مولوی شبلی صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں "تلك الغرانيق العلى
کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت کی زبان سے وہ الفاظ نکلوا دیئے
جن میں بتوں کی تعریف ہے بعض محدثین نے ضعیف اور نا قابل اعتبار کہا تھا۔ اسکے
باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم ولم
ینقل ذلك۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا
ہونا مذکور نہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں وجميع
ذلك لا يتمشى على القواعد فان الطرق اذا كثرت وتباينت مخارجها دل
ذلك على ان لها اصلا۔ یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے
اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور اُن کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس
بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ) پھر دوسرے
مقام پر لکھتے ہیں "آنحضرت نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی۔ کفار بھی موجود تھے۔ جب
آپ نے یہ آیت پڑھی ومناة الثالثة الاخرى تو شیطان نے آپ کی زبان سے
یہ الفاظ نکلوا دیئے تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى۔ یعنی یہ بت
معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔ اس کے بعد آنحضرت نے سجدہ کیا
اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی ... بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند
نقل کیا ہے۔ ان میں طبری۔ ابن ابی حاتم۔ ابن المنذر۔ ابن مردویہ۔ ابن اسحاق۔
موسی بن عقبہ۔ ابو معشر شہرت عام رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ
ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار
ہے چنانچہ لکھتے ہیں وقد ذكرنا ان ثلاثة اسانيد منها على شرط الصحيح وهي
مراسيل يحتج بمثلها من يحتج بالمراسيل۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت
کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ

استدلال کر سکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قایل ہیں"۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۷۹) کیا یہ امر اسلام پر ماتم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کتب احادیث میں ایسی حدیثیں بھری ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم پر شیطان مسلط رہتا تھا۔ جو نہ صرف دنیوی معاملات میں بلکہ دینی امور میں بھی حضرت پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ اور نہ صرف حضرت کی ذاتی عبادت بلکہ تبلیغی خدمات میں بھی حضرت پر غالب ہو کر حضرت کی زبان سے کفر و بے دینی کی باتیں نکلوا دیتا تھا۔ لیکن حضرت کے مقابلہ میں حضرت عمر کے متعلق یہ حدیثیں بھری ہیں کہ شیطان آپ کے پاس آنے تک نہ پاتا تھا۔ بلکہ اس راہ سے بھی وہ بھاگ جاتا تھا جس طرف سے جناب ممدوح کا گزر ہوتا تھا۔ ایسے عقائد سنکر غیر مسلم قومیں مسلمانوں کا کس قدر مضحکہ کرتی ہونگی کہ وہ خدا کے پیغمبر اور عالم کے ہادی کو شیطان کا تابع سمجھتے اور خلیفۂ دوم کو ایسا پارسا مانتے ہیں جنکی راہ سے بھی شیطان دور ہی رہتا تھا۔ صرف دور ہی نہیں رہتا بلکہ ڈرتا بھی تھا۔ عن عائشۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان لیفرق من عمر۔ و اخرج احمد من طریق بریدۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان لیفرق منک یا عمر۔ واخرج ابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللہؐ ما فی السماء ملک الا وھو یوقر عمر ولا فی الارض شیطان الا وھو یفرق من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا شیطان عمر سے ڈرتا ہے۔ اور احمد نے بریدہؓ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر یقیناً تم سے شیطان ڈرتا ہے۔ اور ابن عساکر نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا آسمان میں کوئی فرشتہ ایسا نہیں ہے جو عمر کی عزت و تعظیم نہ کرتا ہو اور نہ زمین میں کوئی ایسا شیطان ہے جو عمر سے ڈرتا نہ ہو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۱) عن عائشۃ قالت قال رسول اللہؐ انی لانظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں جن و انس کے شیطانوں کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب عمر سے بھاگ گئے ہیں (ایضاً)

نزول قرآن بر آمد عمر صرف شیطان ہی کے معاملہ میں آپ کی فضیلت حضرت رسول خدا صلعم پر نہیں ثابت کی گئی بلکہ دوسرے امور میں بھی یہی کارروائی کی گئی ہے۔ مثلاً قال ابن عمر

وما نزل بالناس امر قط فقالوا وقال الا نزل القرآن علی نحو ما قال۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں پر کوئی بات نازل ہوتی اور سب لوگ اپنی رائے دیا کرتے تو قرآن مجید کی آیت حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوتی (تاریخ الخلفاء صـ۸۰)
دنیائے اسلام کا متفق علیہ اعتقاد ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ حضرت رسول خدا صلعم کا نہیں ہے بلکہ سب کا سب قرآن مجید کا کلام ہے۔ معنے اور الفاظ کل خدا ہی کے ہیں جنھیں خدا نے آنحضرت پر نازل کیا۔ اور کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی کوئی آیت اتری یا کوئی حکم نازل ہوا ہو۔ برخلاف اسکے حضرت عمر کے متعلق ایسی روایتیں ڈھیر کی ڈھیر ہیں۔ ایک اوپر ذکر کی گئی۔ اور دیکھو عن مجاھد قال کان عمر یری الرای فینزل به القرآن واخرج ابن عساکر ان فی القرآن لرایا من رای عمر۔ واخرج ابن عمر مرفوعا ما قال الناس فی شئ وقال فیه عمر الاجاء القرآن بنحو ما یقول عمر واخرج الشیخان عن عمر فقال وافقت ربی فی ثلث۔ مجاہد بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کوئی رائے قائم کرتے تھے تو قرآن بھی اسی کے مطابق نازل ہو جاتا تھا۔ اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں حضرت عمر کی رائے کے مطابق رائے ہے۔ اور ابن عمر نے بیان کیا ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں دوسرے لوگوں نے کچھ کہا اور عمر نے بھی کہا تو قرآن حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوا۔ اور حضرت عمر خود کہتے تھے کہ تین باتوں میں میری رائے خدا کی رائے کے مطابق ہو گئی (کہ جیسا میں نے کہا ویسا ہی حکم نازل ہوا) وافق عمر ربه فی احد وعشرین موضعا۔ اکیس مقام پر حضرت عمر کی رائے کے مطابق خدا نے قرآن مجید کا حکم نازل کیا (تاریخ الخلفاء صـ۸۳) ان میں سے بعض باتوں کی تصریح آگے آتی ہے۔

یہ تو وہ صورتیں تھیں جن میں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت عمر کے درمیان مجمل عنوان سے اختلاف کا ذکر اور اس امر کا بیان ہے کہ خدا نے ان مواقع پر حضرت عمر ہی کی تائید کی۔ اب وہ امر بھی دیکھو جس میں حضرت رسول خدا صلعم ایک فعل کرتے ہیں اور حضرت عمر اس سے منع کرتے ہیں۔ اس جگہ بھی خدا حضرت عمر ہی کی تائید کرتا اور اپنے رسول کو نیچا دکھاتا ہے۔ فی الصحیح عنه قال لما توفی عبد الله بن ابیّ دعی رسول الله

للصلوٰۃ علیہ فقام الیہ فقمت حتی وقفت فی صدرہ فقلت یا رسول اللہ اعلیٰ عدو اللہ ابن ابی القائل یوما کذا وکذا۔ فو اللہ ما کان الا یسیرا حتی نزلت ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا الایۃ۔ صحیح حدیث میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ فرمایا جب عبداللہ بن ابی نے انتقال کیا تو اُس کے اعزہ حضرت رسول خدا صلعم کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے لیگئے۔ جب حضرت وہاں پہونچے اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہوا اور حضرت کے سینہ کے مقابل اکڑ کر بولا اے رسول خدا کیا آپ اس شخص پر نماز پڑھیں گے جو خدا کا دشمن تھا اور فلاں روز اس نے ایسی ایسی باتیں کی تھیں۔ خدا کی قسم اس بات کو ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ خدا نے میرے موافق یہ حکم آنحضرتؐ پر نازل کر دیا کہ ان منافقوں سے جو شخص مرجائے اس پر کبھی نماز نہ پڑھو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۳)۔ اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں" رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا (صحیح بخاری باب اسلام عمر) اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں نماز کے اعلان کیلئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے ترہی کی رائے دی۔ حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کیلئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزوں نہیں ہوسکتا تھا۔ اسیرانِ بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر نے جو رائے دی وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرتؐ کے ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر کو اس پر بارہا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن ابیّ جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا تو آنحضرتؐ نے خلق نبوی کی بنا پر اس کے جنازہ

کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منھم۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں... تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمر سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمر ہی کی رائیں صائب نکلیں" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۷۷) دیکھنے میں یہ صرف حضرت عمر کی مدح ہے مگر اس سے خدا پر جس قدر الزامات عائد ہوتے اور حضرت رسولخدا صلعم کی جو مذمت نکلتی ہے اس کو عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کی عقل و معرفت ثابت کی جائے اور واضح کیا جائے کہ آنحضرت صلعم سے زیادہ خلیفۂ دوم کو خدا دوست رکھتا۔ مانتا اور قابل قدر سمجھتا تھا۔ لیکن اسکی تہ تک پہونچنے والے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسی روایتیں اگر مان لی جائیں تو اسلام ہی سے ہاتھ دھونا پڑیگا اور خدا و رسول ہی بے حقیقت ہو جائیں گے۔ اس طرح کہ خدا نے اپنی رسالت کے فرائض انجام دینے کیلئے حضرت رسول خدا صلعم کو منتخب فرمایا اور سارے ناس کو حضرت کا تابع قرار دیا۔ اب اگر کار رسالت انجام دینے میں کبھی حضرت رسولخدا صلعم غلطی فرماتے اور حضرت کی امت کا کوئی شخص حضرت کی غلطیاں درست کرتا رہتا تھا تو ایسا خدا کس کام کا جسے اتنی تمیز نہیں ہوئی کہ سمجھ سکتا کون شخص نبوت کا سزاوار اور کون اس کا نااہل ہے۔ اور جب حضرت کی حالت عبادات تک میں (معاذ اللہ) ایسی جہالت کی تھی کہ ادنےٰ درجہ کے لوگ حضرت کو ٹوک دیا کرتے تو خدا نے ایسے شخص کو نبی بنا کر دوسروں کی ہدایت کی یا انہیں گمراہ کیا؟۔ پھر کیوں نہ حضرت عمر ہی کو رسول بنایا؟۔ ان سب سے زیادہ مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ حضرت نے عبد اللہ بن ابی کی نماز وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی یا اپنے دل سے؟۔ اگر وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی تو پھر حضرت عمر کے ٹوکنے پر ان کی تائید کیوں کی؟۔ اس کا تو لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر خدا کی اصلاح بھی کرتے اور اس کی وحی کو بھی بدل دیا کرتے تھے۔ گویا خدا خود اپنے حکم کی خرابی تسلیم کر لیتا اور اس کے متعلق حضرت عمر کی رائے کی خوبی اور عظمت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا تھا۔ اور اگر حضرت نے اس کی نماز اپنے دل سے پڑھانے کا ارادہ کیا تو کیا حضرت

کو اس کا اختیار بھی تھا کہ کوئی مذہبی کام اپنے دل سے کر سکیں؟ پھر تو تمام وحیوں اور تمام امور رسالت کے متعلق یہ شبہہ ہونے لگیگا کہ ہوسکتا ہے حضرت نے یہ فعل بھی اپنے دل سے یا اپنی رائے سے کیا ہو۔ کیونکر اطمینان ہوگا کہ آنحضرت نے واقعاً خدا کی رسالت انجام دی۔ اور کیونکر پتا چل سکے گا کہ فلاں کام کو حضرت نے اپنے منصب رسالت کی حیثیت سے ادا کیا اور فلاں امر کو اپنی انسانی شان سے انجام دیا۔ خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول وفعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ لبعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے"۔ (الفاروق صفحہ ۲۰۹)۔ اس سے سردست ہم کو غرض نہیں کہ یہ کلام فی نفسہ درست ہے یا نہیں۔ بلکہ اس کلیہ کو تسلیم کر کے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اذان کے متعلق آنحضرت صلعم کی رائے یقیناً منصب نبوت کی حیثیت ہی سے تھی پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگی۔ اور وہ وہی ناقوس اور ترہی کی تجویز تھی جیسا کہ آپ نے ابن ہشام کی روایت سے اوپر بیان کیا ہے۔ پس جب وہ رائے خدا کی طرف سے تھی تو پھر حضرت عمر کی رائے کا قابل قبول اور آنحضرت کی رائے کا مردود ہونا یہی تو بتاتا ہے کہ خدا نے اپنی رائے کے مقابلہ میں حضرت عمر کی رائے کو ترجیح دی یعنی اُس نے اپنی رائے کو حقیر اور حضرت عمر کی رائے کو قابل عمل قرار دیا۔ اسی طرح ازواج نبی کیلئے پردہ کا حکم بھی منصب نبوت کی حیثیت سے ہی ہوگا۔ تو اس میں رسولخدا صلعم بلکہ خود خدا کیوں اتنے دنوں تک خاموش رہا اور اس نے اس کا موقع کیوں دیا کہ حضرت عمر کو اس پر بار بار خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی پر نماز پڑھنا بھی منصب نبوت کی حیثیت سے تھا پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگا۔ پھر کیوں خدا نے حضرت عمر کی رائے کے مطابق رسول صلعم کو حکم دیا کہ ایسے لوگوں پر نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ باتیں تین صورتوں سے خالی نہیں ہوسکتیں۔ یا ان تمام مواقع پر آنحضرت کے کل افعال منصب نبوت سے علحدہ تھے اور خدا نے ان

باتوں کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ آنحضرت صلعم نے اپنے دل سے ان کو اختیار کیا۔ اور حضرت عمر نے آپ کے خلاف رائے دی۔ خدا کو آنحضرت صلعم کی رائے ناپسند اور حضرت عمر کی رائے پسند ہوئی اس سبب سے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ حضرت عمر کی رائے کے مطابق کریں یا ان کل صورتوں میں آنحضرت صلعم نے جو کچھ کیا محض وحی خدا کی تعمیل کی اور حکم خدا کے مطابق اس کو انجام دیا لیکن حضرت عمر نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی تو خدا کو ان کی رائے اپنی رائے اپنی تجویز اور اپنی سمجھ سے بہتر معلوم ہوئی اس سبب سے آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ میں نے جو وحی تم پر نازل کی تھی وہ غلط اور خلاف عقل تھی۔ اور عمر جو کہتے ہیں وہی صحیح اور مطابق عقل ہے۔ لہذا میرے حکم کو چھوڑ کر اب عمر کی رائے کے مطابق عمل کرو۔ یا (تیسری صورت) یہ کہ ان روایتوں کو موضوع سمجھیں کہ صرف خوش اعتقادی سے حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کیلئے اور اسکے صلہ میں دنیوی ترقیاں حاصل کرنے کی غرض سے لوگوں نے انھیں گڑھا اور ان کے ہم مذہب سلاطین اور امرا نے ان کو خوب پھیلایا۔

رسولؐ کا استغفار اور حضرت عمر کا جواب علامہ سیوطی وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے لما اکثر رسول اللہؐ من الاستغفار لقوم قال عمر سواء علیھم فانزل اللہ سواء علیھم استغفرت لھم الآیۃ جب حضرت رسولخدا صلعم نے ایک قوم کیلئے بہت زیادہ استغفار کیا تو حضرت عمر نے کہا آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہے۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی کہ اے رسول آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں بات برابر ہے تا آخر آیت (تاریخ الخلفاء ص۸۵)۔ حضرت رسول خدا صلعم کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند مانا گیا ہے کہ آپ کے القاب میں شفیع المذنبین بھی ہے کہ گنا ہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اور خدا اس شفاعت کو قبول کریگا۔ مگر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت نے ایک قوم کے لئے بہت زیادہ استغفار کیا لیکن خدا نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ اور جب حضرت عمر نے کہہ دیا کہ ان کے لئے استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے تو خدا نے موصوف ہی کے قول کے مطابق آیت نازل کر دی۔ اس صورت میں بھی خدا پر الزام عاید ہوتا ہے کہ جب حضرت کے استغفار کی کوئی حقیقت اس کی نظر میں نہیں تھی تو خدا نے حضرت سے کیوں وعدہ کیا تھا کہ میں تمھاری شفاعت

قبول کرونگا۔ اور حضرت کے پہلے ہی استغفار پر کیوں نہ وحی نازل کردی کہ تم کیوں استغفار کررہے ہو میں تمھاری بات نہیں مانونگا۔ اور خدا اتنی دیر تک کیوں خاموش رہا کہ جب حضرت عمر نے کہا تو بالکل انہیں الفاظ میں خدا نے بھی آیت اتار دی۔ اس سے توصاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو ذلیل اور حضرت عمر کو تقبیل درگاہ باری دکھانا چاہا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح حضرت عمر کے متعلق اور روایتیں موضوعیت کی شان سے آراستہ نظر آتی ہیں اسی طرح یہ روایت بھی ہے جو مریدان می پرانند کے اصول پر ایجاد کی گئی۔

واقعۂ افک میں حضرت عمر کی رائے

حضرت عائشہ کے افک کا واقعہ مشہور ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت کس درجہ عبرتناک ہے لما استشار الصحابة فی قصة الافک قال عمر من زوجکھا یا رسول اللہ۔ قال اللہ۔ قال افتظن ان ربک دلس علیک فیہا سبحانک ھذا بھتان عظیم فنزلت کذالک۔ جب حضرت عائشہ کے اتہام کے متعلق حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے کہا اے خدا کے رسول عائشہ کیساتھ آپ کی شادی کس نے کی تھی؟ فرمایا خدا نے۔ تب آپ نے کہا پھر کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا نے ان کے بارے میں آپ کو دھوکا دیا اور فریب میں مبتلا کردیا؟ آپ کی ذات اس سے بلند ہے اور یہ تو بڑا بہتان ہے (تاریخ الخلفاء ص۸۵) سرسری نظر سے دیکھئے تو اس میں صرف حضرت عائشہ کی پاک دامنی اور حضرت عمر کی عقیدت و اخلاص کا ذکر ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رسالت بلکہ علم و عقل کا پردہ بھی اچھی طرح چاک کردیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ آنحضرت کی بیوی تھیں اس سبب سے آنحضرت کو ان کے طبعی حالات۔ ان کے انسانی جذبات۔ ان کے نسوانی مقتضیات کا زیادہ تجربہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور آنحضرت کو یہ بھی معلوم تھا کہ خدا نے حضرت عائشہ کی شادی سے قبل ان کی تصویر ایک ریشمی پردہ پر حضرت کو دکھادی تھی۔ آنحضرت اس کو بھی جانتے تھے کہ آپ ان پر نہایت درجہ فریفتہ ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ حضرت عائشہ بھی آپ پر فریفتہ رہیں اور آپ کے مقابلہ میں کسی مرد کی طرف نظر بھی نہ کریں۔ اور آنحضرت برابر حضرت عائشہ کو اپنے گھر ہی رکھتے تھے جسکی وجہ سے

غیروں کے آنے جانے پر بھی کافی پہرا پڑتا ہوگا۔ اور کل حالات کی اطلاع آپ کو برابر ہوتی رہتی ہوگی۔ باوجود ان امور کے جب مخالفین نے اس اتہام کو مشہور کیا تو حضرت کو بھی ان کی عفت میں شبہ ہو گیا۔ اور ان باتوں سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ حضرت عائشہ سے ملنا تک بند کر دیا۔ ایک ماہ تک ان سے علحدہ رہے اور حضرت عائشہ نے یہ رنگ دیکھا تو کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ رونے دھونے میں زندگی بسر کرنے لگیں اور آنحضرت کا گھر چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئیں۔ غرض خدا کے پیارے پیغمبر بلکہ سید المرسلین کے گھر میں اتنا زبردست فتنہ قائم ہو گیا اور خدا کا رسول اپنی حرمت کی ذلت سے تلخ ترین زندگی گزارنے لگا۔ مگر خدا کو حضرت پر رحم نہیں آیا نہ وحی کے ذریعہ سے حضرت کو جناب عائشہ کی پاکدامنی کی خبر کی۔ نہ الہام کے ذریعہ سے حضرت کو متنبہ کیا کہ یہ سب خبریں غلط ہیں۔ کسی کا اعتبار نہ کرو اور اپنی بی بی عائشہ کی عزت میں شک وشبہ نہ کرو نہ ان سے تعلقات منقطع رکھو۔ اور جب وحی و الہام کا دروازہ بند دیکھ کر اپنی قوت فیصلہ کو عاجز پاکر اور قرائن و دلائل کی راہوں کو مسدود جان کر حضرت نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے بغیر تحقیقات کئے۔ بغیر غور و فکر کئے۔ بغیر شک وشبہ کو راہ دیئے ہوئے فوراً حضرت سے سوال کیا اور پھر کہہ دیا کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے آپ کی شادی کیلئے ایسی عورت تجویز کی ہو؟ حضرت عمر کی زبان سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ فوراً خدا بھی اپنے فرض کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسی وقت انہیں الفاظ میں جو حضرت عمر کی زبان سے جاری ہوئے تھے وحی نازل کر دی کہ عائشہ پاک دامن ہیں۔ کہنے والے جھک مارتے اور محض افترا و بہتان میں مشغول ہیں۔ غور کرو! اچھی طرح سوچو کہ اگر اس سے حضرت عمر کی ایک فضیلت ثابت ہوئی تو خدا کی کتنی مذمتیں پیدا ہو گئیں۔ کتنے بڑے بڑے الزامات اس پر قائم ہو گئے۔ اور اس پر اعتراضات کی کتنی بوچھار ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ حضرت رسول خدا صلعم کی عقل و علم و معرفت و تجربہ و قوت تمیز کا جنازہ بھی کس دھوم سے اٹھایا گیا۔ شان رسالت کی مٹی کس درجہ پلید کر دی گئی۔ اور مصداق انک لعلی خلق عظیم کے مزاج و اخلاق کی کیا حقیقت باقی رہ گئی۔

ایک شخص کا قتل اور آپکی براءۃ | علامہ سیوطی وغیرہ یہ بھی لکھتے ہیں اختصم رجلان

الی النبیؐ فقضیٰ بینھما فقال الذی قضیٰ علیہ ردنا الی عمر بن الخطاب فاتیا الیہ فقال الرجل قضیٰ لی رسول اللہ علی ھذا فقال ردنا الی عمر۔ فقال اکذالک۔ قال نعم فقال عمر مکانکما حتی اخرج الیکما فخرج الیھما مشتملا علی سیفہ فضرب الذی قال ردنا الی عمر فقتلہ وادبر الآخر فقال یا رسول اللہ قتل عمر واللہ صاحبی فقال ماکنت اظن ان یجترئ عمر علی قتل مومن۔ فانزل اللہ فلا وربک لا یؤمنون الایہ فاھدر دم الرجل وبرئ عمر من قتلہ و لہ شاھد موصول اوردتہ فی التفسیر المسند۔ دو آدمی جھگڑتے ہوئے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس آئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ تب اس شخص نے جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ ہم لوگوں کو حضرت عمر کے پاس واپس کر دیں (کہ وہی فیصلہ کریں۔ حضرت نے واپس کر دیا) تو دونوں ان کے پاس گئے اور جسکے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے حضرت عمر سے کہا کہ حضرت رسول خداؐ نے ہم لوگوں کا فیصلہ کیا تو اس شخص نے کہا کہ ہم لوگوں کا مقدمہ حضرت عمر کے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت عمر نے یہ سنکر کہا کیا ایسا کہا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے کہا اچھا تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں آتا ہوں۔ پھر آپ تلوار لئے ہوئے نکلے اور اس شخص کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر دوسرا شخص آنحضرت صلعم پاس واپس آیا اور کہا یا حضرتؐ عمر نے میرے ساتھی کو مار ڈالا۔ حضرت نے فرمایا مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ ایک مومن کے قتل کی جرأت عمر کر بیٹھیں گے۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی۔ پس اے رسول تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہونگے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو بھی مان لیں۔ پارہ ۵ ع ۶۔ اس طرح اس شخص مقتول کا خون رائگاں کر دیا گیا اور حضرت عمر اس کے قتل کی سزا سے چھوڑ دیئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۵)۔ یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کی قابلیت اور فضل و کمال کا سکہ لوگوں کے دلوں پر حضرت رسول خدا صلعم سے بھی زیادہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور عامۂ مسلمین آنحضرت کی زندگی میں بھی آنحضرتؐ کے فیصلہ پر راضی نہیں رہتے نہ اس سے لوگوں کی تشفی ہوتی بلکہ چاہتے کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ حضرت

عمر ہی کیا کریں۔ مگر اس سے خدا اور رسول کی جو توہین ہوتی ہے اس سے عام طور پر چشم پوشی کیجاتی ہے۔ اس طرح کہ حضرت عمر نے اُس شخص کو قتل کر دیا اور آنحضرت صلعم نے اس پر افسوس بھی کیا مگر خدا نے حضرت عمر کے قتل کی تائید کر دی۔ اور ان کو قصاص سے بچا لیا۔ یہ واضح ہے کہ اس شخص نے جو کہا کہ ہمارا فیصلہ حضرت عمر سے کرا دیجئے۔ اس کا یہ کہنا ایسا جرم نہیں ہے جس پر وہ قتل کا مستحق ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود حضرت رسول خدا صلعم صحابہ کو حکم دیتے کہ اس کو قتل کر دو۔ لیکن بجائے اس کے حضرت نے اس کی خواہش پوری کر دی اور دونوں کو حضرت عمر کے پاس بھیجدیا۔ حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا تو آنحضرت نے ان کے اس فعل کو ناپسند کر کے فرمایا کہ مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ عمر ایک مومن کو قتل کر دینگے۔ مگر خدا نے اپنے ہی مقرر کئے ہوئے قواعد قصاص کو حضرت عمر کی حمایت میں پس پشت ڈالدیا اور آپ کو بری کر کے گویا کہہ دیا کہ حضرت عمر جو چاہیں کریں۔ ان کے لئے خدا کے اصول عدل و انصاف سب معطل کر دیئے گئے ہیں۔ وہی کام دوسرے کریں تو دنیا میں قتل بھی کئے جائیں اور آخرت میں ہمیشہ جہنم میں بھی رہیں لیکن وہی فعل حضرت عمر کریں تو دنیا میں بھی چھوڑ دئیے جائیں۔ آخرت میں بھی آزاد رہیں بلکہ ان کے موافق قرآن مجید میں آیت تک نازل کر دی جائے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

آپ کے حرام کرنے سے حرام ہو جانا

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے الاستیذان فی الدخول وذلک انہ دخل علیہ غلامہ وکان نائما فقال اللھم حرم الدخول فنزلت آیۃ الاستیذان۔ گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا بھی حضرت عمر کی رائے سے ہوا۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ سو رہے تھے تو آپ کا غلام آپ کے پاس پہونچ گیا۔ اس پر آپ نے جھنجھلا کر کہا اے اللہ تو دخول کو حرام کر دے۔ پس فوراً اجازت طلب کرنے کی آیت اتر پڑی (تاریخ الخلفاء صـ۸۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے کی ضرورت پر نہ خدا کی نظر پہونچی نہ رسول کی اسوجہ سے ان حضرات نے اس کو لازمی نہیں قرار دیا۔ مگر حضرت عمر نے اس کی اہمیت محسوس کی تو خدا سے کہا کہ دخول کو حرام کر دے اور خدا نے اس کی تعمیل کی۔

حالانکہ کل محرمات و محلات کو خدا ہی نے طے کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم کو بھی اس کے متعلق چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ و حفصہ کی خاطر سے آنحضرت صلعم نے صرف یہ ارادہ کیا تھا کہ اب شہد نہیں کھائیں گے۔ یہ امر تک خدا کو ناگوار ہوا کہ جس چیز کو میں نے حلال کیا ہے اُسے رسول کیوں حرام کرتے ہیں فوراً آیت اتری کہ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک[۵]

[۵] مولوی وحیدالزماں خانصاحب نے لکھا ہے "ام المومنین سودہ نے حضرت عائشہ اور حفصہ کی صلاح سے آنحضرتؐ سے کہا آپ نے شاید مغافیر کھایا ہے جو ایک بدبودار گوند ہے۔ آنحضرتؐ کو اس سے بڑی نفرت تھی کہ آپ کے منہ سے ذرّہ بھی کوئی بری بو آئے جب حضرت عائشہ اور حفصہ نے بھی یہی کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے تو آپ کو یقین ہو گیا کہ حقیقت میں کوئی بری بو ہے حالانکہ آپ نے حضرت زینب کے پاس صرف شہد پیا تھا۔ آپ نے شہد اپنے اوپر حرام کر لیا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۹ صفحہ ۵۲) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلعم حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ انھوں نے اُن کے سامنے پیش کیا۔ آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہؐ جب ہمارے یا تمھارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آنحضرتؐ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری یا ایھا النبی الآیہ اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرتؐ کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کمسن تھیں۔ اسکے علاوہ ان کا مقصود آنحضرتؐ کو ایذا دینا نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں اسی طرح کی ایک تدبیر تھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۳۹۹)۔ مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ کمسنی کی وجہ سے حضرت عائشہ کے لئے جھوٹ بولنا جائز کیونکر ہو گیا اور وہ کمسن بھی کیسے تھیں۔ زوجیت رسول میں کتنے دنوں رہ چکی تھیں۔

آپ دونوں امروں میں مقابلہ کرو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے شہد سے کنارہ کشی اختیار کی تو خدا کو اتنا غصہ ہوا کہ پورا سورۂ تحریم ہی نازل کر دیا جس میں گویا آنحضرت پر عتاب ہے۔ لیکن حضرت عمر خدا سے کہتے ہیں کہ دخول کو حرام کردے اور خدا فوراً اس کی تعمیل کرتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا یا حضرت عمر کو آنحضرت صلعم سے زیادہ دوست رکھتا اور قابل عزت سمجھتا تھا کہ جس امر کی اجازت آنحضرت صلعم کو نہیں دیتا وہ حضرت عمر کے لئے مباح کر دیتا یا وہ حضرت عمر سے بہت ڈرتا تھا کہ جو بات آپ کی زبان سے نکلتی خدا کو اُسے کرنا ہی پڑتا۔ غرض ہر طرح خدا و رسول کی ذلت اور غلطی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس مصیبت کا علاج اسکے سوائے کچھ نہیں کہ ایسی روایتوں کو گپ اور خوش اعتقادی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

اذان میں ترمیم اسلامی عبادات کی کل صورتیں خدا کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم نے بھی ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا نہ کوئی ترمیم پسند کی مگر حضرت عمر کے متعلق ہے ان بلالاً کان یقول اذا اذن اشھد ان لا الہ الا اللہ حی علی الصلوٰۃ۔ فقال لہ عمر قل فی اثرھا اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ فقال رسول اللہ قل کما قال عمر۔ جناب بلال اذان دیا کرتے تھے اور اسکی صورت یہ تھی کہ پہلے اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اس کے بعد حی علی الصلوٰۃ کہا کرتے۔ حضرت عمر نے سنا تو کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ کے بعد اشھد ان محمدا رسول اللہ بھی کہا کرو۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے بلال سے فرمایا اچھا جس طرح عمر کہتے ہیں اسی طرح تم اذان دیا کرو (تاریخ الخلفاء ص۸۹) اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے اذان میں صرف اپنی گواہی رکھی تھی۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے بھی اسی کو پسند کیا تھا۔ مگر حضرت عمر کو یہ اذان اچھی نہیں معلوم ہوئی اور حضرت کی رسالت کی گواہی کا اضافہ بھی چاہا تو حضرت رسولخدا صلعم نے خدا کی مقرر کی ہوئی اذان میں اس جزو کو بڑھا دیا اور اُس وقت سے اذان اسی طرح رائج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اسلام کے ایک ایک امر کی اصلاح حضرت عمر کرتے رہتے تو خدا و رسول کس کام کے تھے۔ پھر خدا نے حضرت عمر ہی کو یہ مطلق اختیار کیوں نہیں دے دیا تھا کہ تم دنیا اور دین کا جو قاعدہ جس طرح چاہو مقرر کرکے لوگوں کو خبر کر دو۔ میں نہ رسول مقرر کروں گا۔ نہ کوئی وحی نازل

کروں گا۔ نہ فرشتہ کو بھیجوں گا۔ نہ کسی امر کا طریقہ بتاؤں گا۔ نہ کسی عبادت کی صورت معین کروں گا۔ تم جانو اور دنیا والے جانیں۔

یاساریۃ الجبل کا واقعہ | حضرت ممدوح کے ہوا خواہوں نے اس واقعہ کو بھی بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ علامہ سیوطی کے الفاظ میں دیکھو عن نافع عن ابن عمر قال وجّہ عمر جیشا ورأس علیھم رجلا یدعی ساریۃ۔ فبینا عمر یخطب جعل ینادی یا ساریۃ الجبل ثلثا۔ ثم قدم رسول الجیش فسأل عمر۔ فقال یا امیر المومنین ھزمنا فبینا نحن کذلک اذ سمعنا صوتا ینادی یا ساریۃ الجبل ثلاثا فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ۔ قال قیل لعمر انک کنت تصیح بذلک۔ وذلک الجبل الذی کان ساریۃ عندہ بنھاوند من ارض العجم قال ابن حجر فی الاصابۃ اسنادہ حسن۔ واخرج ابن مردویہ من طریق میمون بن مھران عن ابن عمر قال کان عمر یخطب یوم الجمعۃ فعرّض فی خطبتہ ان قال یا ساریۃ الجبل من استرعی الذئب ظلم فالتفت الناس بعضھم لبعض فقال لھم علیّ لیخرجنّ مما قال۔ فلما فرغ سألوہ فقال وقع فی خلدی ان المشرکین ھزّموا اخواننا وانھم یمرون بجبل فان عدلوا الیہ قاتلوا من وجہ واحد وان جاوزوا ھلکوا فخرج منی ما تزعمون انکم سمعتموہ۔ قال فجاء البشیر بعد شھر فذکر انھم سمعوا صوت عمر فی ذلک الیوم۔ قال فعدلنا الی الجبل ففتح اللہ علینا۔ واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن عمرو بن الحارث قال بینما عمر یخطب یوم الجمعۃ اذ ترک الخطبۃ فقال یا ساریۃ الجبل مرتین او ثلثا ثم اقبل علی خطبتہ فقال بعض الحاضرین لقد جُنّ انہ لمجنون۔ فدخل علیہ عبد الرحمن بن عوف وکان یطمئن الیہ فقال انک لتجعل لھم علی نفسک مقالا۔ بینا انت تخطب اذ انت تصیح یا ساریۃ الجبل۔ ای شیٔ ھذا۔ قال انی واللہ ما ملکت ذلک رایتھم یقاتلون عند جبل یؤتون من بین ایدیھم ومن خلفھم فلم املک ان قلت یا ساریۃ الجبل لیلحقوا بالجبل فلبثوا الی ان جاء رسول

ساریۃ بکتابہ ان القوم لقونا یوم الجمعۃ فقاتلناھم حتی اذا حضرت الجمعۃ سمعنا منادیا ینادی یا ساریۃ الجبل مرتین۔ فلحقنا بالجبل فلم نزل قاھرین بعدونا حتی ھزمھم اللہ وقتلھم۔ فقال اولئک الذین طعنوا علیہ دعوا ھذا الرجل فانہ مصنوع لہ۔ نافع نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (ابا جان) حضرت عمر نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سردار ایک شخص ساریہ نامی کو مقرر کیا۔ اسکے جانے کے بعد ایک روز آپ خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعۃً پکارنا شروع کیا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس جملہ کو انھوں نے تین مرتبہ کہا۔ پھر جب اس لشکر کے حالات بیان کرنے کے لئے وہاں سے قاصد آیا۔ اور حضرت عمر نے واقعات دریافت کئے تو اس نے کہا اے حضور ہم لوگ تو شکست کھا چکے تھے۔ اور ابھی اسی شکست میں مبتلا تھے کہ دفعۃً ایک چیخنے کی آواز سنائی دی کہ کوئی منادی کر رہا ہے اے ساریہ جبل پر چڑھ جاؤ۔ اس غیبی آواز نے تین مرتبہ یہی کہا۔ تب ہم لوگوں نے اپنی پشتوں کو اس پہاڑ سے ملا دیا جس کے بعد خدا نے مشرکوں کو شکست دے دی۔ کہا کہ حضرت عمر سے کہا گیا آپ ہی اس آواز سے چیخ رہے تھے۔ اور وہ پہاڑ جہاں سردار لشکر ساریہ اس وقت تھا ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس ہے۔ علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بیان کیا ہے کہ اس روایت کی اسناد درست اور حسن ہے۔ اور ابن مردویہ نے میمون بن مہران کے طریق سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (ابا جان) حضرت عمر ایک جمعہ کو خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعۃً اپنے خطبہ میں رخ پھیر دیا اور کہنے لگے اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ جو شخص بھیڑیے کی نگرانی کرتا ہے ظلم کرتا ہے۔ آپ کا یہ بے موقع کلام سنکر حاضرین گھبرائے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جب وہ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے پوچھا یہ آپ خطبہ پڑھتے ہوئے کیا کہنے لگے تھے؟ آپ نے جواب دیا میرے دل میں یہ الہام ہوا کہ مشرکین نے میرے بھائیوں کو شکست دیدی۔ اور وہ لوگ ایک پہاڑ کی طرف سے گزر رہے ہیں پس اگر وہ لوگ اسی پہاڑ کی طرف ہو جائیں تو ایک ہی طرف سے لڑنا ہوگا۔ اور اگر وہاں سے آگے بڑھ جائینگے تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی پر میری زبان سے وہ بات نکلی جس کے بارے میں تم سب کہتے ہو کہ میرے منہ سے سنا ہے۔ اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد خوشخبری لیکر قاصد آیا اور بیان کیا کہ

ساریہ کے لشکر والوں نے اُسی روز اپنے مقام پر حضرت عمر کی آواز سُنی تھی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ آواز سننے کے بعد ہم سب پہاڑ کی طرف مڑ گئے جس پر خدا نے ہم لوگوں کو فتح دیدی۔ اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں عمرو بن الحارث سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عمر خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعتہً خطبہ چھوڑ دیا اور دو یا تین مرتبہ پکار کر کہا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس کے بعد اسی خطبہ کو بیان کرنے لگے جیسے پہلے ذکر کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض حاضرین کہنے لگے کہ حضرت عمر کو یقیناً جنون کا دورہ ہو گیا ہے۔ یقیناً یہ پاگل ہیں۔ اسکے بعد عبدالرحمن بن عوف ان کے پاس گئے۔ کیونکہ ان کو ان سے اطمینان تھا۔ اور کہا اے حضور! آپ کی کیا حالت ہے کہ لوگوں کو اپنے متعلق بُرا بھلا کہنے کا سامان کر دیتے ہیں۔ آپ خطبہ بیان کرتے ہوئے یہ کیا چیخنے لگے تھے کہ اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ یہ کیا بات تھی۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب میں نے ساریہ کے لشکر والوں کو دیکھا کہ ایک پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور ان پر آگے سے بھی حملہ ہو رہا ہے اور پیچھے سے بھی پیسے جا رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے پکار کر ان لوگوں سے کہا کہ اے ساریہ پہاڑ سے مل جاؤ۔ اسکے بعد مدت تک لوگ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ساریہ کا قاصد اُس کا خط لیکر آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ دشمنوں نے جمعہ کے روز ہم لوگوں پر حملہ کیا تو ہم لوگ خوب لڑے یہاں تک کہ جب نماز جمعہ کا وقت پہونچا تو ہم لوگوں نے اچھی طرح سنا کہ ایک منادی پکار کر کہہ رہا ہے اے ساریہ پہاڑ پر۔ یہ بات اس نے دو مرتبہ کہی تو ہم لوگ پہاڑ سے مل گئے جس کے بعد دشمنوں پر حملہ کرتے ہی رہے یہاں تک کہ خدا نے ان سب کو شکست فاش دے دی اور ان کو قتل کر دیا۔ جب ان لوگوں نے جنھوں نے حضرت عمر کی اس بات پر اعتراض کیا تھا اصلی واقعہ سن لیا تو کہا ان کو چھوڑ دو کہ ان کے لئے یہ بات بنائی گئی (تاریخ الخلفاء صـ) ان روایتوں میں اس کا ذکر نہیں کہ یہ واقعہ کس سال کا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو بھی صاف کر دیا۔ فرماتے ہیں (امرہ عمر علے جیش وسیرہ الی فارس سنۃ ثلاث وعشرین فوقع فی خاطر عمر وھو یخطب یوم الجمعۃ ان الجیش المذکور لاقے العدو وھم فی بطن واد وقد ھموا بالھزیمۃ وبالقرب منھم جبل فقال فی اثناء خطبتہ یاساریۃ الجبل الجبل ورفع صوتہ۔ فالقاہ اللہ فی سمع ساریۃ فانحاز بالناس الی الجبل وقاتلوا العدو

من جانب واحد ففتح اللہ علیھم ... وقال خلیفۃ افتتح ساریۃ اصبھان صلحا وعنوۃ فی مایقال۔ حضرت عمر نے ساریہ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر ایران کی طرف روانہ کیا۔ پھر ایک دفعہ جب حضرت عمر جمعہ کے روز خطبہ بیان کر رہے تھے ان کے دل میں یہ بات آ گئی کہ یہ لشکر دشمنوں سے لڑا اور وہ ایک وادی کے وسط میں ہیں اور وہ لوگ بھاگنے اور شکست کھا جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ یہ خیال کر کے حضرت عمر نے خطبہ کے اثناء میں پکار کر کہا اے ساریہ! پہاڑ۔ چونکہ حضرت عمرؓ نے چیخ کر یہ آواز نکالی اسوجہ سے خدا نے ان کی آواز کو ساریہ کے کان تک پہونچا دیا جس کے بعد وہ سب لوگوں کو لے کر پہاڑ سے مل گئے اور پورے لشکر نے ایک طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ پس خدا نے ان لوگوں کو فتح دے دی... اور خلیفہ نے بیان کیا ہے کہ ساریہ نے اصفہان کو صلح اور جبر سے فتح کیا جیسا لوگوں نے بیان کیا ہے (اصابہ صفحہ ۵۳ جلد ۳)۔ اس روایت کا نتیجہ بھی واضح ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ حضرت عمر مدینہ میں ہیں اور ساریہ کا لشکر ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس۔ وہاں کے حالات کی خبر حضرت عمر کو کیسے ہو گئی کہ آپ نے مدینہ سے چیخ کر پہاڑ پر چڑھ جانے کی ہدایت کی۔ کوئی تار نہیں تھا۔ کوئی وائرلس ٹیلیگراف نہیں تھا۔ اور پھر حضرت عمر کی آواز مدینہ کے باہر تک تو جا نہیں سکتی ہوگی۔ سیکڑوں میل کی مسافت کیسے طے کر گئی کہ ساریہ نے سن لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ سوائے معجزہ یا کرامت کے تو یہ بات نہیں ہو سکتی۔ معجزہ یا کرامت سے یقیناً ہو سکتی ہے اور یہ واقعہ بھی ممدوح کی کرامتوں میں ہی درج کیا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ خاص اسی موقع پر یہ کرامت کیوں ظاہر ہوئی۔ آپ کے دوسرے فتوحات میں کیوں ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر کو یہ شرف کیوں حاصل نہیں ہوا۔ حضرت رسول خدا صلعم کو متعدد غزوات و سرایا پیش آتے رہے۔ حضرت کے کسی غزوہ یا سریہ میں یہ بات کیوں نہیں ہوئی۔ غزوۂ احد میں حضرت نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ مقرر فرمایا تھا کہ وہاں کے ایک خطرناک درّہ کی حفاظت کریں اور وہاں سے ہرگز نہ ٹلیں۔ مگر جب عبداللہ کے لشکر والے لوٹ مار کی غرض سے وہاں سے ہٹ آئے جس سے مسلمانوں کی شکست ہو گئی تو آنحضرت صلعم کو بھی خدا نے یہ کرامت کیوں نہیں عطا فرما دی کہ حضور ان لوگوں کو پکار کر کہتے کہ دیکھو ہٹو نہیں ورنہ شکست ہو جائے گی۔ حالانکہ ایک ہی جگہ آنحضرتؐ بھی تھے اور اس سے قریب ہی عبداللہ بن جبیر

کا لشکر بھی تھا۔ باوجود اسکے آنحضرت صلعم نے نہ ان لوگوں کا ہٹنا دیکھا نہ ان لوگوں کو پکار سکے
نہ وہ حضرت کی آواز سنکر وہاں ٹھہر سکے۔ آخر کار مسلمانوں کو شکست عظیم ہوئی۔ آنحضرتؐ
زخمی ہوئے۔ حضرت کا ہونٹ کٹ گیا۔ دو اگلے دندان مبارک شہید ہوگئے۔ غرض حضرت
کل مصائب میں مبتلا ہوئے مگر خدا نے کسی معجزہ یا کرامت سے آنحضرتؐ کی مدد نہیں کی۔ ہندہ
نے جناب حمزہ کا کلیجہ چیر کر نکالا اور چبا گئی لیکن آنحضرتؐ نے اس کو نہ اس لاش پر جاتے دیکھا نہ
لاش کی حفاظت کی حالانکہ اسکے بعد آنحضرتؐ کو اس کا کمال درجہ صدمہ ہوا۔ اس سے زیادہ
حیرت خیز یہ امر ہے کہ حضرت عمر نے تو مدینہ سے نہاوند (ملک عجم) کے لشکر۔ اسکی پریشانی اور آثار شکست
کو دیکھ لیا اور آواز دے کر اس کو شکست سے بچا لیا۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم نے غزوۂ بنی مصطلق
سے واپس آتے وقت اپنے ساتھ کی سواری پر سے حضرت عائشہ کے ہیکل گرنے کو نہیں دیکھا۔ نہ آپ
کو اس کی خبر ہوئی کہ جناب معظمہ اونٹ پر سے اتر گئی ہیں۔ نہ اس کا علم ہوا کہ قافلہ حضرت عائشہ کو
پیچھے چھوڑ کر چل کھڑا ہوا۔ نہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت عائشہؓ صفوان بن معطل کے ساتھ ہیں۔
وہیں سے ان کو پکار دیتے کہ خبردار اس کے ساتھ نہ آنا ورنہ متہم ہو جاؤ گی۔ نہ خود حضرت کو نظر آیا کہ
حضرت عائشہ اور صفوان کیا کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کے واپس آنے پر جب لوگوں نے اس اتہام کا
ذکر کیا تو آنحضرت کو بھی ان کے بارے میں شبہہ ہو گیا۔ جو اسلام کا ایک دردناک حادثہ ہے۔ کیوں نہیں
خدا نے حضرت عمر کی طرح حضرت رسولخدا صلعم کو بھی یہ کرامت عطا فرما دی تھی کہ جس طرح ممدوح
نے نہاوند میں ساریہ کے کل حرکات کو دیکھ لیا اسی طرح آنحضرت صلعم بھی صرف اپنے پیچھے حضرت
عائشہ اور صفوان کے کل افعال کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس کرب و پریشانی سے محفوظ رہتے جس
میں آپ نے اپنی محبوب زوجہ کے متہم ہو جانے کی وجہ سے کتنے دنوں تک بسر کی۔ کیا یہ حیرت خیز
امر نہیں ہے کہ حضرت عمر تو ملک عرب کے مدینہ سے ملک عجم کے نہاوند کا واقعہ بچشم خود دیکھ لیں
لیکن آپ کے مولا و مقتدا حضرت رسولخدا صلعم اپنے ہی قافلہ میں اپنی بیوی کی حالت تک نہ جان سکیں۔
کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے ہاں حضرت عمر کا درجہ رسولخدا صلعم سے اور ساریہ سردار لشکر کا
درجہ حضرت عائشہ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اور دیکھو غزوۂ خندق میں سردی بڑی سخت تھی۔ کفار کا
لشکر اور مسلمانوں کا لشکر ایک ہی جگہ تھا۔ مگر آنحضرت کو اس کی خبر نہیں تھی کہ اس وقت کفار کا لشکر
کیا کر رہا ہے۔ حضرت نے حضرت ابوبکر سے فرمایا جا کر قریش کی خبر لاؤ۔ انھوں نے کہا خدا اور رسول

مجھے اس زحمت سے معاف رکھیں۔ پھر آنحضرت نے حضرت عمر سے فرمایا تم جاکر خبر لاؤ۔ انھوں نے بھی وہی کہا کہ میں اللہ اور اوسکے رسول سے معافی چاہتا ہوں۔ تب حضرت نے فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ۔ وہ فوراً چلے گئے (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۵)۔ اگر حضرت عمر نے اپنی ذاتی قوت سے ملک عجم کے لشکر کی حالت دیکھ لی تھی تو حضرت رسول خدا صلعم نے چند قدموں کے فاصلہ پر کفار کے لشکر کی حالت کیوں نہیں دیکھ لی۔ اور اگر خدا نے حضرت عمر کو یہ کرامت عطا کی تو حضرت رسولخدا صلعم کو کیوں اس سے محروم رکھا؟ کیا یہ روایت یہ نہیں ثابت کرتی کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کو خدا مانتا تھا؟ ورنہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ روایت بھی بالکل وضعی ہے اور محض حضرت عمر کا غیر معمولی درجہ ثابت کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ خود حضرت عمر کے حالات سے اس روایت کو جانچو تو اس کا قطعی غلط ہونا مثل آفتاب روشن ہو جائے۔ آپ کی وفات کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں" مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لولو تھی اُس نے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا دو درہم (قریباً سات آنے)۔ حضرت عمر نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے۔ بولا کہ نجاری نقاشی آہن گری۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہوکر چلا آیا۔ دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمر تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر امامت کیلئے بڑھے۔ اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہات پکڑکر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے" (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۲۰۲)۔ کہاں حضرت عمر کی وہ دوربینی کہ ملک عرب میں بیٹھے ہوئے ملک عجم کے لشکر کو دیکھ رہے ہیں کہ آگے سے بھی گھر گیا ہے پیچھے سے بھی محصور ہے۔ اور کہاں یہ کوتاہ بینی کہ مسجد میں قاتل موجود ہے اور وہ خنجر بھی لئے ہوئے ہے مگر حضرت عمر نہ اُس کو دیکھتے ہیں نہ اسکے ہتھیار کو۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ اگر کہا جائے کہ خدا نے آپ کو اُس موقعہ پر

یہ کرامت عطا کی کہ عجم کے لشکر کو آپ نے دیکھ لیا اور قتل کے موقع پر یہ کرامت نہیں دی۔ تو خدا پر بھاری الزام آتا ہے کہ ایک معمولی لشکر کے فتح یاب ہونے کیلئے تو اس نے اتنا بڑا اہتمام کیا کہ حضرت کو عجم کے لشکر کا انجام دکھا دیا پھر حضرت عمر کی زندگی بچانے کیلئے اس نے یہ کرامت کیوں نہیں دی۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عمر اسلام کے بڑے فاتح۔ بڑے بادشاہ۔ بڑے مدبر تھے۔ اسلام کو آپ کے وجود کی شدید ضرورت تھی اور آپ کے اُس وقت اُٹھ جانے سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچا اور ان سب خرابیوں کا ذمہ وار خدا ہے کہ اُس نے ساریہ کے حال کی طرح فیروز کے حال سے آپ کو خبر نہیں کی اور اس کا وار کام کر گیا۔ پس یا اس واقعہ کو صحیح مان کر مذکورہ بالا الزامات قبول کئے جائیں۔ یا تسلیم کیا جائے کہ یہ روایت بالکل منگھڑت اور موضوع ہے۔

ایک خاندان کی بے وجہ ہلاکت

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب لرجل ما اسمک قال جمرۃ قال ابن من قال ابن شھاب قال ممن قال من الحرقۃ قال این مسکنک قال الحرۃ قال بایھا قال بذات لظے۔ فقال عمر ادرک اھلک۔ فقد احترقوا فرجع الرجل فوجد اھلہ قد احترقوا۔ حضرت کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص سے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟۔ اس نے کہا جمرۃ (جس کا معنے اردو میں چنگاری ہے) پوچھا کس کے بیٹے ہو؟۔ کہا شہاب کے (شہاب کا معنے آگ کا شعلہ ہے) پوچھا کس قبیلہ سے؟ کہا حرقۃ سے (حرقۃ کا معنے سوزش جلن ہے)۔ پوچھا تمھارا گھر کہاں ہے؟ کہا حرۃ میں (حرۃ معنے گرمی)۔ پوچھا اسکے کس حصہ میں؟ کہا ذات لظے میں (لظے معنے شعلہ) یہ سب سنکر حضرت عمر نے فرمایا جلدی جاکر دیکھو تمھارے گھر والے سب جل گئے۔ وہ شخص دوڑا ہوا آیا تو دیکھا کہ واقعاً اُس کے اہل و عیال سب جل گئے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ۱ صہ۸ و ریاض نضرہ جلد ۲ صہ۱۵ وغیرہ)۔ عربی زبان میں جمرہ۔ شہاب اکثر آدمیوں کے نام ہوتے ہیں اور حرۃ۔ ذات لظے مقام کے نام ہیں اور حرقۃ قبیلہ کا نام ہے۔ اور لغوی معنے سب کے آگ ہی سے متعلق ہیں۔ اتفاق سے اُس شخص کا نام جمرہ۔ اسکے باپ کا شہاب۔ اسکے قبیلہ کا حرقۃ۔ اس کے وطن کا حرہ اور اسکے محلہ کا ذات لظے تھا۔ ان چیزوں کا یہ نام رکھنے میں اس غریب کا کوئی قصور نہیں تھا اور نہ ان ناموں کا رکھنا کوئی جرم تھا۔ مگر ان کل باتوں کو سنکر حضرت عمر نے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے

سب جل گئے۔ اور فوراً وہ واقعاً جل گئے۔ معمولی بات میں اس کے گھر آگ لگ گئی۔ بیوی آگ جلکر مرگئی۔ بچے آگ میں کر کباب ہوگئے۔ اور دوسرے لوگ علحدہ نذر آتش ہوگئے۔ اور یہ سب کیا خدا نے کیونکہ حضرت عمر تو اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے صرف اپنی زبان سے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے سب جل گئے۔ مگر وہ آگ لکڑی لیکر اس کے گھر نہیں آئے نہ اس میں آگ لگائی نہ ان بیچاروں کو جلایا۔ جلانے کا کام خدا ہی نے تو انجام دیا۔ گویا خدا حضرت عمر سے اتنا ڈرا کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کی اُس نے فوراً تعمیل کردی۔ اس روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ حضرت عمر کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند تھا کہ جو بات ان کے منہ سے نکلتی تھی خدا اس کو فوراً انجام دیتا تھا۔ مگر خدا پر جو الزام آیا اس کی پرواہ نہیں کی گئی کہ خدا کا کتنا بڑا ظلم اور بے رحمی اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے خدا بالکل اندھا ہے کچھ نہیں دیکھتا کہ کس کا کیا قصور ہے۔ بے وجہ لوگوں کے ساتھ سفاکی کرتا رہتا ہے۔

دریائے نیل میں آپکی کرامت

یہ واقعہ بھی بہت اہمیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ لما فتحت مصر اتے عمرو بن العاص حین دخل یوم من اشہر العجم فقالوا یا ایہا الامیر ان لنیلنا ھذا سنۃ لا یجری الا بہا۔ قال وما ذالک۔ قالوا اذا کان احدی عشرۃ لیلۃ تخلوا من ھذا الشھر عمدنا الی جاریۃ بکر من بین ابویھا فارضینا ابویھا وجعلنا علیھا من الثیاب والحلی افضل مایکون۔ ثم القیناھا فی ھذا النیل۔ فقال لھم عمرو ان ھذا لایکون ابدا فی الاسلام وان الاسلام یھدم ما کان قبلہ فاقاموا والنیل لایجری قلیلا ولا کثیرا حتی ھموا بالجلاء۔ فلما رای ذلک عمرو کتب الی عمر بن الخطاب بذلک۔ فکتب لہ ان قد اصبت بالذی فعلت وان الاسلام یھدم ما کان قبلہ وبعث بطاقۃ فی داخل کتابہ وکتب الی عمرو انی قد بعثت الیک ببطاقۃ فی داخل کتابی فالقھا فی النیل۔ فلما قدم کتاب عمر الی عمرو بن العاص اخذ البطاقۃ ففتحھا۔ فاذا فیھا من عبد اللہ عمر امیر المومنین الی نیل مصر اما بعد فان کنت تجری من قبلک فلا تجر۔ وان کان اللہ یجریک فاسئل اللہ الواحد القھار ان یجریک فالقی البطاقۃ فی النیل قبل الصلیب بیوم فاصبحوا

وقد اجراه الله تعالیٰ ستة عشر ذراعا فی لیلة واحدة فقطع الله تلک
السنة عن اهل مصر الی الیوم۔ جب (حضرت عمر کے عہد خلافت میں) ملک مصر فتح ہوگیا
اور اسکے فاتح عمرو بن العاص اس میں داخل ہوئے تو عجمی مہینوں سے ایک تاریخ کو مصر والوں
نے کہا اے امیر اس ملک میں جو دریائے نیل بہتا ہے اس کا ایک دستور چلا آتا ہے جس کے بغیر
یہ بہتا نہیں ہے۔ عمرو عاص نے پوچھا وہ کیا۔ لوگوں نے کہا جب اس مہینہ کی ۱۱ تاریخ ہو جاتی ہے
تو ہم لوگ ایک کنواری لڑکی کیلئے اسکے والدین کے پاس جاتے اور اسکو راضی کرکے وہ لڑکی اس
سے لے لیتے ہیں۔ اور اسے خوب اچھے اچھے لباس نیز زیوروں سے آراستہ کرکے اس نیل
میں ڈالدیتے ہیں (جس کے بعد دریا اچھی طرح بہنے لگتا ہے)۔ عمرو عاص نے ان لوگوں سے
کہا اسلام میں تو یہ دستور قائم نہیں رہ سکتا اور اسلام اپنے قبل کے کل رواج کو مٹا دینے
کے لئے آیا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر مصر والے رک گئے اور انھوں نے کنواری لڑکی دریا میں
نہیں ڈالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے نیل کا بہنا بالکل موقوف ہوگیا۔ اس مصیبت سے
نکلنے کیلئے مصر والوں نے ارادہ کیا کہ وہاں سے جلاوطنی اختیار کرلیں۔ عمرو عاص نے یہ دیکھا
تو حضرت عمر بن الخطاب کو پورے واقعہ سے مطلع کر دیا۔ اور ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت
عمر نے ان کو جواب لکھا کہ تم نے جو کیا یہی درست تھا اور اسلام یقیناً ان تمام رسوم کو مٹا دے گا جو
اسکے پہلے سے جاری ہیں۔ اور آپ نے اس خط کے اندر ایک دوسرا رقعہ لکھ کر رکھدیا اور
عمرو عاص کو تاکید کی کہ اس رقعہ کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب یہ دونوں تحریریں عمرو عاص
کے پاس پہونچیں تو انھوں نے اندر والا رقعہ بھی کھول کر پڑھ لیا۔ اس میں لکھا تھا کہ یہ رقعہ ہے
عبد اللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ امابعد اے دریائے نیل
اگر تو اپنی خواہش سے بہتا ہے تو مت بہہ۔ اور اگر تجھے اللہ بہاتا ہے تو خدائے یکتا و قہار سے
سوال کرکے تجھے بہاتا رہے۔ عمرو عاص نے وہ رقعہ پڑھ کر دریائے نیل میں ڈالدیا۔ تاریخ معین
کو صبح کے وقت لوگ اٹھے تو دیکھا کہ (اس رقعہ کی برکت سے) خدا نے دریا کو ایک رات
میں سولہ ہاتھ بڑھا دیا۔ اس طرح اللہ نے اہل مصر کی اس رسم کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ (تاریخ الخلفا
ص۸۵ و ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۲) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ حضرت عمر کی کرامت ظاہر
اور خدا کے ہاں آپ کا اعلیٰ درجہ ثابت ہو مگر اس سے خدا کی جو توہین ہوتی ہے اس کی طرف

توجہ نہیں کی گئی۔ روایت کے الفاظ کہتے ہیں کہ مصر میں یہ رسم اس وجہ سے جاری ہوئی تھی کہ دریائے نیل اُس وقت تک بہتا نہیں تھا جب تک اس میں ایک دوشیزہ اور آراستہ لڑکی کی قربانی پیش نہیں کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ خدا ہی نے اس دریا کا جاری ہونا اس قربانی پر موقوف رکھا تھا۔ کیونکہ اس کا جاری ہونا یا رکنا دونوں خدا ہی کے اختیار میں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو بہتا۔ اور نہ چاہتا تو رُکا رہتا۔ مگر جب تک اس میں دوشیزہ ڈالی نہیں جاتی اس وقت تک وہ بہتا نہیں تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ خدا ہی چاہتا تھا کہ ہر سال اس میں دوشیزہ لڑکی ہلاک کیجائے۔ تب خدا اسکے بہنے کا حکم دے۔ پس خدا کی صفت رحمٰن ورحیم اُس وقت کہاں چلی جاتی تھی جب وہ دریائے نیل کے بہنے کو روک دیتا تھا کہ لوگ قحط کے خوف سے پریشان ہوجاتے تھے۔ اور خدا کی یہ صفت اُس وقت بھی کہاں رہتی تھی جب دوشیزہ لڑکی اپنے باپ ماں سے حاصل کیجاتی اور آراستہ کرکے دریا میں ڈال دی جاتی تھی۔ یقیناً یہ رسم کفر وجہالت کی تھی لیکن جب دریائے نیل کا بہنا اسی پر موقوف تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فعل خدا کا نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا اتنے دنوں تک یہ ظلم کیوں کرتا رہا کہ دوشیزہ لڑکیاں اس طرح اس میں ڈبوئی جاتیں۔ اگر وہ دریائے نیل کو برابر جاری رکھتا تو اہل مصر کنواری لڑکیوں کی بھینٹ بھی نہ چڑھاتے۔ ان وجوہ سے عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے اور صرف حضرت ممدوح کا تقرب الی اللہ دکھانے کیلئے بنائی گئی ہے۔

دریا پر سے لشکر کا گزرنا

مذکورۂ بالا روایت سے ملتی جلتی یہ بھی ہے روی ان عمر بعث جندا الی مدائن کسریٰ وامر علیھم سعد بن ابی وقاص وجعل قائد الجیش خالد بن الولید فلما بلغوا شاطی الدجلۃ ولم یجد وا سفینۃ تقدم سعد وخالد فقالا یا بحر انک تجری بامر اللہ فبحرمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولعدل عمر خلیفۃ اللہ الاخلیتنا والعبور۔ فعبر الجیش بخیلہ وجمالہ الی المدائن ولم تبتل حوافرھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے مدائن کسریٰ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سردار سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا اور لشکر کا افسر خالد بن ولید کو بنایا۔ جب یہ سب لوگ دریائے دجلہ کے کنارے پہونچے تو پار ہونے کے لئے کوئی کشتی نہیں ملی۔ اُس وقت سعد بن ابی وقاص اور خالد آگے بڑھے اور دریا سے خطاب کرکے کہا اے دریا تو

خدا کے حکم سے بہتا ہے۔ اب تجھ کو حضرت محمد صلعم کی عزت اور حضرت عمر خلیفہ خدا کے عدل کا واسطہ کہ ہم لوگوں کے عبور کرنے کیلئے راستہ چھوڑ دے۔ اس کے بعد پورا لشکر گھوڑوں اور اونٹوں سمیت دریا میں داخل ہو گیا اور مدائن تک اس طرح چلا گیا کہ جانوروں کے سم بھیگے تک نہیں (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵)۔ اس روایت میں یہ امر قابل غور ہے کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد نے دریا کو حضرت رسول خدا صلعم کی حرمت اور حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دیا ہے کہ تو راستہ چھوڑ دے۔ مگر اس امر سے چشم پوشی کی گئی کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید کو یہ معلوم کیسے ہوا کہ ان دونوں کا واسطہ دینے سے دریا پھٹ جائیگا۔ کیونکہ ہر شخص دریا سے ڈرتا ہے اور بغیر کشتی کے اس کے اندر سے عبور کرنے کا خیال تک نہیں کرتا۔ پھر ان دونوں صاحبوں کو اس وقت اس کی امید کیونکر ہوئی کہ ایسا کرنے سے دریا کا پانی ہٹ جائے گا۔ دوسرا امر یہ کہ اگر یہ واقعہ سچا ہو تو حضرت عمر کی کرامت کیسے ہوئی کیونکہ حضرت ممدوح تو مدینہ میں تھے۔ دریا عبور کرنے والے جناب سعد بن ابی وقاص و خالد تھے۔ تو یہ کرامت انہیں دونوں بزرگوں بلکہ پورے لشکر بلکہ گھوڑوں اور اونٹوں کی قرار دینی چاہیئے۔ کہ وہ سب لشکر والے اور وہ سب گھوڑے اونٹ ایسی کرامت والے تھے کہ بغیر کشتی کے دریا عبور کر گئے اور ان کے سم تک نہیں بھیگے اس سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ اثر حضرت عمر ہی کے نام کا تھا کہ آپکے عدل کا واسطہ دیا گیا تو دریا خشک ہو گیا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے نام میں یہ برکت نہیں تھی اسلئے کہ اگر یہ بات ہوتی تو یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے معجزات میں لکھا جاتا۔ یا آنحضرت کے اسم مبارک کے کرامات میں درج کیا جاتا لیکن کسی کتاب میں ایسا نہیں ہے بلکہ خاص حضرت عمر کے کرامات میں موجود ہے۔ مگر اس واقعہ سے حضرت عمر پر یہ زبردست اعتراض ہوتا ہے کہ جب آپ کے نام میں خدا نے یہ اثر پیدا کر دیا تھا تو آپ نے ملک مصر فتح کرنے کیلئے خشکی کی طرف کا بہت ہی دور دراز راستہ کیوں اختیار کیا جس میں مسلمانوں کا بے حد و حساب مال خرچ ہوا۔ آسانی سے ینبوع یا جدہ میں فوجیں بھیجدیتے اور وہ یہی کہہ کر بحر قلزم عبور کر جاتیں اور تھوڑی دیر میں ملک مصر میں داخل ہو کر اس پر نہایت آسانی سے قبضہ کر لیتیں کیونکہ جب دجلہ کا پانی آپ کے عدل کے واسطہ سے ایسا خشک ہو گیا کہ جانوروں کے سم تک نہیں بھیگے تو بحر قلزم کی کیا مجال تھی کہ کوئی شخص اس میں ڈوب جاتا یا فوج اس کے عبور کرنے سے عاجز رہتی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ حضرت عمر

کو اسکی اطلاع نہیں تھی کہ دریائے دجلہ کو وہ لشکر آپ کا نام لیکر عبور کر گیا تب بھی مشکل حل نہیں ہوتی کیونکہ ملک عجم میں ساریہ کے لشکر کو جب آپ نے دیکھ لیا کہ ہر طرف سے گھر گیا ہے اور آپنے پکار کر کہا کہ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ تو خود عراق میں (جو عرب ہی کا ایک حصہ ہے) سعد بن ابی وقاص اور خالد کا دریا عبور کر جانا آپ سے کس طرح مخفی رہا ہوگا۔ آپ کو تو اور جلد اطلاع ہوگئی ہوگی کہ دجلہ کے کنارے لوگوں کو کشتیاں نہیں ملیں اور ان لوگوں نے دریا کو میرے عدل کا واسطہ دیا تو وہ گھٹ گیا اور پورا لشکر آسانی سے عبور کر گیا۔ اسی طرح آپ مدینہ کے قریب کسی بندرگاہ پر فوجیں بھیجکر ان کو حکم دیتے کہ سعد بن ابی وقاص اور خالد کی طرح تم لوگ بھی بحر قلزم کو میرا واسطہ دینا وہ خشک ہو جائیگا اور تم سب عبور کر جانا۔ اگر اس کا موقع نہیں ملا تو کم از کم آپ مصری فوج کے افسر عمرو عاص کو حکم دیتے کہ سکندریہ فتح کرنے کے بعد وہیں کل فوجوں کو مڈیٹرینین سی (بحر شام یا بحر روم) میں اتار دیتے۔ وہ سب حضرت عمر کا نام لیکر پورا سمندر عبور کر جاتے اور یورپ میں داخل ہو کر پورے براعظم پر اسلامی جھنڈا نصب کر دیتے۔ جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملادینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمر کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۸)

مگر جب حضرت عمر کے نام میں یہ اثر تھا کہ اس کا واسطہ دے کر فوج کی فوج دریا میں اتر جاتی اور جانوروں کے سُم تک تر نہیں ہوتے تھے تو حضرت عمر یونانیوں سے بے وجہ ڈرے۔ اول تو یوں بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر نہر سویز اس زمانہ میں کھد گئی ہوتی تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو کیونکر اڑا لے جاتے۔ اب تو نہر سویز موجود ہے اور ہزاروں جہاز بحر روم سے بحر قلزم میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ کتنے جہازوں نے آکر حاجیوں کو اڑایا؟ لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس زمانہ میں ایسا ہوتا جب بھی حضرت عمر کے خوفزدہ ہونے کی وجہ نہیں تھی کیونکہ آپ سب مسلمانوں سے کہہ دیتے کہ جب کوئی دشمن جہاز پر سوار ہو کر اس ملک میں آئے اور یہاں کے کسی شخص یا کسی

چیز کو لے کر اڑا لے جانا چاہے تو تم لوگ فوج کی صورت میں آگے بڑھنا اور میرے عدل کا واسطہ دے کر بحر قلزم میں کود پڑنا۔ اس کا پانی تم لوگوں کیلئے خشک ہو جائے گا اور آسانی سے یونانی جہازوں کو پکڑ لینا۔ مختصر یہ کہ ایسے شبہات ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت بھی موضوع ہے اور اسی وجہ سے مولوی شبلی صاحب نے دریائے دجلہ کے خشک ہو جانے اور لشکر کے عبور کر جانے کی کرامت اپنی کتاب میں لکھی ہی نہیں۔

ایک عجیب قصہ جناب ممدوح کی کرامتوں میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ان عمرؓ کتب الی سعد بن ابی وقاص و هو بالقادسية يقول له وجه نضلة بن معاوية الانصاری الی حلوان العراق ليغزو علی ضواحيها۔ فبعث سعد نضلة فی ثلث مأته فارس۔ فخرجوا حتے اتوا حلوان العراق فاغار علے ضواحيها واصابوا غنيمة وسبيا فاقبلوا اليسوقونها حتے ارهقهم العصر وكادت الشمس لغرب فالجأ نضلة السبی والغنيمة الی سفح الجبل ثم قام فاذن فقال الله اكبر الله اكبر فاذا مجيب من الجبل يجيبه كبرت كبيرا يا نضلة ثم قال اشهد ان لا اله الا الله قال كلمة الاخلاص يا نضلة۔ ثم قال اشهد ان محمدا رسول الله۔ قال هو الذی بشرنا به عیسے بن مريم وعلے راس امته تقوم الساعة۔ فقال حی علے الصلاة۔ فقال طوبی لمن مشے اليها وواظب عليها۔ قال حی علے الفلاح۔ قال افلح من اجاب۔ قال الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله۔ قال اخلصت الاخلاص كله يا نضلة حرم الله بها جسدك علے النار۔ فلما فرغ من اذانه قاموا۔ فقالوا من انت يرحمك الله ملك انت ام من الجن او طائف من عباد الله۔ قد اسمعتنا صوتك فارنا صورتك فان الوفد وفد رسول اللهؐ ووفد عمر بن الخطابؓ۔ قال فانفلق الجبل عن هامة كالرحا ابيض الراس واللحية عليه طمران من صوف۔ قال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته۔ فقالوا وعليك السلام ورحمة الله وبركاته من انت يرحمك الله۔ قال زريت ابن برثملا وصی العبد الصالح عیسے بن مريم اسكننی هذا الجبل ودعا لی بطول البقاء الی

حین نزوله من السماء فاقرؤا عمر منی السلام وقولوا یا عمر سددوقارب فقددنا الامر واخبروه بهذه الخصال التی اخبرکم بها یا عمر اذا ظهرت هذه الخصال فی امة محمد فالهرب الهرب... ثم غاب عنهم فلم یروه۔ فکتب نضلة بذلک الی سعد وکتب سعد بذلک الی عمر فکتب الیه عمر سرانت ومن معک من المهاجرین والانصار حتی تنزلوا بهذا الجبل فان لقیته فاقرئه منی السلام۔ فخرج سعد فی اربعة الاف من المهاجرین والانصار حتی نزلوا ذالک الجبل ومکث اربعین یوما ینادی بالصلاۃ فلا یجد ون جوابا ولا یسمعون خطابا۔ جب جناب سعد بن ابی وقاص قادسیہ میں تھے تو حضرت عمر نے ان کو لکھا کہ تم نضلہ بن معویہ انصاری کو حلوان عراق کی طرف روانہ کرو کہ وہ اسکے اطراف میں جاکر لوگوں پر حملہ کریں۔ سعد نے تین سو سواروں کے ساتھ نضلہ کو اُن اطراف میں روانہ کردیا۔ وہ لوگ وہاں سے چل کر حلوان عراق میں پہونچے اور اس کے اطراف میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری کردیا اور بہت سامال غنیمت حاصل اور قیدی گرفتار کیا۔ ان سب کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا اور آفتاب غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا۔ مجبوراً نضلہ نے قیدیوں اور اموال غنیمت کو پہاڑ کے کنارے محفوظ کردیا اور کھڑے ہوکر اذان دینے لگے۔ ابھی اللہ اکبر۔ اللہ اکبر ہی کہنے پائے تھے کہ ناگاہ پہاڑ کے اندر سے ایک شخص نے آواز دی: اے نضلہ تم نے ابھی تکبیر کہی۔ پھر نضلہ نے کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر بھی اس غیبی شخص نے پکار کر کہا اے نضلہ یہ اخلاص کا کلمہ ہے۔ پھر کہا اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ اب اس غیبی شخص نے کہا یہی وہ بزرگ ہیں جنکی خوشخبری ہمیں جناب عیسی بن مریم نے دی تھی اور انہیں کی امت کے خاتمہ پر قیامت قائم ہوگی۔ پھر نضلہ نے کہا حی علی الصلوۃ۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا کیا خوب انجام ہے اس شخص کا جو نماز کی طرف چلے اور اس کی پابندی کرے۔ پھر نضلہ نے کہا حی علی الفلاح۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا جو شخص اس کو مان لے وہ بہت کامیاب ہے۔ پھر نضلہ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر اس غیبی بولنے والے نے کہا اے نضلہ تم نے پورے اخلاص کو ظاہر کیا۔ اس کی وجہ سے خدا تمہارے بدن کو آگ پر

حرام کردے۔ پھر جب نضلہ اپنی اذان سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کھڑے ہو گئے اور اس غیبی آواز کو مخاطب کرکے کہا اے بھائی خدا تم پر رحم کرے تم کون ہو؟ فرشتہ ہو یا جن ہو۔ یا بندگان خدا سے کوئی طائفہ ہو؟ ہم سب لوگوں نے تمھاری آواز تو سنی۔ اب اپنی صورت بھی دکھا دو کیونکہ یہ حضرت رسول خدا صلعم کی فوج اور حضرت کا لشکر ہے۔ اس بات پر پہاڑ شگافتہ ہوا اور اس کے اندر سے ایک آلو (یا ایک سر)[1] نکلا جو چکی ایسا تھا۔ اس کا سر اور ڈاڑھی دونوں سفید تھے۔ اس کے اوپر دو پرانے بوسیدہ اونی کپڑے تھے۔ اس نے نکل کر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نضلہ اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر پوچھا آپ کون ہیں خدا آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ اس نے کہا "میں زریت بن برثملا عبد صالح حضرت عیسی ابن مریم کا وصی ہوں۔ انھوں نے مجھے اس پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کو کہا اور میرے لئے طول عمر کی دعا کی کہ جب تک وہ آسمان سے دنیا میں دوبارہ نازل ہوں اس وقت تک میں زندہ رہوں۔ تم سب لوگ میرا سلام عمر سے کہہ دینا اور یہ پیغام بھی پہونچا دینا کہ اے عمر ٹھیک طرح سے چلو اور سب کو برابر حصہ دو کیونکہ قیامت قریب ہے۔ اور تم لوگ میری ان باتوں کی خبر بھی ان کو کر دینا جن کی اطلاع میں تم لوگوں کو دیئے دیتا ہوں۔ اے عمر جب حضرت محمدؐ کی امت میں یہ خصلتیں ظاہر ہو جائیں تو دیکھو بھاگ جانا۔ بھاگ جانا۔ اسکے بعد بہت سی نصیحتیں کرکے وہ الو یا وہ سر غائب ہو گیا اور پھر ان لوگوں نے اس الو یا اس سر کو نہیں دیکھا۔ نضلہ نے اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع سردار فوج سعد بن ابی وقاص کو دی اور انھوں نے

[1] ھامہ کا معنے اُلّو بھی ہے اور سر بھی۔ چونکہ اس کے بعد ہے کہ اس ہامہ کا سر سفید تھا اس سبب سے اس جگہ ہامہ سے مراد غالباً الو ہی ہوگا۔ مولوی وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے" ہامہ الو کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ اس کو منحوس سمجھتے اور کہتے کہ جو شخص قتل کیا جائے اور اس کا قصاص نہ لیا جائے تو اس کی روح اُلّو بن کر جا بجا پکارتی پھرتی ہے۔ مجھ کو پانی پلاؤ۔ جب اس کا قصاص لے لیا جاتا ہے تو اُڑ جاتی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۷ صفحہ ۴۲) لیکن اگر ہامہ کا معنے سر یا کھوپڑی ہی قرار دیا جائے تو معنے بگڑ جائیگا کیونکہ کھوپری سے علحدہ سر یا ایک سر میں دوسرا سر کیونکر ہو سکتا ہے۔ ۱۲

کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے رہتے ہیں (پارہ ۲ رکوع ۳) اور سنو! خدا فرماتا ہے کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینات واللہ لا یھدی القوم الظالمین اولئک جزاءھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔ خدا ایسی قوم کی ہدایت کیسے کرسکتا ہے جو ایمان لاکر اور رسول کو حق مان کر اور واضح دلیلیں دیکھنے کے بعد پھر انکار کر بیٹھے۔ خدا کی تو یہ حالت ہے کہ وہ ظلم کرنے والوں کی ہدایت کیطرف توجہ نہیں کرتا بلکہ ان کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی رہتی ہے (پارہ ۳ رکوع ۱) اور دیکھو ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ جو شخص جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیگا اور اس پر خدا کا غضب ہوگا اور اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوتی رہے گی اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب طیار کر رکھا ہے (پارہ ۵ رکوع ۱۰) اور سنو ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم جو لوگ پارسا اور غافل مومنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں ملعون قرار دیئے گئے ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے (پارہ ۱۸ ع ۹) اور سنو فرماتا ہے فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم۔ کیا تم لوگوں سے یہ بات دور ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو زمین پر فساد پھیلانے اور اپنے رشتے ناطوں کو توڑنے لگو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور گویا خود اُس نے ان کے کانوں کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے (پارہ ۲۶ ع ۷) اور سنو خدا کیسے واضح طریقے سے فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا۔ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو اذیت پہونچاتے ہیں یا پہونچائیں گے خدا ان لوگوں پر یقیناً دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا رہے گا اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب طیار کر رکھا ہے (پارہ ۲۲ ع ۴) یہ بھی فرمایا ہے یوم

لا ینفع الظالمین معذرتھم ولھم اللعنۃ ولھم سوء الدار۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ ظالموں کو ان کی معذرت سے کچھ نفع نہیں حاصل ہوگا اور ان کے لئے لعنت اور برے گھر کا رہنا طے پا چکا ہے (پارہ ۲۴ ع ۱۱)۔ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ ظلم کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے (پارہ ۱۲ ع ۲)۔

مولوی صاحب۔ خیر خدا کا لعنت کرنا تو قرآن مجید سے تم نے ثابت کر دیا اور واقعاً متعدد آیات تم نے پیش کر دیں۔ سبحان اللہ تمہاری قرآن دانی کی تعریف بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر اور بزرگان دین نے تو ایسا نہیں کیا۔ ہمیں تو انہیں کی پیروی کرنی چاہئیے۔

ہدایت خاتون۔ تو کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ جو کام خدا کرے وہ اچھا اور وہی کام ہم لوگ کریں تو برا؟ خدا تو بزرگان دین کا بھی بزرگ ہے۔ جب خود وہ ظالموں وغیرہ پر لعنت کرے تو پھر کسی اور کا فعل کیوں دیکھا جائے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب قرآن مجید سے کوئی بات ثابت اور خود اللہ تعالے کا فعل واضح ہو جائے تو اب کسی اور کے افعال جانچنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر بھی یہ بات کہنے میں آسکتی ہے کہ اگر خدا کی طرح ہم لوگوں کو بھی برے لوگوں پر لعنت کرنا مناسب ہوتا تو ہمارے بزرگان دین بھی بد اعمال لوگوں پر لعنت کرتے۔ مگر اُن کا اور خاصکر حضرت رسول خدا صلعم کا کسی پر لعنت نہ کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ہم لوگ خدا کی برابری نہ کریں۔ خدا نے جن لوگوں پر لعنت کی کرتا رہے لیکن جب رسول مقبول صلعم نے ایسا نہیں کیا تو مسلمان اور حضرت کا کلمہ پڑھنے والے کیوں ایسا کریں۔ ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہئیے۔ دوسروں سے کیا مطلب؟۔

ہدایت خاتون۔ اس کو تو میں بھی مانتی ہوں کہ اگر حضرت رسول خدا صلعم نے کسی پر لعنت نہ کی ہو تو مسلمانوں کو بھی نہ کرنا چاہئیے۔ مگر کیا تم کہہ سکتے ہو کہ آنحضرت صلعم نے کسی پر لعنت نہیں کی ہے؟۔ کیا حضرت کی زبان مبارک اس سے بچی رہی؟۔

مولوی صاحب۔ یہ تم نے خوب کہا کہ کیا تم کہہ سکتے ہو۔ میں تو کہہ ہی رہا ہوں کہ رسول مقبول صلعم نے کبھی اپنی زبان پاک کو ایسی بخس اور گندی بات سے خراب نہیں کیا۔ کہاں حضرت کی زبان اور کہاں یہ بدتہذیبا۔ حضرت تو خلق عظیم پر فائز تھے۔

ہدایت خاتون۔ ارے کیا غضب کرتے ہو۔ اپنی مولویت کو کیوں فضیحت کر رہے ہو۔ جاہل لوگ اگر ایسی باتیں کہیں تو تمھیں چاہیئے کہ انھیں بتا دو۔ نہ کہ خود ہی ایسی بے خبری کی باتیں کرو۔ دیکھو یہ مشکوٰۃ شریف رکھی ہے اس میں صاف لکھا ہوا ہے لعن رسول اللہ صلعم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ و قال ھم سواء رواہ مسلم ۔حضرت رسول خدا صلعم نے لعنت کی ہے ان لوگوں پر جو سود کھاتے اور کھلاتے اور اس کا مضمون لکھتے اور اسکے گواہ بنتے ہیں اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ مسلم نے اس کی روایت کی (مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۳۶) لعن رسول اللہ صلعم الراشی والمرتشی فی الحکم رواہ الترمذی ۔حضرت رسول خدا صلعم نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت کی ہے۔ اس کی روایت ترمذی نے کی ہے (جلد ا صفحہ ۱۵۹)

مولوی صاحب۔ تو یہ کون کہتا ہے کہ ایسے برے کام کرنے والوں پر حضرت رسول مقبول صلعم نے لعنت نہیں کی ہے۔ ایسی حدیثوں سے تو ہمارے ہاں کی کل کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ تقریباً ہر برا کام کرنیوالے کے متعلق ایسی حدیثیں موجود ہیں۔

ہدایت خاتون۔ سبحان اللہ۔ ایک ہی زبان سے ایک ہی وقت اقرار اور انکار یہ تمھارا ہی کام ہے۔ ابھی کہا تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم ایسی گندی بات سے اپنی زبان پاک کو نجس نہیں کر سکتے۔ اور اب یہ کہتے ہو۔ تمھاری کس بات کا جواب دیا جائے۔ اور کس پر مضحکہ کیا جائے۔ کسی ایک اصول پر ہو تو بحث طے ہو سکے۔

مولوی صاحب۔ تم میری زبان پکڑتی ہو۔ یہ بڑی مشکل ہے۔ جب خدا نے قرآن مجید میں برے لوگوں پر لعنت کی ہے تو حضرت رسول مقبول صلعم کیوں نہیں لعنت کرتے۔ یہ تو بدیہی بات ہے۔ مگر تم نے یہ تو نہیں دکھایا کہ حضرت صلعم نے کسی خاص شخص کا نام لیکر اس پر لعنت کی۔ اور رافضی تو نام لے کر گالیاں بکتے پھرتے ہیں۔ کتنا فرق ہے۔ ہمارے پیشوائے اعظم حضرت مولانا امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "لیکن کسی فاسق شخص کو معین کرکے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں۔ البتہ عام لعنت وارد ہے۔ مثلاً نبی صلعم نے فرمایا چور پر خدا کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔ یا فرمایا جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت (دیکھو علامہ موصوف کی کتاب

منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)۔ یہی میرا بھی مطلب ہے کہ نام لیکر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایت خاتون۔ پہلے تو مجھے تمھارے ہی علم وفضل کا رونا تھا۔ اب تو تمھارے علامہ بلکہ امام حضرات کے کمالات پر بھی ماتم کرنا پڑا۔ ان کو اتنی تک خبر نہیں ہوئی کہ حضرت رسول خدا صلعم نے بروں کو معین کرکے اور ان کا نام لے کر بھی لعنت کی ہے۔ امام بخاری صاحب نے لکھا ہے قول النبیؐ لعن اللہ الیھود یعنی آنحضرت صلعم کا ارشاد کہ خدا یہودیوں پر لعنت کرے۔ (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۲۶) اور سب جانتے ہیں کہ یہودی ایک معین فرقہ ہے۔ اور آنحضرتؐ نے ان لوگوں کے کسی فعل کا نام لے کر بھی ذکر نہیں فرمایا کہ فلاں وجہ سے یہودیوں پر لعنت ہو بلکہ صرف ان کی تعیین کرکے ان پر لعنت کی۔ اور سنو ایک دفعہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے اوپر عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ ولید بن عتبہ۔ امیہ بن خلف۔ عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کی ہلاکت کو لازم فرمالے پھر وہ لوگ کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تو حضرتؐ نے فرمایا اس کنوئیں والوں پر لعنت کی گئی ہے (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۷۹۵) دیکھو اس کنوئیں میں وہی معین لوگ تھے جن پر آنحضرت صلعم پہلے بددعا کرتے تھے۔ جب وہ معین لوگ اس میں بھر دیئے گئے تب آنحضرتؐ نے انہیں پر لعنت کی۔ کیا اب بھی کسی طرح اس سے انکار کرنے کی صورت نکال سکتے ہو؟

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرت صلعم نے صاف صاف تو نہیں فرمایا کہ اے اللہ تو فلاں شخص پر لعنت کر۔ یا فلاں شخص پر لعنت ہو۔ یا فلاں شخص ملعون ہے۔ اور رافضی تو یہ سب کرتے رہتے ہیں۔ پس تم لوگ نام لے کر لعنت نہ کیا کرو۔ قصہ ختم۔

ہدایت خاتون۔ آنحضرت صلعم نے اس طرح بھی لعنت کی ہے۔ اور یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے۔ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا اللھم العن شیبۃ بن ربیعۃ وعتبۃ بن ربیعۃ وامیۃ بن خلف۔ اے اللہ تو شیبہ بن ربیعہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ اور امیہ بن خلف پر لعنت کرتا رہ (صحیح بخاری پارہ ۷ صفحہ ۱۲۳) بتاؤ نام کی تعیین کے ساتھ لعنت کرنا اس سے زیادہ ممکن ہے؟ اب کیا بات بناؤ گے؟

مولوی صاحب۔ ذرہ بخاری شریف مجھے تو دو۔ دیکھوں کیسے لکھا ہے۔

ہدایت خاتون۔ بسم اللہ۔ چشم ما روشن و دل ما شاد۔ میں بھی تو یہی چاہتی

ہوں کہ تم لوگ شیعوں پر جو جو اعتراضات کرتے ہو ان سب کو پہلے اپنی کتابوں میں دیکھ لیا کرو۔

مولوی صاحب ۔ نے صحیح بخاری میں وہ عبارت دیکھی تو دیر تک سوچتے رہے کہ اب کیا کہیں۔ جب کچھ نہ بول سکے تو خود ہدایت خاتون نے کہا ۔

ہدایت خاتون ۔ اور دیکھو علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے قال رسول اللہ یوم احد اللھم العن ابا سفیان اللھم العن سھیل بن عمرو اللھم العن صفوان بن امیہ ۔ حضرت رسول خدا صلعم غزوۂ احد کے دن فرماتے تھے اے خدا تو ابوسفیان حیرث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ پر لعنت نازل کرتا رہ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۱)

علامہ موصوف ہی نے یہ بھی لکھا ہے قالت عائشۃ ولکن رسول اللہ لعن ابا مروان ومروان فی صلبہ فمروان یفیض من لعنۃ اللہ ۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے مروان کے باپ پر لعنت کی جبکہ مروان اس کی پشت میں تھا۔ تو مروان اللہ تعالےٰ کی لعنت سے حصہ لیتا رہا ہے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۱) کہو آنحضرت صلعم نے نام لیکر اور شخص کو معین کر کے لعنت کی یا نہیں؟۔ اور سنو علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں انہ صلے اللہ علیہ وسلم لعن الحکم وما یخرج من صلبہ ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے حکم پر اور اس کی کل اولاد (بنی امیہ) پر لعنت کی ہے (تطہیر الجنان صفحہ ۶۲) اور جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی ظاہری خلافت چھوڑ دی تو ایک موقع پر جہاں معویہ اور حضرت بھی تھے عمرو عاص نے حضرت علیؑ کو برا کہا ۔ پھر مغیرہ نے بھی ویسا ہی کیا۔ اسکے بعد امام حسنؑ سے کہا گیا کہ آپ منبر پر جا کر ان دونوں کا جواب دیجئے۔ حضرت نے اس سے انکار کیا اور فرمایا میں اس شرط پر جواب دے سکتا ہوں کہ سب وعدہ کریں کہ اگر میں سچ بیان کروں تو یہ لوگ اس بات کی تصدیق کریں ۔ اور اگر جھوٹ کہوں تو تکذیب کردیں ۔ ان لوگوں نے اس شرط کو مان کر وعدہ کر لیا ۔ تب حضرت امام حسنؑ منبر پر تشریف لیگئے اور خدا کی حمد و ثنا بیان کر کے فرمایا کہ میں بطور قسم اللہ تعالےٰ کو تمھیں یاد دلا کر پوچھتا ہوں اے عمرو عاص و مغیرہ تم دونوں جانتے ہو کہ رسول خدا صلعم نے سائق (پیچھے سے ہانکنے والے) اور قائد (آگے سے کھینچنے والے) پر (یعنی ابوسفیان و معویہ پر) لعنت فرمائی ہے ۔ دونوں نے کہا ہاں ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے لعنت فرمائی تھی ۔ پھر فرمایا

میں تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں اے معویہ و مغیرہ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے عمرو عاص کو ہر قافیہ پر لعنت کی ہے۔ دونوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہوا تھا۔ پھر فرمایا تم دونوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں اے عمرو عاص و معویہ کیا تم کو اس کا علم ہے کہ رسول خدا صلعم نے مغیرہ کی پوری قوم پر لعنت کی ہے۔ دونوں نے کہا ہاں سچ ہے۔ (تطہیر الجنان صا۱۲ و نصائح کافیہ ص۹ وغیرہ) ذرہ انصاف سے کہنا کہ تمہاری ہی کتابوں میں ان سب باتوں کے ہونے کے بعد علامہ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ کسی شخص کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں کہاں تک حق ہے۔

مولوی صاحب ۔ البتہ ان عبارتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلعم نے حضرت معویہ و عمرو عاص و مغیرہ وغیرہ پر لعنت کی۔ ان کتابوں کے رہتے ہوئے کیسے انکار کر سکتا ہوں مگر حضرت رسول خدا صلعم کا درجہ بھی تو ہم لوگوں سے بڑھا ہوا تھا۔ حضرت نے ان لوگوں پر لعنت کی تو کیا ہوا اور کسی مسلمان نے تو کسی پر لعنت نہیں کی۔ اور ہم لوگ بھی عام مسلمان ہیں۔ ہم بھی نہ کریں۔ جب ہم لوگ رسول ہو جائینگے تب لعنت بھی کیا کریں گے۔

ہدایت خاتون ۔ خدا کا شکر ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے ان فعل سے بھی تمہاری کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ تمہارے امام حاکم نے لکھا ہے قالت عائشہ لعن اللہ عمرو بن العاص حضرت عائشہ نے کہا خدا عمرو بن العاص پر لعنت کرے (مستدرک مطبوعہ حیدرآباد جلد ص) اور میر جمال الدین محدث نے لکھا ہے۔ بالجملہ بعض ازیں امور مذکورہ حال و باعث شد عائشہ را کہ در شان عثمان گفت لعن اللہ نعثلا و قتل نعثلا۔ امور مذکورہ کی بعض باتیں اس امر کی باعث ہوئیں کہ حضرت عائشہ حضرت عثمان کے بارے میں کہتی تھیں اللہ لعنت کرے اس نعثل (حضرت عثمان) پر (روضۃ الاحباب جلد ۳ ص۱۴۳) اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے عن ابن عباس انہ قال لعن اللہ فلانا (معویہ) انہ کان ینھے عن التلبیۃ فی ھذا الیوم یعنی یوم عرفہ لان علیا کان یلبی فیہ۔ حضرت ابن عباس (مشہور اور جلیل القدر صحابی رسول) نے کہا خدا معویہ پر لعنت کرے کہ وہ عرفہ کے دن لبیک کہنے سے منع کرتے ہیں اس سبب سے کہ اس روز حضرت علی علیہ السلام لبیک لبیک کہتے تھے (کنز العمال جلد ۳ ص۳۰) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ شمر جزلہ

معویہ فقال سمرۃ لعن اللہ معویۃ واللہ لو اطعت اللہ کما اطعتہ ماعذبنی ابدا۔ جب معویہ نے سمرہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا تو اس نے کہا خدا معویہ پر لعنت کرے۔ اگر میں خدا کی اطاعت اس قدر کئے ہوتا جتنی معویہ کی اطاعت کی ہے تو خدا مجھ پر کبھی عذاب نہیں کرتا (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۹۵) اور علامہ محمد عقیل نے لکھا ہے وقد لعن عمر ابن الخطاب خالد بن الولید حین قتل مالک بن نویرۃ۔ جب خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا تو حضرت عمر بن الخطاب (خلیفہ دوم) نے خالد پر لعنت کی (نصائح کافیہ ص ۱۱) اور علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحب نے فرمایا لعن اللہ عمرو بن عبید۔ عمرو بن عبید پر خدا لعنت کرے (شرح فقہ اکبر ص ۴۳)۔ اور حضرت ابوبکر کے فرزند ارجمند جناب محمد نے معویہ کے پاس ایک خط بھیجا اس میں لکھا انت اللعین ابن اللعین۔ تم ملعون ہو اور تمہارا باپ بھی ملعون تھا (مروج الذہب جلد ۲ ص ۵۹)

مولوی صاحب۔ بس کرو۔ تم تو ہزاروں کتابوں میں اسی طرح نکالتی چلی جاؤ گی۔ البتہ میں مانتا ہوں کہ برا کام کرنے والوں پر خدا اور رسول نے بھی لعنت کی ہے اور دوسرے بزرگان دین نے بھی۔ اس سے انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے۔ میں مان گیا۔

ہدایت خاتون۔ دین اسلام تو کبھی عقل کے خلاف کسی بات کی اجازت دے ہی نہیں سکتا۔ برے لوگوں کو برا کہنا اگر درست نہ ہو تو اچھے اور بروں میں فرق ہی کیا رہے گا۔

مولوی صاحب۔ تم نے تبرا اور لعنت کہنے کا جائز ہونا تو ثابت کر دیا۔ مگر انصاف یہ ہے کہ رافضی ان دونوں باتوں سے الگ ہو کر بھی ہمارے بزرگوں کو برا کہتے اور سمجھتے ہیں۔

ہدایت خاتون۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ شیعہ کسی کے بزرگ کو اس وجہ سے بُرا کہتے ہیں کہ یہ اس کو نہیں مانتے بلکہ اُس کو کہتے ہیں جو واقعاً ایسا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اُس شخص کو بُرا کہنا جو فی الواقع برا ہے مناسب ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم کو یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ آیا برا کہنے اور سمجھنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ علم و عقل والے خوب جانتے ہیں کہ بھلا یا بُرا سمجھنا حواس باطنی کا کام ہے۔ پس بُرے کو بُرا اور اچھے کو اچھا سمجھنے پر انسان فطرۃً مجبور ہے۔ یعنی بُرے اور بھلے میں تمیز کرنا انسان کا فطری فعل ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم بُرے کو بُرا نہیں سمجھتے تو یہ نہ سمجھنے والا شخص سوائے

اس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ نفس ناطقہ سے خارج بلکہ مجنون ہے۔ اسی مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ برے کو برا نہ سمجھنے والا مذہبًا اور اخلاقًا کس حد تک گنہگار یا قابل الزام ہے۔ اول تو برے کو برا نہ سمجھنے والا خود جہالت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ ایک شخص برا ہے تو اس معلوم کرنے والے نے اس کو برا سمجھ لیا کیونکہ معلوم کرنے اور سمجھ لینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسرے یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ شخص جو کسی برے آدمی کو برا نہیں سمجھتا خود اچھا ہے یا برا۔ مثلاً ایک شخص چور۔ شرابی۔ زانی اور مکار ہے دوسرا شخص اس کے مذکورۂ بالا افعال کو برا نہیں سمجھتا۔ آیا یہ برا نہ سمجھنے والا خود اچھا ہے یا برا۔ تم یقینًا فیصلہ کرو گے کہ اول تو یہ برا نہ سمجھنے والا برا نہ سمجھنے کا اقرار محض زبانی کرتا ہے ورنہ فطرۃً اس کا دل اس کو ضرور برا سمجھتا ہے۔ دوسرے اگر واقعی اس کا دل بھی اس برا کرنے والے کو برا نہیں سمجھتا تو اس نے یقینًا برے کام کرتے کرتے خود اپنے میں وہ فطرۃ ثانیہ پیدا کر لی ہے جو ایک برے فعل کو برا فعل سمجھنے نہیں دیتی۔ یعنی یہ برے کو برا سمجھنے والا خود برا ہے۔ اس کو ایک واضح مثال سے سمجھو کہ ایک غریب نادار یتیم تین رات دن سے بھوک کی مصیبت میں گرفتار کسی جگہ پڑا ہوا ہے۔ بھوک کی بے چینی سے اس کا دم نکل رہا ہے اتفاقًا وہاں سے ایک رحم دل شخص کا گزر ہوتا ہے وہ اس یتیم بچے کو دو روپیہ دیتا ہے کہ اپنے کھانے کا انتظام کر لے۔ اس وقت ایک ظالم بدمعاش وہاں پہونچتا ہے اور وہ بغیر کسی خاص وجہ کے اس یتیم کا وہ روپیہ اس سے چھین لیتا ہے اور وہ بچہ روپیہ بچانا چاہتا ہے تو اس کو خوب زد و کوب بھی کرتا ہے۔ ایک اور شخص وہاں آ جاتا ہے اور دونوں شخصوں کا برتاؤ سنتا ہے۔ اب تم انصاف سے بتاؤ کہ فطرۃً کیا یہ ممکن ہے کہ یہ آخری شخص پہلے رحم دل شخص کو قابل مدح اور دوسرے بدمعاش کو قابل نفرت نہ سمجھے؟۔ غالبًا تم بھی اس کو مانو گے کہ اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھنا کسی کا اختیاری فعل نہیں ہے اور نہ یہ امر کسی کی اپنی خوشی پر موقوف ہے بلکہ ایسا سمجھنے کے لئے انسان فطرۃً مجبور ہے۔ غور کرو کہ تیسرا شخص اگر اپنے نفس کی اصلاح کے لئے اس بدمعاش کے افعال سے نفرت کرتا۔ علحدگی چاہتا اور اس کو برا کہتا ہے اور خدا سے پناہ مانگتا ہے کہ اس کے افعال یا اسکی دوستی سے اس کو بچائے تو کیا بیجا کرتا ہے؟ یہاں پر اس کو برا کہنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

اور یہ تیسرا شخص ایک مجمع عام یا خاص میں پکار پکار کر اس بدمعاش کو بُرا کہہ رہا ہے اور اس سے نفرت ظاہر کرتا ہے۔ سننے والے اس یتیم بچہ کے حال زار پر افسوس کر رہے ہیں اور اس بدمعاش کے ظلم سے آزردہ ہو کر اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کے افعال اور اقوال کو قابل پیروی نہ سمجھ کر اُس سے علحدگی چاہتے ہیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے اُس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور خود بُرے افعال کے مرتکب ہونے سے پرہیز کرتے ہیں تو قابل مدح ہیں یا مستحق اعتراض؟ اس مقام پر تو ہر انصاف پسند شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ اس تیسرے شخص کا اس بدمعاش کو بُرا کہنا اخلاقاً فرض اور مذہباً عبادت ہے اور ایسے موقع پر اس کو بُرا نہ کہنا یعنی خاموش رہنا عین ظلم و گناہ ہے۔ اسی آخرالذکر صورت میں نہ صرف شیعہ بلکہ تمام دنیا کے سمجھدار بُرے شخص کو بُرا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں کسی فرقہ کا یہ دعوے کہ ہمارے مذہب میں کسی کو بُرا کہنا جائز نہیں ہے ایک ایسا مجنونانہ دعوے ہے جس کے لئے فطرت انسان نے کوئی دلیل پیدا نہیں کی ہے۔

مولوی صاحب۔ تمہاری نقلی دلیلیں تو زبردست ہی ہیں۔ عقلی دلیل بھی نہایت تشفی بخش ہے۔ بے شک بُروں سے نفرت کرنا۔ بدمعاشوں کو برا کہنا ہر انسان کا فطری مقتضا ہے۔ اس سے انکار کرنا مکابرہ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تحفۂ اثنا عشریہ کے بارہویں باب میں جو کچھ لکھا ہے انصاف یہ ہے کہ اُس کے ایک ایک لفظ کی تم نے دھجیاں اڑا دیں۔ تمہارے علم و فضل اور ذہن و حافظہ پر میں جس قدر فخر کروں درست ہے۔

ہدایت خاتون۔ شاہ صاحب نے تو عجب مضحکہ خیز کارروائیاں کی ہیں۔ تحفہ کے بارہویں باب میں شروع سے آخر تک یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لعنت صرف کافروں پر کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں سے کوئی شخص خواہ کیسا ہی بُرا کام کرے اس پر لعنت نہ کی جائے بلکہ اس کے لئے استغفار کی جائے۔ یا اس کے مسئلہ میں خاموشی برتی جائے۔ خواہ وہ صحابی رسول ہو۔ یا تابعی یا عامہ مسلمین سے کوئی شخص۔

مولوی صاحب۔ ہاں اُن کی پوری بحث اسی دعوے کے ثابت کرنے میں ہے۔ مگر تم نے تو ہماری ہی کتابوں سے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ ہم لوگوں کا کیا ذکر ہے خود حضرت رسول مقبول صلعم نیز ازواج رسولؐ و صحابۂ کبار نے بُرے مسلمانوں پر لعنت کی ہے۔

ہدایت خاتون۔ خود شاہ صاحب نے تحفۂ اثنا عشریہ میں تو وہ لکھا ہے اور اپنی دوسری کتاب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں جواب سوال خامس آنکہ مروان علیہ اللعنۃ را بدگفتن و بدل از و بیزار بودن خصوصًا در سلوکے کہ با حضرت امام حسین و اہلبیت می نمود و عداوت مستقرہ ازاں بزرگواران در دل داشت از لوازم سنت و محبت اہل بیت است کہ از جملہ فرائض ایمان است۔ پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ مروان علیہ اللعنۃ کو برا کہنا اور اس سے دلی نفرت و بیزاری کرنا خصوصًا اس برتاؤ کا خیال کرکے جو وہ حضرت امام حسین اور اہلبیت کے ساتھ کرتا تھا اور ان بزرگوں سے مستقل عداوت رکھتا تھا۔ حضرت رسولخدا صلعم کی سنت اور محبت اہلبیت کے لوازم سے ہے جو ایمان کے فرائض سے ہے (فتاوے عزیزی جلد ا صلہ ۱۸۱) اس میں کئی باتیں قابل لحاظ ہیں ایک یہ کہ شاہ صاحب نے مروان کو علیہ اللعنۃ یعنی اس پر لعنت ہوتی رہے لکھا۔ دوسری یہ کہ اس کو برا کہنے اور اس سے دلی بیزاری و نفرت کو مذہب اہلسنت کے لوازم سے قرار دیا۔ تیسری یہ کہ اس پر لعنت اور اس سے بیزاری کرنے کی اصلی وجہ اہل بیت کے ساتھ برا برتاؤ لکھی ہے۔ چوتھی بات یہ کہ مروان صحابی رسول تھا۔ پس جب اہلبیت سے عداوت اور برا برتاؤ کرنا اس درجہ اہم ہے کہ اسکی وجہ سے ان کے دشمنوں اور ان کے ساتھ برا سلوک کرنے والوں پر لعنت کرنا جائز بلکہ ایمان کا لازمی فعل ہوجاتا ہے تو مطلع بالکل صاف ہوگیا۔ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی اختلاف رہا ہی نہیں۔ کیونکہ ہم شیعہ بھی اُن لوگوں ہی پر زیادہ تر لعنت کرنے کے عادی ہیں جنھوں نے جناب سیدہ۔ جناب امیرؑ۔ جناب امام حسنؑ۔ جناب امام حسینؑ علیہم السلام سے عداوت کی اور برا برتاؤ کرتے رہے اور وہ لوگ بھی صحابہ رسول صلعم ہی تھے۔ پس جس طرح شاہ صاحب مروان صحابی رسول کو عداوت اہلبیتؑ کی وجہ سے ملعون لکھتے ہیں اسی طرح اُن پر اور تمام اہلسنت بھائیوں پر فرض ہے کہ دوسرے صحابۂ رسول پر بھی جو عداوت اہلبیت میں مشہور ہیں لعنت کرتے رہیں اور کوئی فرق نہ کریں۔ ورنہ تعصب کا الزام عائد ہوگا۔

مولوی صاحب۔ البتہ تمھاری یہ تقریر بالکل درست ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بڑا غضب کردیا کہ فتاوے عزیزی میں مروان پر لعنت بھی کردی اور اس کی وجہ اہلبیت سے برا برتاؤ کرنا اور عداوت رکھنی قرار دی۔ پھر انھوں نے چھوڑا کیا۔ انھوں نے تو اپنے اس

جملہ سے مذہب اہلسنت کی بنیاد ہی کھود ڈالی۔ حب اہلبیت کرام سے عداوت اور برا برتاؤ کرنے کی وجہ سے لوگوں پر لعنت کرنا ضروری قرار پا گیا تو اب مذہب اہلسنت کو حق کون کہہ سکتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ لطف یہ کہ تحفہ میں جس بات پر اتنا زور دیا دوسری کتاب میں اسکو خود رد کر دیا۔

ہدایت خاتون۔ تمہارے امام شافعی صاحب نے بھی تقریباً یہی مضمون اپنی اس قابل قدر رباعی میں ادا کیا ہے ؎

برئت الی المہیمن من اناس ۔۔۔ یرون الرفض حب الفاطمیۃ
علی آل الرسول صلوٰۃ ربی ۔۔۔ ولعنتہ لتلک الجاھلیۃ

میں خدا کی درگاہ میں ان لوگوں سے تبرا کرتا ہوں جو جناب سیدہ اور ان کی اولاد کی محبت کو رافضی ہونا سمجھتے ہیں۔ آل رسول پر میرے پروردگار کا درود نازل ہوتا رہے اور جو لوگ انکی محبت کو رفض خیال کرتے ہیں ان کی اس جاہلیت پر خدا کی لعنت ہوتی رہے (نصائح کافیہ ص۱۸۵) میں تم سے پھر کہتی ہوں کہ تم مسئلہ تبرا و لعنت کے لئے اپنی معتبر ترین کتابیں مثلاً صحیح بخاری جلد ۱ ص۹۵ و ص۲۱۰ و جلد ۳ ص۱۶۱ و صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۳ و مشکوۃ جلد ۱ ص۳۴ و ۳ ۲۶ ۲ و ۲۷۲ و ۲۰۴ و ترمذی جلد ۱ ص۱۵۵ و ۱۵۹ و تاریخ الخلفاء ص۱۴۲ و ۲۳۰ و نصائح کافیہ ص۱۱ و شرح فقہ اکبر ص۲۴۳ و فتاوے عزیزی ص۱۸۴ کو کبھی کبھی دیکھ لیا کرو۔ اور قرآن مجید کی آیات لعنت پیش نظر رکھا کرو۔

آٹھواں باب

جمیعت خدا کے بیان میں

تحفہ اثنا عشریہ کے پانچویں باب پر تبصرہ

ایک روز نماز مغرب پڑھ کر مولانا عبد القوی صاحب اور مولوی رکن الدین صاحب بیرونی نشست گاہ میں تنہا بیٹھے تھے۔ کوئی تیسرا شخص نہیں تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے یہ ذکر چھڑ گیا کہ مولوی صاحب اپنی اہلیہ کا مذہب بدلنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ اس طرح باتیں ہوئیں

مولانا صاحب۔ ادھر تم نے کچھ کہا نہیں کہ مسئلہ تبرا کے متعلق بہو سے اور تم سے

کیا کیا باتیں ہوئیں - کہانتک وہ راہ راست پر آئیں - تبرا کی خرابی تو ذہن نشین ہو گئی ہوگی -

مولوی صاحب - بہت زبردست بحث ہوتی رہی - تحفۂ اثنا عشریہ کا بارہواں باب بھی میں نے اچھی طرح پڑھا اور انہوں نے بھی کہا کہ اچھی طرح پڑھ چکی ہیں - مگر انھوں نے تو قرآن مجید اور احادیث شریف سے مستحکم دلائل کا اتنا بڑا انبار لگا دیا جو اگر لکھا جائے تو پوری ایک کتاب طیار ہو جائے - اور حق تو یہ ہے کہ خود میں نے مان لیا کہ ہم لوگ اس مسئلہ میں رافضیوں پر اعتراض کرنے میں بڑا ظلم کرتے ہیں - جو فعل خدا و رسول و انبیاء کرام و صحابہ کبار کا رہا ہو اور جس کی عقل بھی تائید کرے وہی فعل رافضی بھی کریں تو ہم اُن پر کیوں منہ آئیں - یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خدا و رسول لعنت کریں تو اچھا اور رافضی لعنت کریں تو گالی بکنے والے مشہور کئے جائیں - اس مسئلہ میں تو میں بھی اُنکا بالکل ہمخیال ہو گیا ہوں -

مولانا صاحب - اچھا اب تم اُن سے باقاعدہ گفتگو شروع کرو - خدا کے متعلق مباحث زیادہ تر علم حکمت و کلام سے متعلق ہیں - تم انہیں بحثوں میں ان کو الجھاؤ - وہ گھبرا کر لاجواب ہو جائینگی - بس اُسی وقت تم کو موقع ملجائے گا - کہنا اب اپنے مذہب سے توبہ کرکے میرا مذہب اختیار کر لو - تحفۂ اثنا عشریہ کے پانچویں باب الٰہیات میں اسکے مفصل مضامین اور قابل قدر تحقیقات جمع کر دی ہیں - ان سے تم پہلے اپنے سامنے تحفۂ اثنا عشریہ بلکہ اسکے اردو ترجمہ ہدیہ مجیدیہ کا پانچواں باب پڑھواؤ - اُس کے بعد دریافت کرو کہ ان کا مذہب جب خدا کے متعلق ایسا ہے تو کیسے پسند کیا جا سکتا ہے - تقیہ اور تبرا کی وجہ سے اگر ان کا مذہب قابل نفرت نہیں ہے تو نہ ہو - خدا کے متعلق جب وہ ایسے گندے عقیدے بتاتا ہے تو کوئی شریف اور سمجھدار شخص ایک منٹ کے لئے بھی اس پر رہنا گوارا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالےٰ چاہے تو اس میں تم کامیاب ہو جاؤ - کتابیں بھی تم اچھی طرح دیکھتے رہا کرو -

مولوی صاحب - خیر میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گا - اور اب تحفہ کے پانچویں باب ہی کے مضامین چھیڑ دوں گا مگر ڈرتا ہوں کہ اس میں اور زیادہ ناکامیاب رہونگا - اور وہ قدم قدم پر مجھے شکست دے دیگی - فن مناظرہ میں خدا نے ان کو خاص قابلیت عطا کی ہے -

مولانا صاحب - یہ تم کیا کہتے ہو - یہ مباحث تو منطق - فلسفہ اور علم کلام سے پوری مناسبت رکھتے ہیں - جن میں تم کو ید طولیٰ حاصل ہے - پھر اس میں وہ کیا بنا سکیں گی - تم

اسی کو شروع کرو۔ تم کو ان سے ڈرتے ہوئے شرم دامنگیر نہیں ہوتی ؟
مولوی رکن الدین صاحب خاموش ہو گئے۔ اور پھر دوسری دوسری باتیں ہونے لگیں۔ وہ کئی دن تک سوچتے رہے کہ خدا کے متعلق کیونکر باتیں شروع کریں۔ آخر ایک شب کو کھانے کے بعد اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ تم نے تقیہ اور تبرا کے متعلق تو میری زبان بند کر دی۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا مذہب حق ہے۔ وہ دونوں مسئلے خارج کے ہیں۔ اصلی چیزیں توحید۔ نبوت۔ خلافت وغیرہ ہیں۔ ان میں تمہارا مذہب یقیناً باطل ہے۔ اور ہم لوگ ہی حق پر ہیں۔

ہدایت خاتون۔ معلوم نہیں تم یہ دعوے بھی کس اصول پر کرتے ہو۔ میرے مذہب کے تو اصول دین ہی میں توحید۔ نبوت۔ امامت داخل ہیں۔ بلکہ دوسری اصل عدلِ خدا ہے جس کو تم لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ اور خدا کے فضل سے میرے ہر عقیدہ کی تائید عقل کرتی ہے۔

مولوی صاحب۔ عدل تو علحدہ رہا۔ پہلے تو خدا کے متعلق تمہیں دیکھنا چاہیئے کہ کس طرف حق اور کس جانب باطل ہے۔ تم تحفۂ اثنا عشریہ یا اسکے اردو ترجمہ ہدیہ مجیدیہ کا پانچواں باب ضرور اور اچھی طرح پڑھ جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے تو اس باب میں کمال کر دیا ہے۔

ہدایت خاتون۔ میں اُس کو خوب پڑھ چکی ہوں اور اُس کے جواب میں ہمارے علمائے اعلام طاب ثراہم نے جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان کا مطالعہ بھی کر چکی ہوں۔ اگر اس بحث کو تم چھیڑو گے تو تمہیں اپنا اسلام ثابت کرنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ دنیا بھر میں خدا کے متعلق جیسے اچھے عقاید شیعوں کے ہیں کسی فرقہ کے نہیں ہیں۔ تم لوگ تو اس موضوع پر کچھ بول سکتے ہی نہیں۔ بس اپنی خیریت ہی مناتے رہو۔

مولوی صاحب۔ ماشاء اللہ غلط دعوے کرنے میں بھی تم بڑی مشّاق ہو۔ تم تحفۂ اثنا عشریہ نکالو۔ اور اس کے مضامین پڑھو تو تمہیں اپنے مذہب کی حقیقت واضح ہو جائے گی بلکہ ہدیۂ مجیدیہ نکالو۔ اسی ترجمہ کو پڑھو۔ مسئلہ تقیہ و تبرا میں جیت جانے سے شیخی نہ کرو۔

ہدایت خاتون۔ (ہدیہ مجیدیہ لاکر) دیکھو یہ ہدیہ مجیدیہ ہے اس میں تو انھوں نے شروع سے فرقۂ اسماعیلیہ۔ خطابیہ۔ خمسیہ۔ اثنینیہ۔ مفتضیہ۔ کاملیہ۔ زرامیہ۔ عجلیہ۔ قرامطہ۔ نزاریہ۔ منصوریہ۔ معمریہ۔ شیطانیہ۔ زیدیہ۔ حکمیہ۔ سالمیہ۔ میثمیہ۔ ربعیہ۔ بنانیہ۔ نصیریہ۔

اسحاقیہ۔ زراریہ۔ بدائیہ وغیرہ کے عقائد ذکر کیے اور ان کا مضحکہ اڑایا ہے۔ حالانکہ ان فرقوں کا
وجود نہیں بتایا کہ یہ لوگ کہاں رہتے اور کس ملک میں بستے ہیں۔ بس جس طرح بے وجود کتابوں
کا نام شاہ صاحب نے گڑھ دیا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ فرقوں کے نام بھی گڑھ دیئے ہوں۔
تم ہی بتاؤ مذکورہ بالا فرقے کہاں ہیں۔ ان کی کتابیں کون ہیں اور کس جگہ ملتی ہیں تاکہ تحقیق
کی جائے کہ شاہ صاحب نے ان کے متعلق جو لکھا ہے وہ سب صحیح یا اُن کی ذہنی ایجاد ہے۔

مولوی صاحب۔ واہ جب تک یہ فرقے ہوئے نہیں شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے
ان کا ذکر کیسے کر دیا۔ تم کو نہیں معلوم ہے تو نہ ہو۔ کیا تم نے دنیا بھر چھان ڈالی ہے جس کے
بعد کہتی ہو کہ یہ فرقے نہیں ہیں۔ نہ ان کی کتابیں ہیں۔ ان باتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ رہنے دو۔

ہدایت خاتون۔ کسی چیز کا ثابت کرنا اس شخص کا فرض ہے جو اس کا دعوے
یا اس کی تصدیق کرے۔ شاہ صاحب نے لکھا اور تم لوگ ان کے لکھے ہوئے پر ایمان لائے ہو۔
تو یہ تم لوگوں کا کام ہے کہ بتاؤ وہ فرقے کہاں ہیں۔ اور اعتراض بھی ان ہی پر کرو۔ یہ کیا
کہ دعوے تو کرو کہ شیعہ اثنا عشریہ کی رد میں تحفہ اثنا عشریہ لکھی ہے۔ اور اس میں حملہ ان
فرقوں پر بھرا ہوا ہے جو نہ اثنا عشری ہیں اور نہ ان سے ان کو تعلق ہے۔ پھر میں کیوں جواب دوں۔

مولوی صاحب۔ جب ان فرقوں سے شاہ صاحب ملے۔ ان سے باتیں کیں۔
ان کی کتابیں دیکھیں۔ ان کی ہدایت کرنے کی خواہش ہوئی تب ہی تو ان کے مہمل عقائد کا ذکر
کیا اور ان کو گمراہی سے نکالنے کی فکر ان کو پیدا ہوئی۔ ان فرقوں کو تم نہیں جانتیں تو نہ جانو۔

ہدایت خاتون۔ شاہ صاحب نے تحفہ لکھنے کی وجہ تو یہ ظاہر کی کہ "غرض تحریر اس
رسالے اور تسوید اس مقالے سے یہ کہ ہمارے زمانے اور شہروں میں بالفعل مذہب شیعہ یہاں تک
مروج ہو گیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہوں گے جن میں دو ایک آدمی شیعہ مذہب نہ ہو گئے
ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں اس سبب سے حسبتہ للہ یہ رسالہ لکھا گیا" (ہدیہ مجیدیہ ص ۳)
اور موصوف کو لازم تھا کہ اپنی کتاب کو اسی غرض تک محدود رکھا ہوتا۔ مگر جب ایسا نہیں
کیا تو میں صاف صاف کہتی ہوں کہ تم تحفہ اثنا عشریہ کے سو دو سو نسخے لیکر دنیا کا سفر کرو۔
اور ہر شہر و دیہات میں پہونچکر لوگوں سے پوچھو کہ خطابیہ۔ خمسیہ۔ اثنینیہ۔ مقنعیہ کاملیہ
زرامیہ۔ عجلیہ وغیرہ فرقوں کے کون لوگ ہیں جو اس کتاب تحفہ اثنا عشریہ کو پڑھ کر جواب

دیں کہ ان کا مذہب کیسے حق ہے۔ مجھ سے کیوں بار بار کہتے ہو کہ تحفہ پڑھو۔ تحفہ دیکھو۔ میں کیا دیکھوں خاک یا پتھر۔ میں شیعہ اثنا عشری ہوں۔ میرے مذہب کے خلاف کوئی بات بتاؤ تو میں جواب دوں۔ خمسیہ وغیرہ کے عقائد اُن لوگوں ہی سے بیان کرو بشرطیکہ دنیا میں وہ کہیں ہوں بھی۔ شاہ صاحب کے ہاتھ میں قلم تھا نہ معلوم کس کس نام کے فرقوں کا دعوے کر بیٹھے۔ اور کہتے یہ ہیں کہ یہ کتاب شیعوں کے جواب میں ہے۔ کیا انھیں فرقوں کا ان کے زمانہ میں اتنا رواج ہو گیا تھا کہ بہت کم گھر تھے جن میں دو ایک آدمی نہ ہو گئے ہوں؟ کیا تم کسی تاریخ۔ کسی کتاب یا کسی عالم کے بیان سے بتا سکتے ہو کہ شاہ صاحب نے جس زمانہ میں تحفہ لکھی اس زمانہ میں شیعہ اثنا عشری کے سوائے کوئی مذہب ایسا تھا جو گھر گھر پھیل گیا تھا؟ جس طرح خواجہ نصر اللہ کابلی کی کتاب صواقع سے تحفہ کا لکھنا شاہ صاحب کے لئے باعث شرم ہے اسی طرح دعوے یہ کرنا کہ "یہ کتاب مذہب شیعہ کے رد میں ہے جو ہمارے زمانے اور شہروں میں بالفعل یہاں تک مروج ہو گیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہوں گے جن میں دو ایک آدمی شیعہ مذہب نہ ہو گئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں"۔ اور اس کتاب کو ایسے فرقوں کے عقائد سے بھر دینا جن کا پتا ملنا بھی مشکل اور جن کی کتابوں کا حاصل ہونا بھی تقریباً محال ہے شاہ صاحب کے لئے نہایت درجہ باعث ننگ و عار ہے! اور انکی عاجزی کی زبردست دلیل۔

مولوی صاحب ۔ اچھا میں ان فرقوں کا پتا لگا لوں اور ان کی کتابیں بھی جمع کر لوں تب تم سے اس موضوع پر بحث کرونگا۔ ہاں ابھی تم نے کہا کہ "اگر اس بحث کو تم چھیڑو گے تو تمھیں اپنا اسلام ثابت کرنا بھی دشوار ہو جائے گا"۔ یہ کیسے کہا۔ میرا اسلام ایسا کمزور ہے؟

ہدایت خاتون ۔ اس لئے کہ تم لوگوں نے خدا کو مجسم مان لیا ہے۔ تمھاری کتابوں میں ایسی باتیں بھری ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کے بدن ہے۔ اُس کی صورت ہے۔ اور پھر بدن و صورت کے لوازم بھی ہیں۔ اُسکو بالکل آدمیوں ایسا بنا رکھا ہے۔

مولوی صاحب ۔ اگر تم میری کتابوں میں ایسی چیزیں ثابت کر دو تو میں ابھی اس مذہب کو ترک کر دیتا ہوں۔ جب خدا جسم والا ہوا تو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر تو وہ مخلوق ہوا کہ کسی اور نے اُس کا بدن بنایا ہوگا۔ اور پھر وہ محتاج بھی ثابت ہو جائیگا حالانکہ غنی ہے۔

ہدایت خاتون ۔ تمھارے ہاں احادیث حضرت رسول خدا صلعم کا بہت بڑا ذخیرہ

کتاب کنز العمال بھی ہے۔ جو یہاں اعلے حضرت کے حکم سے چھاپی گئی ہے۔ اس میں حسب ذیل حدیثیں دیکھو اذ قاتل احدکم فلیتق الوجہ فان اللہ عز وجل خلق آدم علی صورۃ وجہہ۔ جب کوئی شخص کسی سے لڑا کرے تو اس کے چہرے پر نہ مارا کرے کیونکہ خدا نے حضرت آدم اور آپ کی اولاد کل انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اذا قاتل احدکم فلیجتنب الوجہ فان اللہ تعالےٰ خلق آدم علی صورتہ۔ جب کوئی شخص کسی سے لڑے تو اس کے چہرے سے بچے کیونکہ خدا نے آدم کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا ہے (تو ہر آدمی کی صورت بھی خدا ہی کی صورت ایسی ہے) اذا ضرب احدکم فلیجتنب الوجہ ولا یقل قبح اللہ وجھک ووجہ من اشبہ وجھک فان اللہ عز وجل خلق آدم علےٰ صورتہ۔ جب کوئی شخص کسی کو مارا کرے تو اس کا چہرہ بچا کر مارا کرے اور اس کو یہ بددعا یا گالی نہ دیا کرے کہ خدا تیرے چہرہ کا اور تیرے چہرہ ایسا جو ہو اس کا ستیاناس کرے۔ اس لئے کہ خدائے عز وجل نے آدمیوں کو خاص اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن حضرت عمر ایسے بامعرفت صحابی سے روایت ہے لا تقبحوا الوجہ فان اللہ خلق آدم علےٰ صورتہ۔ چہرہ کو برا نہ کہا کرو کیونکہ خدا نے آدمیوں کو اپنے ہی چہرہ پر پیدا کیا ہے (کنز العمال جلد ۱ ص۵۸) اسی طرح متعدد حدیثیں اس کتاب نیز بخاری دوسری کتابوں میں بھری ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا جسم اور صورت ہے اور اس نے ہر آدمی کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا ہے۔ چنگیز خاں و ہلاکو خاں کی صورت بھی خدا ہی کی صورت ایسی تھی۔ اور ہندوستان کا سیوا جی بھی خدا ہی ایسی صورت رکھتا تھا۔ بڑا سے بڑا ڈاکو بھی خدا ہی کی صورت پر ہے۔ اور سخت سے سخت تر ظالم بھی اسی کی صورت رکھتا ہے۔ غرض گورے کالے سب خدا ہی کی صورت پر ہیں۔ کیونکہ خدا کی صورت مخزن متضادات اور معدن متناقضات ہے۔ اگر خدا کے مخلص بندے صورت خدا کی تفصیل بلکہ فوٹو دیکھنا چاہیں تو وہ بھی تم لوگوں کی کتابوں کی حدیثیں بہت آسانی سے مہیا کر دینگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا رأیت ربی فی احسن صورۃ۔ میں نے اپنے پروردگار کو بہت حسین و جمیل صورت میں دیکھا ہے۔ دوسری روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا رأیت ربی فی صورۃ شباب لہ وفرۃ۔ میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے اسکی

صورت جوان کی ہے اور اُس کے گھونگھر والے بال ہیں۔ (کنز العمال جلد ۱ ص۵)

گھوڑوں کے لپسینہ سے خدا کا پیدا ہونا

علامہ سیوطی نے لکھا ہے محمد بن شجاع ثلجی بیان کرتے تھے کہ مجھ سے حبان بن ہلال نے اُن سے حماد بن سلمہ نے اُن سے ابوالہزم نے اُن سے صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ صحابہ نے حضرت رسولخدا صلعم سے دریافت کیا کہ یا حضرت ہمارا خدا کس چیز سے بنا ہے؟ حضرت نے فرمایا خدا ایسے پانی سے پیدا ہوا یا بنایا گیا ہے جس کا گزر زمین سے تھا نہ آسمان سے۔ اُس نے کچھ گھوڑے پیدا کئے اور اُن کو جاری کیا (دوڑایا) تو اُن گھوڑوں میں لپسینہ پیدا ہوگیا۔ پس خدا نے اپنے نفس کو اُسی لپسینہ سے پیدا کیا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ محمد بن شجاع اپنے وقت میں عراق کے مجتہد۔ امام ابوحنیفہ صاحب کے پیرو اور صاحب تصانیف اور بشر المریسی کے اصحاب سے تھے۔ اور امام شافعی اور احمد بن حنبل پر اعتراض کرتے تھے (لئالی مصنوعہ ص۲و۳)۔ اتنے بڑے مجتہد کی یہ روایت ہے۔

خدا کے ہاتھ

اگر روایت مذکورہ کو دیکھ کر شبہہ ہو کہ خدا لپسینہ سے پیدا ہوا تو اُس کے اعضاء ہونے چاہئیں تو میں کہتی ہوں کہ ہاں اعضاء کی بھی تفصیل موجود ہے۔ مثلاً ہاتھ کے متعلق ہے ان اللہ بنیٰ الفردوس بیدہ وحظرہا عن کل مشرک وعن کل مدمن من الخمر سکیر۔ خدا نے بہشت کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اور اس کو ہر مشرک اور ہر شراب پینے والے نشہ باز پر حرام کر دیا ہے (منتخب کنز العمال جلد ۲ ص۴۱۹) اور دوسرے مقام پر ہے۔ اتانی اللیلۃ ربی فی احسن صورۃ فقال یا محمد ھل تدری فیم یختصم الملأ الاعلیٰ۔ قلت لا۔ فوضع یدہ بین کتفی حتے وجدت بردھا بین ثدیی فعلمت ما فی السموات وما فی الارض۔ حضرت رسول خدا صلعم ارشاد فرماتے تھے کہ گزشتہ شب میرا پروردگار میرے پاس نہایت ہی حسن و جمال کی صورت میں تشریف لایا اور کہا اے محمد تم جانتے ہو ملأ اعلےٰ کس امر پر جھگڑا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی میں تو نہیں جانتا۔ یہ سنکر خدا نے اپنا دست مبارک میرے شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے خدا کے ہاتھ کی سردی اور ٹھنڈک کو اپنی چھاتی کے درمیان محسوس کیا۔ پھر جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اُن سب کو میں نے جان لیا۔ (منتخب کنز العمال جلد ۲ ص۳۶۱)

خدا کے پاؤں اسی طرح خدا کے پاؤں کے متعلق حدیثیں دیکھو۔ لاتزال جہنم یلقی فیھا وتقول ھل من مزید حتی یضع الجبار فیھا قدمہ فینزوی وتقول قط قط۔ بندگان خدا برابر دوزخ میں ڈالے ہی جائیں گے اور اس سے آواز نکلتی رہے گی کہ اور کچھ ہے؟ اور کچھ ہے؟ یہاں تک کہ خدائے جبار اس میں اپنا پاؤں ڈال دے گا۔ اس وقت دوزخ علحدہ ہو جائے گی اور کہے گی بس بس میں بھر گئی۔ (منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۵۱) یقبل الجبار عز وجل فیثنی رجلہ علی الجسر ویقول وعزتی وجلالی لایتجاوزنی الیوم ظلم فینصف الخلق من بعضھم بعضا حتی انہ ینصف الشاۃ الجماء من العضباء بنطحۃ نطحتھا۔ قیامت کے روز خدا اپنی ٹانگ کو جہنم کے پل پر موڑ کر رکھ دیگا۔ اور فرمائے گا۔ مجھے قسم ہے اپنی عزت کی۔ مجھے قسم ہے اپنے جلال کی۔ آج کسی شخص کا ظلم مجھ سے بھاگنے نہیں پائیگا۔ پھر مخلوقات سے ہر مظلوم کے ظلم کا بدلہ ظالم سے لیگا۔ اور سب کے ساتھ انصاف کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ بھی سینگ ٹوٹی ہوئی بکری سے لیگا۔ جس نے اس کو اپنی سینگ سے مار کر اذیت پہونچائی ہوگی۔ (کتاب مذکور جلد ۶ صفحہ ۔۔) اور سنو حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ روز قیامت خدا مجھے اپنی معرفت کرائیگا۔ (یعنی اپنے کو مجھے پہچنوائے گا) تو میں اپنے پروردگار کو پہچاننے کے بعد اُسے ایسا سجدہ کرونگا جس پر وہ مجھ سے خوش ہو جائیگا۔ پھر میں اُس کی ایسی مدح کرونگا جس پر وہ مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ پھر مجھے کلام کرنے کی اجازت دیجائیگی۔ پھر میری امت صراط کے پل پر سے گزر جائے گی اور وہ صراط کا پل جہنم کے بیچ میں رکھا جائے گا۔ تو میری امت کے لوگ اُس پل پر سے ایسے تیز گزر جائیں گے جیسے نگاہ دوڑ جاتی ہے۔ یا تیر چلا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی تیز تر جائیں گے اور دوزخ خدا سے سوال کرے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ تو وہ برابر اسی طرح دریافت کرتی رہیگی یہانتک کہ خدا اپنا قدم (پاؤں) اُس دوزخ میں ڈال دیگا۔ اس پر جہنم کا بعض حصہ بعض حصہ سے کنارے ہو جائے گا اور دوزخ چیخنے لگے گی کہ بس بس اب میرا پیٹ بھر گیا (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۳)۔ اس حدیث شریف سے جہاں یہ امر معلوم ہوا کہ خدا بروز قیامت اپنا پاؤں جہنم میں ڈال دیگا وہاں

یہ فائدہ بھی مستفاد ہوا کہ خدا بروز قیامت اپنے کو آنحضرت صلعم سے پہچنوائے گا۔ اور
آنحضرت صلعم اس کو پہچان کر سجدہ کریں گے۔ اب جناب رسالت مآب صلعم کی اس مشہور حدیث
کا مطلب واضح ہوگیا جو خدا کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ما عرفناک حق معرفتک۔
اے خدا مجھے پہچاننے کا جو حق ہے وہ میں نہ پہچان سکا۔ اور وہ مطلب یہ ہے کہ خدا کو
ایسا پہچاننا جس کے بعد آنحضرتؐ خدا کے سجدے میں جھک جائیں آنحضرت صلعم کو بروز
قیامت ہی حاصل ہوگا۔ سبحان اللہ۔

خدا کا تاج | یہ بھی سنو کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے رأیت ربی فی خطیرۃ
من الفردوس فی صورۃ شاب علیہ تاج یلتمع البصر۔ میں نے اپنے پروردگار
کو فردوس کے ایک حظیرہ میں دیکھا ہے جو ایک جوان کی صورت رکھتا ہے اور اس کے سر پر
ایسا تاج ہے جس سے آنکھیں خیرگی کرتی تھیں (کنز العمال جلد ۱ ص ۵)

خدا کی جوتیاں | یہ بھی دیکھو۔ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ رأیت ربی فی المنام
فی صورۃ شاب موفر فی الخضر علیہ نعلان من ذہب وعلی وجہہ
فراش من ذہب۔ میں نے خواب میں اپنے پروردگار کو ایک جوان کی صورت میں دیکھا
ہے جس کے سر کے بال کثرت سے ہیں اور وہ سبز لباس اور سونے کی جوتیاں پہنے ہوئے
ہے اور اس کے چہرے پر سونے کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے (کنز العمال جلد ۱ ص ۵) اور معلوم
ہے کہ آنحضرت صلعم کا خواب سچا ہوتا ہے غلط نہیں ہوسکتا۔ لہذا اس سے استدلال صحیح ہے۔

خدا کی پنڈلی | قرآن مجید کی ایک آیت ہے یوم یکشف عن ساق ویدعون الی
السجود فلا یستطیعون (پارہ ۲۹ سورہ قلم) اس کا ترجمہ میرے مذہب کے عالموں
نے اس طرح کیا ہے "جس دن پنڈلی کھولی جائے گی یعنی جو سخت پریشانی اور گھبرا[illegible] دن
ہوگا اور لوگ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے" (ترجمہ مولانا مقبول احمد
صاحب مرحوم دہلوی) دوسرا ترجمہ سنو "جس دن پنڈلی کھول دی جائے اور کافر لوگ سجدے
کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے" (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم) جس سے
معلوم ہوا کہ ہمارے علماء ساق سے مراد خدا کی پنڈلی نہیں لیتے بلکہ مصیبت قرار دیتے
ہیں چنانچہ اس پر یہ حاشیہ قابل غور ہے "تفسیر حقانی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ جس دن معاملہ بہت ہی سخت ہو جائے گا۔ آفتیں بہت ہونگی اور کشف ساق ایسی حالت بیان کرنے کی مثال ہے۔ اور اصل اسکی یہ ہے کہ حملہ کے وقت یا بھاگنے کے وقت پنڈلی پرسے کپڑا اُٹھا لیا جاتا ہے۔ نیز یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ جس دن معاملہ کی اصلیت و حقیقت اس طرح کھل جائے گی کہ آنکھیں دیکھ لینگی۔ اُس صورت میں یہ استعارہ ہے کیونکہ درخت کے تنے کو بھی ساق کہتے ہیں اور اس کی چھال چھیل ڈالنے پر لکڑی کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور اگر انسان کی پنڈلی مراد لی جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ گوشت پوست دور کرنے پر اُس کی حقیقت بھی پوشیدہ نہیں رہتی۔ لفظ ساق کو نکرہ لانا بھی یہ بتاتا ہے کہ وہ دن بڑا ہی ہولناک ہوگا۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقرؑ اور جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ان دونوں حضرات نے اس آیۃ کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے ہول سے لوگ متحیر ہو کر خاموش ہو جائیں گے۔ یہ ہیبت اُن پر طاری ہو جائے گی۔ چونکہ ندامت و ذلت اُن پر سوار ہوگی اور رسوائی کا سامنا ہوگا۔ اس سے اُن کی آنکھیں تو کھلی کی کھلی رہ جائینگی اور کلیجے منہ کو آجائیں گے۔" (ترجمہ مولانا مقبول احمد صاحب مرحوم صفحہ ۹۰۳) اور دوسرا قول سنو "پنڈلی کھول دینے کا مطلب کسی مصیبت و بلا کا آنا ہے اور چونکہ قیامت سے بالاتر کوئی مصیبت نہیں اسوجہ سے اُس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا" (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم صفحہ ۹۰۳)۔ اب اپنے مذہب کا ترجمہ اور تفسیر بھی سنو۔ کس قدر ہنسنے کی بات ہے۔ اس شہر کے مولانا وحیدالزمان صاحب کیسے زبردست عالم ہیں بلکہ ہندوستان بھر کے اہل حدیث حضرات کے پیشوائے اعظم ہیں۔ ممدوح تحریر فرماتے ہیں "جس دن حق تعالےٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی اور سب لوگ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو یہ کافر اور منافق سجدہ نہ کرسکیں گے" اور ممدوح نے یہ حاشیہ بھی اس پر لکھا ہے "اُن کی پیٹھ کی پسلیاں جڑ کر ایک تختہ کی طرح ہو جائینگے سجدہ کے لئے جھک نہ سکیں گے۔ یہ مضمون صحیح حدیث میں وارد ہے۔ بخاری اور مسلم نے ابو سعید سے نکالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دن مالک ہمارا اپنی پنڈلی کھولے گا تو ہر مومن مرد اور مومن عورت اس کو سجدہ کریں گے اور وہ لوگ رہ جائینگے جو دکھانے اور سنانے کے لئے دنیا میں سجدہ کرتے تھے۔ ان کے دل میں ایمان نہ تھا۔

ان کی پیٹھ ایک تختہ ہو جائیگی۔ دوسری حدیث میں ہے اسی آیت کی تفسیر میں کہ ایک بڑا نور ظاہر ہوگا اور لوگ سجدے میں گر پڑیں گے۔ متکلمین نے اپنی عادت کے موافق ساق یعنی پنڈلی کی تاویل کی ہے۔ اور یکشف عن ساق کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ جس دن سخت دن ہوگا۔ اہلحدیث تاویل نہیں کرتے اور سمع اور بصر اور عین اور وجہ اور قدم اور حقو کی طرح پروردگار کے لئے ساق یعنی پنڈلی بھی ثابت کرتے ہیں اور اسکو ظاہری معنے پر محمول رکھتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ اس کی ساق ایسی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوقات کی ساق سے اس کو مشابہت نہیں دیتے۔ اور افسوس ہے صاحب مدارک اور بیضاوی اور کشاف اور رازی پر جنھوں نے ساق کی تاویل کی اور اہل حدیث کو مشبہہ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ یہ لوگ خود خطا پر ہیں جو اہلحدیث کو مجسمہ اور مشبہہ قرار دیتے ہیں" (کلام اللہ مترجم مولانا موصوف مطبوعہ لاہور صفحہ ۴۳۰)

مولوی صاحب۔ جب مولانا موصوف نے صاف کر دیا کہ" خدا کی ساق ایسی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوقات کی ساق سے اس کو مشابہت نہیں دیتے" تو اب تمھارا یا کسی کا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ مولانا صاحب نے بالکل درست لکھا ہے۔

ہدایت خاتون۔ انھوں نے یہ تو مانا کہ خدا کے کان، آنکھ، صورت، قدم، کمر اور پنڈلی ہے۔ بس اس سے خدا کی جسمیت ثابت ہو گئی اور یہی میں دکھا دیتی ہوں۔ اب رہا یہ کہ وہ آدمیوں ایسی نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ گھوڑوں کی پنڈلی بیلوں کی پنڈلی۔ بکریوں کی پنڈلی۔ اونٹوں کی پنڈلی بھی آدمیوں کی پنڈلی ایسی نہیں ہوتی۔ مگر ہوتی ہے۔ بلکہ بوڑھوں کی پنڈلی جوانوں ایسی۔ اور جوانوں کی پنڈلی بچوں ایسی۔ مردوں کی پنڈلی عورتوں ایسی۔ صحیح لوگوں کی پنڈلی بیماروں ایسی نہیں ہوتی بلکہ ہر قسم کے آدمی کی اس کی شان ایسی ہوتی ہے۔ پھر خدا کے لئے یہ کون خوبی ہوگی کہ اسکی پنڈلی آدمیوں ایسی پنڈلی نہیں ہوتی ہے۔ پنڈلی تم لوگوں نے مان تو لی اور اسکو جسم والا تسلیم کر لیا

مولوی صاحب۔ ہاں بات تو انصاف کی ہے۔ جب آدمیوں ایسی پنڈلی نہیں تو کیا ہوا۔ پنڈلی کا اعتقاد تو کر لیا جو بہر صورت جسم ہی ہو سکتی ہے۔

ہدایت خاتون۔ مولانا موصوف ہی اپنی دوسری کتاب میں بھی لکھتے ہیں کہ یکشف

عن ساقہ۔ اس کی پنڈلی کھولی جائے گی۔ یہ عرب کا محاورہ ہے۔ کشف ساق اس محل پر بولتے ہیں جہاں کوئی سخت مہم پیش آتی ہے جس کا بند ولبست کرنے کے لئے آدمی کو بہت کوشش اور سعی کرنا ہوتی ہے۔ عرب لوگ کہتے ہیں شمر عن ساعدہ اور کشف عن ساقہ یعنی بانہہ پر سے کپڑا اٹھایا اور پنڈلی کو کھولا یعنی ایک کام کا اہتمام کیا۔ نہ وہاں بانہہ سے غرض ہوتی ہے نہ پنڈلی سے جیسے ایک شخص کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں اور وہ بخیل ہو تو اُس کو کہیں یدہ مغلولۃ یعنی اُس کا ہاتھ بند ہا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بخیل ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۶۶)۔ اس سے یہ بات تو یقینی ہو گئی کہ شیعہ خدا کے کشف ساق کا جو مطلب لیتے ہیں وہ لغت کے مطابق ہے۔ کوئی تاویل یا نامناسب ترجمہ نہیں ہے بلکہ عربی زبان اور اس کی لغت اسکی تصدیق کرتی ہے۔ اور تمھاری ایسی معتبر کتاب بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔ لیکن تمھارے یہاں اس آیۃ میں اس معنے کو چھوڑ کر واقعی خدا کی پنڈلی ہی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ موصوف ہی لکھتے ہیں یُکشف عن ساقہ۔ پروردگار اپنی پنڈلی کھول دیگا۔ اپنے بندوں کو قدم بوسی کا شرف عنایت فرمائے گا۔ اُس کو دیکھ کر تمام مومنین سجدے میں گر پڑیں گے۔ یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے اور اہلحدیث ایسی حدیثوں کے ظاہری معنے پر ایمان رکھ کر اُس کی حقیقت اور کیفیت کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتے ہیں یعنی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا منہ ہے۔ ہاتھ ہیں۔ آنکھیں ہیں۔ پنڈلی ہے۔ مگر یہ چیزیں مخلوقات کے منہ اور ہاتھ اور آنکھ اور پنڈلی سے مشابہت نہیں رکھتے۔ جیسے اُس کی ذات مقدس مخلوق کی ذات سے مشابہت نہیں رکھتی۔ اور جہمیہ اور اہل کلام ان حدیثوں کی تاویل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہاتھ سے قدرت۔ اور آنکھ سے بصر۔ اور وجہ سے ذات اور پنڈلی سے نور مراد ہے۔ بعضوں نے کہا ساق سے فرشتوں کی جماعت مراد ہے۔ مترجم کہتا ہے ہم کیوں تاویل اور تحریف کریں۔ اللہ تعالےٰ جیسے اپنی ذات مقدس اور اپنے صفات کو جانتا ہے اسی طرح جیسے پیغمبر صاحب اللہ کی ذات و صفات کو جانتے ہیں۔ دوسرے کوئی نہیں جان سکتے پھر جن صفات یا الفاظ کا اطلاق اللہ تعالےٰ نے اپنے اوپر کیا ہے یا اُس کے رسول نے ہم بھی بلا تکلف و بلا تکیف اُن کا اطلاق اُس پر کرتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اُسکی ذات

اُس کی کسی صفت کو مخلوقات سے مشابہت نہیں دیتے۔ یعنی یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی طرح ہے۔ یا اُس کی آنکھ ہماری آنکھ کی سی ہے۔ اور یہی طریق اسلم ہے اور سلف صالحین سب اسی اعتقاد پر گزرے ہیں۔ ہم بھی انہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں نہ پچھلے اہل کلام اور جہمیہ کے ساتھ" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۶۷) اس کلام سے خدا کا جسم بالکل صاف ثابت ہوگیا کیونکہ ہم لوگ جن کی قدمبوسی کرتے ہیں اُن کے بدن ضرور ہوتا ہے۔ اور مولانا ممدوح نے اقرار کیا کہ خدا اپنے بندوں کو قدمبوسی کا شرف عنایت فرمائیگا۔ پس جب اس کے قدم چومنے۔ چھونے۔ اور پکڑنے کے قابل ہیں تب ہی تو ہم لوگ قدمبوسی کر سکیں گے۔ اور میں موصوف کا کلام پڑھ چکی ہوں کہ لکھا ہے خدا کے حقو بھی ہے۔ اس کی توضیح ممدوح اس طرح کرتے ہیں "حقو وہ مقام ہے جہاں ازار بند باندھتے ہیں ... قامت الرحم فاخذت بحقو الرحمان رحم یعنی رشتہ ناتا کھڑا ہوا اور پروردگار کا حقو تھام لیا ... مؤلف کہتا ہے یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے اور سلف نے اس قسم کی حدیثوں میں تاویل نہیں کی بلکہ ان کو اپنے ظاہر پر رکھا اور یہ کہا ہے کہ پروردگار کی آنکھ اور ہاتھ اور چہرہ اور قدم اور ساق اور حقو سب کچھ ہیں مگر جیسے اُس کی ذات مقدس کے لائق ہیں اور یہی طریقہ اسلم ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۷ صفحہ ۱۰۹)۔

خدا کی انگلیاں بھی ثابت کی گئی ہیں۔ مولانا موصوف یہ حدیث بھی لکھتے ہیں" بین اصبعین من اصابع الرحمان پروردگار کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ان حدیثوں سے پروردگار کی انگلیاں ہونا ثابت ہے۔ پر جہمیہ اور معتزلہ نے اُن کا انکار کیا ہے اور مجسمہ اور مشبہہ نے پروردگار کی انگلیوں کو مخلوق کی انگلیوں کی طرح سمجھا ہے۔ دونوں گمراہ ہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۱ صفحہ ۳۴)

خدا کا نزول جب خدا کے ہاتھ پاؤں۔ انگلیاں اور جوتیاں سب ثابت کی جا چکیں تو وہ بیکار کیسے رہ سکتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا چلنا۔ پھرنا۔ ٹہلنا۔ اترنا وغیرہ بھی مان لیا گیا اور بڑے دھوم دھام سے اسکی حدیثیں جمع کی گئیں۔ اس تماشہ کو بھی دیکھ لو۔ اذا کان یوم عرفۃ ینزل الرب عز وجل الی سماء الدنیا۔ جب روز عرفہ ہوتا ہے تو خدائے عز وجل آسمان دنیا کی طرف اتر آتا ہے۔ (منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۳۵۸)

اما الوقوف عشیۃ عرفۃ فان اللہ یھبط الی السماء الدنیا۔ عرفہ کی شام کو ٹھہرنے کے متعلق یہ ہے کہ اُس روز خدا آسمان دنیا کی طرف نزول کرتا اور اترتا ہے (کتاب مذکور جلد ا صفحہ ۳۵۹) ان اللہ تعالیٰ یطلع فی العیدین الی الارض۔ خدا عید فطر اور عید اضحیٰ کے روز زمین کی طرف جھانکتا ہے (کتاب مذکور جلد ۳ صفحہ ۳۵۳)

نزول خدا کی کیفیت یہاں اگر یہ تردد پیدا ہو کہ خدا آسمان سے زمین پر کس طرح اتر آتا ہے۔ جس طرح بارش ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی ٹپک پڑتا ہے۔ یا جس طرح طیور اترتے ہیں اس طرح اُڑتا ہوا نیچے آتا ہے۔ یا جس طرح آدمی کوٹھے سے نیچے اترتا ہے اسی طرح خدا بھی اترتا ہے تو اس کی تصریح ابھی حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتی لیکن تمہارے علماء حدیث بلکہ ائمہ حدیث نے تحقیق کرکے بتا دیا ہے کہ خدا کس طرح اترتا ہے چنانچہ تمہارے بہت بڑے علامہ بلکہ امام ابن تیمیہ جن کا قول تم لعنت کے متعلق پہلے ذکر کر چکے ہو اور جن کی ہر بات پر آج تک کل حضرات اہلسنت ایمان لاتے اور ان کے ہر قول و فعل کو بے چون و چرا تسلیم کرتے ہیں (چنانچہ تمہارے دوسرے بڑے علامہ نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی لکھتے ہیں ومن اراد تحقیق ذلک فعلیہ بکتب شیخنا الشوکانی وکتب ائمۃ السنۃ ابن تیمیۃ وابن القیم وابن الوزیر والسید الامیر ومن حذا حذوھم یعنی جس کو ان امور کی تحقیق کرنی ہو اُسے لازم ہے کہ اہلسنت کے شیخ شوکانی کی کتاب دیکھے اور فرقہ اہلسنت کے اماموں مثل ابن تیمیہ۔ ابن القیم۔ ابن الوزیر۔ سید امیر اور جو انکے قدم پر چلا ہے ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے فقط ابجد العلوم صفحہ ۸۹۰) انہیں علامہ ابن تیمیہ نے خدا کے اترنے کو کس طرح بتایا ہے۔ ذیل کی عبارت سے معلوم ہوگا۔ علامہ ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں وکان بدمشق من کبار الفقہاء الحنابلۃ تقی الدین ابن تیمیہ کبیر الشام یتکلم فی الفنون۔ شہر دمشق میں فقہاء حنابلہ کے بڑے مجتہدین سے ایک علامہ تقی الدین ابن تیمیہ بھی تھے جو ملک شام کے بڑے پیشوا تھے اور وہ مختلف علوم وفنون میں کلام کرتے تھے۔ وکان اھل دمشق یعظمونہ اشد التعظیم ویعظھم علی المنبر۔ دمشق کے کل اہل اسلام علامہ ابن تیمیہ کی شدید تعظیم کیا کرتے تھے اور وہ ان لوگوں کو منبر پر وعظ کیا کرتے تھے۔ وکنت اذ ذاک بدمشق

فحضرته یوم الجمعة وھو یعظ الناس علی منبر الجامع ویذکرھم فکان من جملة کلامه ان قال ان اللہ ینزل الی السماء الدنیا کنزولی ھذا و نزل درجة من درج المنبر فعارضه فقیه مالکی یعرف بابن الزھراء وانکر ما تکلم به فقامت العامة الی ھذا الفقیه وضربوه بالایدی والنعال ضربا کثیرا حتی سقطت عمامته یعنی ابن بطوطہ کہتے ہیں کہ میں اُس زمانہ میں دمشق ہی میں تھا تو ایک روز جمعہ کے دن میں اُن کے پاس گیا جب وہ جامع مسجد میں منبر پر لوگوں کو وعظ کر رہے تھے اور ان کی نصیحت و افہام و تفہیم میں مشغول تھے تو اُس وقت جو کلام انھوں نے کیا اس سے ایک بات یہ بھی تھی کہ کہا یقیناً خدا آسمان دنیا کی طرف اسی طرح اترتا ہے جس طرح میں منبر سے نیچے اترتا ہوں۔ اس کے بعد آپ منبر کے ایک زینہ سے اتر کر دوسرے زینہ پر آگئے تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ خدا اس طرح اترتا ہے۔ اس پر ایک مالکی عالم ابن الزہرا نے اعتراض کیا تو کل حاضرین مسجد اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس مالکی عالم کو اپنے ہاتھوں اور جوتیوں سے مارنا شروع کیا۔ اس قدر مارا۔ اتنا پیٹا کہ اس کا عمامہ سر سے گر گیا۔ (رحلة ابن بطوطہ مطبوعہ مصر ۵ھ) اب تو تم لوگ کوئی تاویل نہیں کر سکتے اور نہ کسی کو کوئی تردد اس امر کے سمجھنے میں رہیگا کہ خدا آسمان سے کس طرح اترتا ہے۔ اور علامہ ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں ومن الواقفین مع الحس اقوام قالوا ھو علی العرش بذاته علی وجه المماسة فاذا نزل انتقل وتحرک وجعلوا الذاته نھایة وھولاء قد اوجبوا علیه المساحة والمقدار۔ واستدلوا علی انه علی العرش بذاته بقول رسول اللہ ینزل اللہ ربنا الی السماء الدنیا قالوا ولا ینزل الا من ھو فوق وھولاء حملوا نزوله علی الامر الحسی الذی یوصف به الاجسام ھولاء المشبھة الذین حملوا الصفات علی مقتضی الحس یعنی منجملہ اُن لوگوں کے جو حواس پر ٹھیر گئے کچھ لوگ ہیں جن کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالےٰ عرش پر بذات خود اس سے ملا ہوا بیٹھا ہے۔ پھر جب وہاں سے اترتا ہے تو عرش کو چھوڑ کے اترآتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں نے اس کی ذات کو ایک محدود و متناہی شئے قرار دیا

اور یہ لازم کیا کہ وہ ناپا جاسکتا ہے (کہ کتنے فٹ کتنے اینچ کا ہاتھ پاؤں قد وغیرہ ہے) اور اس کی مقدار محدود ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اللہ آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اترنا اُسی کے حق میں کہتے ہیں جو اوپر چڑھا ہوا اور انھوں نے اترنے کو محسوس چیز پر رکھا جس سے اجسام کا وصف بیان کیا جاتا ہے اور یہ قوم مشبہہ وہ ہیں جو اللہ کی صفات کو محسوس کے موافق قرار دیتے ہیں (کتاب تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۲۱) اور تمھارے ہی ایک اور بہت بڑے علامہ بلکہ امام بیہقی صاحب تحریر فرماتے ہیں وقد ذل بعض شیوخ اھل الحدیث ممن یرجع الی معرفتہ بالحدیث والرجال فحاد عن ھذہ الطریقۃ حین روی حدیث النزول ثم اقبل علی نفسہ فقال ان قال قائل کیف ینزل ربنا الی السماء قیل لہ ینزل کیف یشاء فان قال ھل یتحرک اذا نزل فقال ان شاء تحرک وان شاء لم یتحرک۔ یعنی بڑے بڑے شیوخ اور ائمہ فن حدیث کو یہاں لغزش ہوتی ہے جن کی تحقیقات پر دین وایمان کا مدار ہے۔ اور معرفت حدیث ورجال میں وہ لوگ مرجع خلائق ہیں (کہ جو باتیں صاف صاف ظاہر کرنیکی نہیں تھیں انھوں نے وہ کہہ دیں) اس لئے کہ جب خدا کے آسمان دنیا پر اترنے کی حدیثوں کو ان لوگوں نے روایت کیا تو خود اپنے نفس سے یوں سوال وجواب کیا کہ اگر کوئی پوچھے خدا آسمان سے کیونکر اترتا ہے تو جواب دینگے جس طرح چاہے اترے۔ اور اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نازل ہوتے وقت خدا کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں تو اُس کو جواب دیا جائے گا کہ یہ اس کے اختیار میں ہے، چاہے تو حرکت کرے اور چاہے نہ حرکت کرے۔

مولوی صاحب۔ تم عربی عبارتوں کا ترجمہ کیوں کرتی جاتی ہو۔ میں تو سب سمجھ لیتا ہوں پھر وقت ضائع کرنے سے فائدہ؟۔

ہدایت خاتون۔ ہاں تم کو ضرورت نہیں ہے گر مجھے تو ہے کہ اطمینان ہو جائے جو مطلب میں سمجھی ہوں وہ درست ہے۔ اگر غلط ہو تو تم سمجھا دو۔

مولوی صاحب۔ خیر اس غرض سے ترجمہ کر لیا کرو۔ اگرچہ میں تو دیکھتا ہوں کہ تم خدا کے فضل سے بڑی بڑی کتابوں کا مطلب بھی خوب سمجھ جاتی ہو۔ میں حیران

ہوں کہ تم عورت ذات ہو کر تو ایسا ذہن و حافظہ رکھتی ہو۔ اگر کہیں مرد ہوتیں تو کیا قیامت ڈھاتیں۔

ہدایت خاتون ۔ اب بناؤ نہیں۔ میں کیا اور میرا ذہن ہی کیا۔ البتہ سچے دل سے روزانہ کہتی ہوں اھدنا الصراط المستقیم۔ اے خدا مجھے سیدھا راستہ دکھاتا رہ۔ شاید اُسی وجہ سے خدا ہر کتاب کا مطلب سمجھنے میں بھی میری پوری ہدایت کرتا رہتا اور صحیح مقصود تک جلد پہونچا دیتا ہے۔

خدا کی آواز تمہارے خدا کی آواز بھی ثابت کی گئی ہے۔ قال موسی یارب اقریب انت فاناجیک ام بعید فاناد یک فانی احس حس صوتک ولا اراک فاین انت فقال اللہ انا خلفک وامامک وعن یمینک وعن شمالک یا موسی۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے عرض کی کہ اے پروردگار تو مجھ سے قریب ہے یا دور ہے؟ اگر قریب ہے تو میں تجھ سے مناجاۃ کروں۔ اور اگر بعید ہے تو میں چلا کر تجھ سے کہوں کیونکہ میں صرف تیری آواز محسوس کر رہا ہوں اور تجھے دیکھ نہیں پاتا ہوں اسکے جواب میں خدا نے فرمایا میں تمہارے پیچھے بھی ہوں اور تمہارے آگے بھی تمہاری داہنی جانب بھی اور بائیں جانب بھی۔ (منتخب کنز العمال جلد ا ص۳۲۱)

خدا کا گھر جب خدا کے اعضاء ثابت ہو چکے تو اس کے لئے مکان کا ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ اس کی حدیثیں بھی کثرت سے ہیں۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بہشت کے کسی حظیرے میں خدا کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا اگر دنیا پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا اس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ ابو رزین سے مروی ہے کہ کان فی عماء تحتہ ھواء ثم خلق عرشہ علی الماء قال قلت یارسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق السماءات والارض قال فذکرہ۔ یعنی ابو رزین بیان کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ اے رسولخدا ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا؟ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ ایک ابر میں رہتا تھا جس کے نیچے ہوا تھی۔ پھر خدا نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا کیا (کنز العمال جلد ا ص۳۲۸ و مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص۱۵۵)۔ اس روایت میں جو نکتے ہیں ان کو

میں خود نہیں بیان کروں گی بلکہ زمانۂ حال کے نہایت مشہور علامہ اور تمہارے انہیں مولانا رحمن کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کی تم اتنی تعریف کرتے ہو (یعنی) شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی کتاب سے نقل کر دینا مناسب سمجھتی ہوں۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:-

عن ابی رزین العقیلی انه قال قلت یا رسول الله این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق قال کان فی عماء ماتحته هواء۔ باید دانست کہ صدور ایں کلمہ جامعہ مشکوٰۃ نبوۃ بصحت پیوستہ است اما معنے آں بحسب ظاہر از اشکالے خالی نیست زیرا کہ کلمہ اَینَ کہ در کلام سائل واقع شدہ در لغت عرب موضوع است برائے سوال از مکان و ایضاً عما کہ در جواب آں اندراج یافتہ در لغت عبارت از سحابیست رقیق وآں از مقول جسم است و حال وجسم راجسم می باید بود۔ و ایضاً بقید سوال بہ قبل ان یخلق الخلق مشعر است بانکہ حق سبحانہ بعد خلق الخلق در خلق است وآں موہم حلول است و ہو سبحانہ متعال عن ذلک علوا کبیرا (یعنی ابو رزین عقیلی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا اے رسول خدا ہمارا پروردگار اپنی مخلوق پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ ایک ابر میں رہتا تھا جس کے نیچے ہوا تھی۔ جاننا چاہیئے کہ مشکوٰۃ نبوت سے اس کلمہ جامعہ کا صادر ہونا صحت تک پہونچا ہے (یعنی یہ حدیث صحیح ہے جس میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا) لیکن اس کا معنے اور مطلب ظاہری طور پر اعتراض سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ حدیث کے سوال میں سائل کا جو لفظ اَینَ واقع ہوا ہے وہ عربی زبان میں مکان اور جگہ دریافت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (یعنی جب یہ پوچھنا ہوتا ہے کہ فلاں چیز یا فلاں شخص کہاں ہے تب یہ لفظ استعمال کرتے ہیں) اور آنحضرت صلعم نے جو جواب دیا ہے اس میں لفظ عما استعمال کیا ہے جو ہلکے ابر کے لئے وضع کیا گیا ہے اور یہ مقولہ جسم سے ہے۔ اور جو چیز کسی جسم میں حلول کئے ہوئے ہو اُس کے لئے بھی جسم کا ہونا ضروری ہے۔ نیز سائل نے اپنے سوال کو قبل ان یخلق الخلق (اپنی مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے) کے ساتھ جو مقید کیا ہے یہ اس امر کی طرف اشعار کرتا ہے کہ خدا اپنی مخلوق پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوق میں

رہتا ہے اور اس امر سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا مخلوق میں حلول کئے ہوئے ہے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۲ صفحہ ۹) اور مولانا وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے "اَیْنَ اللّٰہُ۔ اللہ تعالیٰ کہاں ہے۔ یہ آنحضرتؐ نے ایک لونڈی سے پوچھا۔ اب جس نے ایسا پوچھنے سے منع کیا ہے وہ جاہل ہے۔ کیا وہ پروردگار کے صفات کو پیغمبر صاحب سے زیادہ جانتا ہے۔ اپنی منطق اور حکمت خاک میں جھونک۔ اور طیبی نے جو کہا کہ آنحضرتؐ کا مقصود اس سوال سے یہ نہ تھا کہ اللہ کا مکان کہاں ہے بلکہ آلہہ ارضیہ کی نفی منظور تھی۔ یعنی ان بتوں کی جن کی عرب لوگ پرستش کرتے تھے۔ یہ خواہ مخواہ کا مکابرہ ہے۔ این لغت میں سوال مکانی کے لئے موضوع ہے اور مکان کا لفظ شرع میں اللہ تعالیٰ کے لئے وارد ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے وارتفاع مکانی۔ اور عباس بن مرداس نے آنحضرتؐ کے سامنے یہ شعر پڑھا اور آپ نے سکوت فرمایا۔ تعالیٰ علوا فوق العرش الہنا + وکان مکان الحق اعلیٰ واعظما" (انوار اللغۃ پارہ ۱۵ صفحہ ۱)

خدا کے اور گھر بھی ہیں سنو۔ اوحی اللہ تعالیٰ الی موسیٰ یا موسیٰ أیحب ان اسکن معک بیتک فخر للہ ساجداً ثم قال یارب وکیف تسکن معی فی بیتی۔ یعنی خدا نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کی طرف یہ وحی نازل کی کہ اے موسیٰ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے گھر میں رہا کروں؟ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰ سجدے میں گر پڑے۔ پھر کہا اے میرے پروردگار تو میرے ساتھ گھر میں کیونکر رہ سکتا ہے؟ (منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۳۲۱)

اس سوال و جواب سے یہ نتیجہ نکلا کہ جس وقت یہ باتیں ہوئیں اُس وقت خدا حضرت موسیٰ کے گھر میں نہیں تھا بلکہ کسی اور مقام پر تھا۔ وہاں سے حضرت موسیٰ کو آواز دی کہ تم کو یہ پسند ہے کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی تمہارے مکان میں رہا کروں۔ مگر افسوس حضرت موسیٰؑ نے نہ معلوم کیوں خدا کے اس کلام پر اعتراض کیا اور آخر اوسکو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دی۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ خدا نے کس جگہ بیٹھ کر حضرت موسیٰ سے یہ کلام کیا۔ کہو کچھ بولتے ہو؟۔ ایسے ہی خوبصورت

عقیدوں کی وجہ سے مجھ سے بار بار کہتے ہو کہ مذہب شیعہ ترک کرکے سنّی ہو جاؤں؟۔

مولوی صاحب۔ کیا کہوں تم نے تو عقل کو حیران کر دکھا ہے۔ کس بات کا جواب دوں اور کیا دوں۔ اور اپنی ان کتابوں کو کہاں چھپا دوں جو سُنّی مذہب کی یہ حقیقت ظاہر کرتی ہیں۔

ہدایت خاتون۔ اور سنو۔ ثم ینزل فی الساعۃ الثانیۃ الی جنۃ عدن وھی دارہ التی لم ترھا عین ولم تخطر علی قلب بشر وھی مسکنہ ولا یسکن معہ من بنی ادم غیر ثلاثۃ النبیین والصدیقین والشھداء ثم یقول طوبی لمن دخلک۔ یعنی پھر دوسری ساعت میں خدا جنت عدن کی طرف اترتا ہے اور یہ جنت عدن خدا کا وہ گھر ہے جس کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی شخص کے دل میں اس کا خیال تک گزرا ہے۔ اور یہی جنت عدن خدا کا مسکن (رہنے کا مقام) ہے اور وہاں خدا کے ساتھ بنی آدم سے تین طبقوں کے سوائے کوئی نہیں رہیگا۔ وہ تین طبقے جو خدا کے ساتھ جنت عدن میں رہیں گے یہ ہیں۔ انبیاء صدیقین اور شہداء۔ پھر خدا جنت عدن سے خطاب کرکے فرمائیگا کیا ہی اچھا حال ہے اس شخص کا جو تجھ میں داخل ہو (منتخب کنز العمال جلد ا صفحہ ۴۵)

جنت عدن مذکورۂ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا جنت میں بھی رہتا ہے۔ اب جنت عدن کی تعریف بھی جان لینا چاہیئے۔ قال رسول اللّٰہ جنۃ عدن قضیب غرسہ اللّٰہ بیدہ ثم قال کن فکان۔ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جنت عدن لکڑی کی ایک شاخ ہے جسے خدا نے اپنے دست مبارک سے نصب کیا تھا۔ (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۴) جب خدا جنت عدن میں رہتا ہے تو وہاں جشن بھی ہونا چاہیئے۔ سامان عیش کا ہونا بھی ضروری ہے۔ سنو خطب عمر بن الخطاب بالناس ذات یوم فقال فی خطبتہ ان فی جنات عدن قصر الہ خمس مائۃ باب علی کل باب خمسۃ الاف من حور العین لا یدخلہ الا نبی۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک روز لوگوں کے سامنے خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا کہ جنات عدن میں ایک قصر ہے جس میں صرف پانچ سو دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار حور العین رہتی ہیں۔ اس قصر میں نبی کے سوائے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا (کتاب مذکور جلد ا صفحہ ۱۱۴)

اب تمام مسلمانوں کو حضرت عمر کا شکر گزار ہونا چاہیئے کیونکہ خدا کا عرش کو چھوڑ کر رات کی دوسری ساعت میں اتر کر جنات عدن میں تشریف لانے اور رہنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی اور یہ معمّٰے حل نہیں ہوتا تھا کہ آدھی رات کو خدا جنات عدن میں کیوں آرام کرتا ہے۔ حضرت عمر نے پردہ دری کر کے سب کی علت سمجھا دی (رض)

مولوی صاحب ۔ دیکھو تم تہذیب کے خلاف باتیں کرنے لگیں۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ ایسی باتیں زبان پر لانے کے قابل نہیں ہوتیں۔

ہدایت خاتون ۔ الحمد للہ میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ میں بھی جانتی ہوں کہ ایسی باتوں کا بیان کرنا بے حیائی میں داخل ہے۔ مگر میں نے اس غرض سے یہ جرأت کی کہ تم خود کہہ دو تمھاری مذہبی کتابیں خدا کی کیسی شرمناک تصویر کھینچتی ہیں۔

خدا کا عرش اور اسکی چرچراہٹ

تم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر رہتا ہے اس سے اس کا عرش چرچراتا رہتا ہے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے خدا کے ابر میں رہنے اور پھر مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد مخلوق میں حلول کر جانے کی تصریح کر کے فرمایا ہے کہ اس کی ذات ایسے عقیدے سے کہیں برتر ہے۔ مگر معلوم نہیں اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ آیا یہ کہ خدا نہ کسی چیز پر قائم ہے نہ کسی چیز میں حلول کئے ہوتے ہے۔ تو یہ عین شیعوں کا عقیدہ ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ خدا مخلوق میں حلول تو نہیں کئے ہے لیکن کسی جگہ رہتا۔ کسی چیز پر بیٹھتا اور کسی مقام پر ٹہلتا ہے تو یہ صحیح ہے کیونکہ تم لوگوں کی کتب حدیث میں اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے موجود ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ مثلاً سنو ویحلک وتدری ما اللہ۔ ان اللہ فوق عرشہ وعرشہ علےٰ سمواتہ وارضہ مثل القبۃ وانہ لیئط اطیط الرحل بالراکب۔ یعنی وائے ہو تجھ پر۔ تو جانتا بھی ہے کہ خدا کیا ہے (اور کہاں رہتا ہے) یقیناً خدا اپنے عرش کے اوپر رہتا ہے اور اس کا عرش مثل قبہ کے اس کے آسمانوں اور زمین کے اوپر ہے اور وہ عرش اس طرح چرچر چرچر کرتا رہتا ہے جس طرح گھوڑے کے زین پر سوار کے بیٹھنے سے زین چرچرا چرچر کرتا ہے (منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۷)

اور مولانا وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے " وانہ لیئط بہ اطیط الرحل

بالمراکب۔ خدا کے بیٹھنے کی وجہ سے عرش ایسا چرچراتا ہے جیسے زین سوار کے تلے چرچر کرتا ہے۔" (انوار اللغۃ پارہ اول صفحہ ۳۷)

پانی پر عرش مذکور بالا حدیث سے تو معلوم ہوا کہ خدا کے رہنے کا عرش آسمانوں اور زمین کے اوپر تھا لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۷۷ میں دوسری حدیث مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ اوپر والا مضمون غلط ہے اور خدا کے رہنے کا عرش بالکل نیچے پانی پر تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کان اللہ ولم یکن شیئا غیرہ وکان عرشہ علی الماء وکتب فی الذکر کل شی ھو کائن وخلق السموات والارض۔ یعنی خدا تو اُس وقت تھا جب اُس کے سوائے اور کوئی چیز نہیں تھی اور اُس کا عرش پانی کے اوپر تھا اور خدا نے ذکر میں ہر اُس شئے کو لکھدیا جو ہونے والی تھی اور اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور مولانا وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے العرش علی منکب اسرافیل وانہ لیئط اطیط الرحل الجدید یعنی عرش خدا حضرت اسرافیل کے مونڈھے پر ہے اور وہ پروردگار کی عظمت سے اس طرح چرچر کرتا ہے جیسے نئی زین پر کوئی سوار ہو وہ چرچر کرتی ہے۔" (انوار اللغات پارہ ۱ صفحہ ۳۷)

مقام محمود کیا ہے اور سنو قال رجل یا رسول اللہ ما المقام المحمود قال ذالک یوم ینزل اللہ عز وجل علی عرشہ فیئط کما یئط الرحل الجدید من تضیقہ لیعنی ایک شخص نے جناب رسولخدا صلعم سے دریافت کیا کہ یا حضرت مقام محمود کیا چیز ہے؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ یہ وہ روز ہے جس دن خدا اپنے عرش پر اتریگا پس وہ عرش اس طرح چرچرانے لگے گا جس طرح نیا زین تنگ اور کسا ہوا رہنے سے چرچراتا رہتا ہے۔ (منتخب کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳)

عرش کے چرچرانے کی آواز ان حدیثوں سے یہ نہ سمجھنا کہ عرش خدا کی چرچراہٹ کچھ ہلکی ہوگی کیونکہ خدا کا عرش اور اس پر بیٹھنے والا بھی خدا ہی ہے۔ پھر اُس کی چرچراہٹ کی آواز کہاں تک نہ جائے گی۔ اس کی حالت یہ لکھی ہے ان اھل الفردوس لیسمعون اطیط العرش یعنی بہشت بریں کے رہنے والے بھی عرش خدا کی چرچراہٹ کو سن لینگے (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱)

فرار اڈیٹر النجم | مولوی عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ کا جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالۂ اصلاح سے مناظرہ کیلئے آنا اور بغیر مناظرہ شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے قیمت ۴ر

فتح مبین | اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم کے مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہو جانے کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ قیمت ۴ر

فتح الرحمان | اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانا ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا۔ قیمت ۴ر

فتح القدیر | اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جاکر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے۔ قیمت ۳ر

قول کریم | ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے۔ جس میں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کردیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور انکی کتابوں سے قرآن کی تحریف اس طرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ آجتک اڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب نہیں ہوسکا۔ قیمت ۸ر

معراج شہادۃ | شہادۃ امام حسینؑ کے متعلق خانبہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا مصنف کتاب "نور ایمان" کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے۔ قیمت ۲ر

مشعل ہدایت | جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔اے مجسٹریٹ پنشنر کھجوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جس میں دکھایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولؐ اور اُن کے آل و اصحاب کے لئے کیا فرماتا ہے۔ اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت مجسٹریٹ آپنے سنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے حجم ۱۱۲ صفحہ قیمت صرف ۸ر

وضوء میں پاؤں پر مسح کرنا | فرقہ اہلقرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضوء میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اسکے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہلقرآن و قول فیصل شائع کرکے ثابت کردیا گیا کہ قرآن مجید وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہلقرآن کو بھی مان لینا پڑا۔ قیمت ۴ر

اسلامی خدا | توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کرکے واضح کردیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۸ر

المشتہر :- مینجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

آل و اصحاب اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ کے ساتھ کس درجہ بے رخی کی۔ واقعۂ کربلا کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے مگر انھوں نے ادھر ذرہ برابر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۱۲؍

جواب شرر مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کا بہت فحش اور گندہ ناول لکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگادی تھی۔ اس کا مفصل جواب اور تاریخی تحقیقات کا بے مثل خزانہ تیسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

صاحب العصر والزمان حضرت حجتؑ کے وجود اور غیبت کی بہت زبردست دلیلیں اور قادیانی فرقہ نے حضرتؑ کے بارے میں جو اعتراضات کئے ہیں ان کا مفصل اور تسکین بخش جواب۔ قیمت ۱۲؍

عقل و تہذیب اہلحدیث فرقہ اہلحدیث کی عقل۔ تہذیب۔ انسانیت۔ مذہب اور خصوصاً ان کے علماء و پیشوایان دین کے قابل مضحکہ حالات کا مکمل مجموعہ۔ قیمت ۱۲؍

فتنۂ شبلی شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں لکھا تھا کہ معاذ اللہ جناب امیرؑ نے بھی ایک دفعہ شراب پی تھی اس کی مفصل اور محققانہ رد کر کے اس روایت کی دھجیاں اڑا دی گئی ہیں۔ قیمت ۸؍

تحریف قرآن کے بارے میں اہلسنت اعتراض کرتے ہیں۔ رسالہ حد السارق میں پوری تحقیق اور جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تحریف قرآن کے قائل اہل سنت ہیں اور ان کی کتابوں سے یہ اسطرح واضح ہو کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا

مسئلۂ فدک سنی شیعہ کے درمیان بہت زبردست بحث ہے۔ نواب محسن الملک بہادر نے شیعوں کے خلاف آیات بینات میں بہت زور لگایا ہے اس کا مفصل جواب کمال تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب شیعوں کیلئے نعمت عظمیٰ ہے۔ جلد اول ۸؍ جلد دوم ۸؍ جلد سوم ۶؍ جلد چہارم ۴؍

مقدمۂ نہج البلاغہ بعض اہلسنت کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔ اس کتاب میں نہایت تحقیق و جامعیت سے اسکو حضرت کا کلام ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍

ہندو پنڈت کا رسالہ خلافت ایک ہندو پنڈت ہر نام صاحب نے مسئلہ خلافت و امامت پر وہ زبردست تحریر شائع کی ہے جس سے مذہب شیعہ کی حقیقت مثل آفتاب روشن ہے اس رسالہ نے برادران اہلسنت میں زلزلہ ڈالدیا۔ اصلاح کو نو جدید خریدار دیکر یہ کتاب مفت طلب کریجیے۔

(سید ظفر مہدی [illegible] حیدر نے مطبع اصلاح میں چھپوا کر شائع کیا)